کتاب شہادت (جلد 1) صفحہ 226 تا 496
کتاب شہادت
اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔
عابد بیمار

يُرِيدُ اللهُ اَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷، ۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

اس کتاب میں اسلام کے اُن عظیم الشان واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا کہ جس طرح جنگ صفین و جمل ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی گھڑت ہیں، اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بالکل غلط اور محض بے بنیاد ہے۔

کتاب شہادت جلد 1

صفحہ 226 تا 496

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

خلفائے راشدین ﷺ پر بعض سخت الزامات کی تحقیق

اور بے بنیاد حکایتوں کا افسانہ

جو گستاخیاں کہ خلفاء کی جناب میں ہو چکی ہیں .اور جو گالیاں کہ اب تک ان رہنمایان قوم کی کو دی جا چکی ہیں .ان کی غلاظت حد سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہے اور انکی خشونت فلک الافلاک سے بھی آگے پہنچ چکی ہے حملے اور دل آزار حملے الزام اور ناواجب الزام گالیاں اور غلیظ ترین گالیاں اتہامات اور بے بنیاد اتہامات ان پاک نفوس پر ایک گروہ علانیہ عائد کر رہا ہے ہے .اور اسے کر وار ہا ہے۔ مسلمانوں کی دل آزاری کی کچھ پروا نہیں تیرہ سو برس گزر گئے ہزار ہا خانوادوں اور خاندانوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی انسانی تمدن سینکڑوں پلٹیاں کھا چکا جن سلطنتوں میں کہ ان پاک نفوس پر تبرے بازی ہوتی تھی وہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دی گئیں .معاشرت انسانی محسوسات اور خیالات میں زمین آسمان کا فرق آ گیا مگر کسی قسم کا نمایاں اور بیّن فرق محسوس نہیں ہوا تو اس گالی گلوچ اور فحش بازی میں اگرچہ زور بہت کم ہو چکا ہے مگر ایک ناگوار غلیظ اور ناپاک بھنبھناہٹ مسموع ہو رہی ہے اور اس سے کروڑوں بے گناہ دلوں پر ایک چوٹ لگتی ہے اور اس چوٹ کا اثر اس دل سے پوچھا جائے جس دل پر چوٹ لگی واللہ بعد از رسول اکرم ﷺ سوائے حضرت ابوبکر صدیق ،عمر فاروق ،عثمان غنی ،اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اور ہم کسی کو نہیں سمجھتے یوں تو اور بھی بزرگان اسلام ہیں .مگر مرتبے میں ان سے زیادہ نہیں ہیں .وہ مسلمان نہیں ہے جو ان بزرگوں کی شان میں گستاخانہ ناپاک اور ذلیل الفاظ سنے اور اسکا دل نہ دکھے جس دل میں ذرہ بھر بھی اسلام کی محبت ہے وہ دل کبھی ان خلفاء کی محبت سے خالی نہیں ہو سکتا .مسلمان اگر فی الواقع مسلمان ہے وہ کبھی ان کی طرف سے سوء ظن نہیں رکھ سکتا واللہ جو انہیں نہیں مانتا رسول اللہ کو نہیں مانتا جن کی اسلامی خدمات کا دنیا کے ہر حصے میں ڈنکا بج رہا ہے .ہندوستان ،افریقہ ،چین ،اور یورپ جہاں پانچوں وقت اللہ اکبر کی جلیل الشان صدائیں گونجتی ہیں یہ سب ان ہی کے طفیل سے ہوا.

فضیلت اور غیر فضیلت کی بحث اور ہے صرف گفتگو اس میں ہے کہ یہ خلفاء مورد طعن تشنیع کیوں ہیں. حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سب کی نسبت علیحدہ علیحدہ قسم کی گالیاں تراشی ہیں. حضرت علی کو تو تعریفی پیرائے میں وہ ملاحیاں سنائی جاتی ہیں. جنکا وزن غور سے دیکھنے کے بعد غلیظ گالیوں سے بھی بڑھ جاتا ہے. اسلام کے سچے فدائی مسلمانوں کے عاشق زار نبی کے فرمانبردار اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ان سے بہتر آج تک نیک پاکباز سچے کسی کو نظر نہیں پڑے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے سابق تین خلفاء کی نسبت نہج البلاغہ میں ارشاد کرتے ہیں. " کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں اسلام کی ترغیب دی گئی تو انہوں نے قبول کر لی قرآن پڑھا تو اسکو پختہ کر لیا. جہاد کے لئے بلائے گئے تو دودھ والی اونٹنیوں کو بچوں سے چھڑا کر حاضر ہو گئے تلواریں میان سے گھسیٹ لیں جماعت جماعت اور صف صف ہو کر اطراف عالم کو لے لیا کوئی مارا گیا کوئی بچ گیا نہ تو زندوں کی خوشخبری دی گئی اور نہ مردوں کا پرسا لیا گیا۔ خدا کی یاد میں روتے روتے انکی آنکھیں سوجھ جاتی تھیں. روزہ رکھتے پیٹ پیٹھ سے لگ جاتے تھے دعا کرتے تھے لب خشک ہو جاتے تھے جاگتے جاگتے رنگت زرد پڑ جاتی تھی. ان کے چہرے عاجز لوگوں کی طرح غبار آلود ہوتے تھے یہی لوگ میرے بھائی ہیں جو چلدیئے ہمیں اس وقت ان کی حد سے زیادہ ضرورت ہے ہمیں زیبا ہے کہ ان کی جدائی کے صدمے سے اپنا ہاتھ کاٹ کھائیں فقط. بعض کوتاہ نظر خیالات کے اختلاف کو دشمنی پر محمول کر لیا کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ کم ظرفی اور نہیں ہو سکتی یہ عظیم الشان مذہب جنکی بازوؤں کی قوت سے تمام دنیا میں پھیلا اور جس میں اب تک باوجود تنزل اور بربادی کے ہم آہنگی اور ایک حد تک ہم رنگی پائی جاتی ہے. یہ صرف ان نیک نفوس کی سچی ہمدردی اور نیک نیتی کے سوا اور کیا سمجھ میں آ سکتا ہے.

کسی مذہب ملک یا سلطنت میں ایسے خلیفہ یا حکمران نہیں گزرے جیسے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی ۔ دنیا کی تاریخیں موجود ہیں بڑے بڑے حکمرانوں کے حالات قلمبند ہو چکے ہیں مگر مقابلہ کرنے پر یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی

ہے کہ ان سے بہتر کیا ان کے مساوی بھی خدا کی مخلوق پر کسی نے حکمرانی نہیں کی وہ جلیل القدر بادشاہ تھے مگر مثل عام رعایا کے پیوند لگے ہوئے لباس میں شاہراہوں پر پھرتے تھے ادنیٰ خدمتی کی طرح خدا کی مخلوق کی خدمت کرتے تھے ان کے دروازوں پر دربان نہیں تھے کوئی پہرا نہیں تھا۔

ان کے رہنے کے لئے بروج مشیدہ اور زرنگار قصر نہیں بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک بہت ہی سیدھے سادھے مکان میں رہتے تھے ان کی معاشرت بہت ہی سادی تھی مگر ایک معمولی سی معمولی بڑھیا اور معمولی سا معمولی مزدور بآزادی ان سے ہم کلام ہوسکتا تھا۔ اور اپنا درد دکھ کہہ سکتا تھا ان کی سلطنت کی وسعت دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ سے ٹکر کھاتی تھی۔ تمام ایران، مصر شام اور افریقہ کا بہت سا حصہ ان کے زیر نگین ہو چکا تھا مگر اس پر بھی کسی قسم کا طمطراق کسی قسم کی دنیاوی شوکت کسی قسم کا ملکی جلال مطلق نہیں تھا بعضوں عظام کے سفیر مدینہ میں آ کے صرف اس بات کی تلاش کرتے تھے کہ خلیفہ کہاں ہیں اور جب وہ خلیفہ کو تن تنہا کمل پوشی کی حالت میں مسجد کی سیڑھیوں پر یا ایک کھجور کے درخت کے نیچے لیٹا ہوا دیکھتے تو سناٹے میں آ جاتے کہ زمین کے ایک بڑے قطعہ کا مالک کس فقیرانہ لباس اور انکساری کے ساتھ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ اسکے گرد کوئی پہرہ ہے اور نہ زرین زین ولجام کے کوتل گھوڑے اسکے لئے تیار کھڑے ہیں نہ اسکا شاہی اسٹاف ہے یہ صورت دیکھ کے قدرتی طور سے نوارد کے دل پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور وہ سکتے میں کھڑے کا کھڑا رہ جاتا تھا موجودہ یورپ کے حکماء اور فضلا نے ان خلفاء راشدین کی عظمت اور جلال کو تسلیم کر لیا ہے سر ولیم میور جو ایک بہت بڑا متعصب مورخ تھا اپنی کتاب "خلافت" میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کی مدح میں رطب اللسان ہے اسی طرح ڈاکٹر ہوسیو لیبان پیرس پایۂ تخت فرانس کا مشہور فاضل اپنی مشہور اور نامور کتاب "سیولائزیشن دی عربس" میں راشدین صحابہ کی نسبت حسب ذیل لکھتا ہے۔۔

خلفائے راشدین:

جس وقت حضرت رسالت مآب نے ۶۳۲ عیسوی میں رحلت فرمائی آپ کی رسالت پوری نہیں ہونے پائی تھی اور انواع واقسام کے خطرے موجود تھے۔ جن سے خوف ہوتا تھا کہ یہ

رسالت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے. وہ ملکی اتحاد جسکی بنا آنحضرت نے عربستان میں ڈالی تھی محض اتحاد دینی کے سبب سے تھا اور ممکن تھا کہ یہ اتحاد دینی آنحضرت کی وفات کے ساتھ ختم ہو جائے. عربوں نے البتہ ایک ایسے رسول کی اطاعت کو جو منجانب اللہ ان کی ہدایت کے لئے آیا تھا قبول کر لیا لیکن اس رسول کے بعد کچھ ضروری نہ تھا خواہ مخواہ اسکا کوئی جانشین بھی ہو. بہتیرے قبائل عرب جنہوں نے اپنی فطری آزادی اور محکومیت کی جبلی نفرت کو ایک فرستادہ خدا پیغمبر کی خاطر سے چھوڑ دیا تھا اس پر راضی نہ تھے کہ اس پیغمبر کے خلفائے کی بھی جسکا ذکر خود پیغمبر نے کبھی نہیں کیا تھا اور جنہیں اس پیغمبر کی تعلیم کو جاری رکھنے کا کوئی حق نہ تھا اطاعت کریں. اور بھی اسباب اس قسم کے تھے جن سے اسلام کے دب جانے کا بڑا خوف تھا. حضرت رسالت مآب کی کامیابی کو دیکھ کر بہتیرے مخبوط الحواس اشخاص ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ان میں سے ایک شخص نے تقریباً نصف یمن کو مرتد بھی کر لیا اور اگر بعض سچے اور وفادار مسلمانوں نے اسے بطور خفیہ قتل نہ کر ڈالا ہوتا تو یمن کا بڑا خطہ دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا. اسی قسم کے ایک اور شخص نے قرآن میں کچھ سورتیں بڑھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس نے اس قدر کامیابی حاصل کی کہ خلفائے اولین کو چند روز تک اسکا مقابلہ کرنا پڑا. غرض یہ کہ اس نئے دین کو بہتیرے سے مواقع درپیش اور بے شک وہ اصحاب نبی کی خوش تدبیری ہی تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا. انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی اشخاص کو انتخاب کیا جنکی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی اور حقیقت میں پیروان اسلام کسی خلیفہ کی اطاعت نہیں کر رہے تھے بلکہ اس قانون کی اطاعت کرتے تھے جو ان کے لئے آسمان سے اترا تھا اور جس میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہ تھا.

خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر ۶۳۲ عیسوی سے ۶۳۴ء تک، حضرت عمر ۶۳۴ء عیسوی سے ۶۴۴ء عیسوی تک، حضرت عثمان ۶۴۴ء سے ۶۵۵ء تک اور حضرت علی ۶۵۵ عیسوی سے ۶۶۰ عیسوی تک یہ سب حضرات رسالت مآب کے صحابہ تھے اور ان میں پیغمبر خدا کی سخت زندگی اور سادہ عادتیں موجود تھیں اور کسی قسم کی شان حکومت ان میں نہ تھی حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے

وقت کل تین چیزیں چھوڑیں. ایک جوڑا کپڑے کا جو آپ پہنتے تھے. ایک اونٹ جس پر آپ سوار ہوتے تھے اور ایک غلام جو آپ کی خدمت کرتا تھا بین حیات وہ بیت المال سے کل پانچ درہم روزانہ اپنے اذوقہ کے لئے لیا کرتے. حضرت عمر بعوض اسکے کہ افواج اسلام کی بیش بہا غنیموں میں حصہ لیا محض ایک عبا کے مالک تھے. جس میں متعدد پیوند تھے اور آپ راتوں کو مساجد کی سیڑھیوں پر غربا کے ساتھ سو رہا کرتے تھے.

عربوں نے نہایت بتدریج سلطنت جمہوری سے سلطنت شخصی تک ترقی کی خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا. حضرت علی خلیفہ چہارم خود بہ نفس نفیس ایک عدالت کے سامنے مدعی بنکر آئے اور ایک ایسے شخص پر دعویٰ کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی. جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمر سے ملنے کے لئے مکہ آیا تو حسب اتفاق ایک عرب نے نادانستہ اسے دھکا دیا. اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا، عرب کی نالش پر حضرت عمر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے. اس پر بادشاہ نے کہا "اے امیر المومنین یہ بھی ہوسکتا ہے. کہ ایک عام شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے "خلیفہ نے جواب دیا کہ "اسلام کا قانون یہی ہے اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے اور نہ ذات کی. ہمارے پیغمبر کی نظروں میں سب مسلمان برابر تھے اور ان کے خلفا کی نظروں میں بھی یہ ہی مساوات قائم رہے گی.

اس قسم کا مساوی انصاف زیادہ دنوں نہیں رہا اور خلفائے اسلام بھی بالآخر مثل خودمختار سلاطین کے ہو گئے لیکن آج تک اس امر پر اصرار کیا جاتا ہے کہ از روئے قرآن مجید کل مسلمان آپس میں برابر ہیں.

اوّل خلیفہ اسلام حضرت ابوبکر تھے. جناب رسالت مآب نے انہیں ایک مرتبہ اپنے بدلے نماز پڑھانے کا حکم دیا اور یہی وجہ ان کے انتخاب کی ہوئی. اس انتخاب سے کسی قدر باہمی نااتفاقی پیدا ہوئی. اور اس قسم کی نااتفاقیاں ہر ایک خلیفہ کے انتخاب کے وقت وقوع میں آتی گئیں.

مورخین اسلام کا بیان ہے کہ جس وقت سب صحابہؓ بیعت کر چکے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا

"اے بھائیو! مجھے تم پر حکومت کرنے کی خدمت سپرد ہوئی ہے اگر میں اچھا کام کروں میری اعانت کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے روکو. جس شخص کے ہاتھ میں یہ حکومت ہو اس سے سچی بات کا کہنا عبادت ہے اور اس سے سچ کا چھپانا معصیت میرے سامنے قوی اور ضعیف مساوی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک کے ساتھ بلا رو رعایت انصاف کروں. اگر میں کسی وقت بھی اپنے کو حکم خدا اور رسول سے منحرف کروں تو اسی وقت تم لوگ میری اطاعت سے بری الذمہ ہو جاؤ گے.

حضرت ابوبکر کو سب سے پہلے ان لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور جو خلافت کے دعویدار تھے اور پھر ان اشخاص سے جو جزیہ سے بچنا چاہتے تھے. بہت تھوڑے ہی دنوں میں حضرت ابوبکر کو معلوم ہو گیا کہ سب سے عمدہ طریقہ ان نااتفاقیوں کے بند کرنے کا یہ ہے کہ عربوں کو ملک سے باہر اپنی جبلی جنگ وجدل کی عادت کو کام میں لانے کا موقع دیا جائے اور یہی خوش تدبیری ان کے بعد کے خلفا نے بھی برتی اور جب تک یہ تدبیر جاری رہی اسلام بہت ترقی کرتا رہا. جس روز عربوں کے لئے دنیا میں کوئی ملک فتح کرنے کو باقی نہ رہا اسی روز انہوں نے آپس میں خانہ جنگی شروع کر دی.

یہی خانہ جنگیاں ان کی نااتفاقیوں کے باعث ہوئیں. اور پھر آپس کی نااتفاقیوں نے ان کے تنزل کی بنا ڈالی فی الواقع عربوں کی قوت قبل اسکے کہ اُس پر دشمنوں کا اثر پڑے خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ضائع و برباد ہو گئی تھی.

خلیفہ دوم حضرت عمر ہی کا زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع ہوئیں. حضرت ابوبکر کے وقت میں کئی فتوحات شام میں ہو چکی تھیں لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ان ابتدائی لڑائیوں میں مسلمانوں کی شجاعت بہت زیادہ تھی مگر فن حرب کی واقفیت بہت کم اور اسی وجہ سے جب تک انہوں نے مثل اپنے مخالفین کے فن حرب میں تعلیم نہیں پائی تھی. وہ کبھی کامیاب ہوتے اور کبھی شکست کھاتے. حضرت عمر جس قدر عمدہ منتظم تھے اس قدر سپہ سالار بھی تھے اور انکا انصاف تو ضرب المثل ہے. مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو آپ نے یہ تقریر کی "اے سامعین غور سے سنو میری نظروں میں تم میں سے ضعیف سے ضعیف شخص سب سے قوی ہے بشرطیکہ وہ حق پر ہو اور تم میں سے قوی سے قوی شخص اضعف الناس ہے بشرطیکہ وہ ناحق پر ہو"

فی الحقیقت مسلمانوں کی سلطنت کی ابتداء حضرت عمر سے ہوئی اور جس وقت عربوں کے ظلم سے شہنشاہ ہرقل شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں جا چھپا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اب دنیا کی حکومت دوسروں کے ہاتھ چلی گئی "فقط یورپی محقق کا قول ختم ہوا۔ اس صداقت پر کہ جو آج یورپ کے علماء کے دلوں میں صحابہ کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے بد قسمتی سے مسلمانوں ہی میں ایک ایسا گروہ ہے جو اسلام کے ان حقیقی خادموں اور مسلمانوں کے سچے رہنماؤں کی شان میں غلیظ سے غلیظ ناپاک الفاظ اور غلط سے غلط شدید الزامات لگانا اپنی نجات کا باعث سمجھتا ہے بہر حال ہمیں ان الزامات کی تحقیق کرنی ہے اور ہندی کی چندی کر کے دنیا کو دکھا دینا ہے کہ مثل حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے اس گروہ نے ہزار ہا فرضی باتیں تراش لی ہیں۔ اور خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر ایسے غلط اور لغو الزامات قائم کئے ہیں جو اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ شہادت کا واقعہ ایجاد کر لینا اس قوم کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا انہوں نے جا و بیجا راشدین صحابہ کے مقابلہ میں حضرت علی کو جھوٹی روایتیں بنا کے اندھا دھند بڑھا دیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی اصلی حالت سے بھی تجاوز کر گئے اور اس حد تک پہنچ گئے جہاں ان کی تعریف ہجو کی صورت میں تبدیل ہو گئی سب سے بڑا دعویٰ شیعوں یا رافضیوں کا ہے۔

رافضیوں کا قول:

امیر المومنین حضرت علیؓ کے فضائل بے حد اور کمالات بے انتہاء ہیں۔ جنہیں مخالف اور موافق سب نے نقل کیا اور ان کے سوا اور سب صحابہ کی شان میں جمہور نے بہت سے عیب نقل کئے ہیں اور حضرت علی کی شان میں کوئی بات بُرائی کی نقل نہیں کی تو انہوں نے حضرت ہی کے قول کی پیروی کی اور ان کو اپنا امام سمجھ لیا اور ان کے سوا اوروں کو چھوڑ دیا محض اسی وجہ سے کہ انکی تعریف مخالف اور موافق سب نے کی ہے یہاں تک کہ جو شخص انکی امامت کے سوا اور کسی کی امامت کا معتقد ہوا تو اسنے اپنے امام کی امامت میں بہت سی برائیاں نقل کی ہیں اور ہم یہاں قدرے قلیل وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہیں اور انہوں نے اپنے قول اور اپنی کتابوں سے معتمد میں نقل کی ہیں۔ تا کہ قیامت کے دن یہ ان پر حجت ہو منجملہ ان کے ایک وہ روایات ہے جو ابو الحسن اندلسی

نے جمع بین الصحاح الستہ یعنی موطا امام مالک صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، صحیح ترمذی، صحیح نسائی میں نبی ﷺ کی بی بی ام سلمہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آیۃ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا میرے ہی گھر نازل ہوئی ہے اور میں دروازہ پر بیٹھی ہوئی تھی میں نے (حضرت سے) پوچھا یا رسول اللہ کیا میں اہل بیت میں نہیں ہوں فرمایا کہ تم یقیناً بھلائی پر ہو بیشک تم اللہ کے رسول کی بی بی ہو اور اس وقت گھر میں آنحضرت ﷺ علی، فاطمہ حسن اور حسین تھے حضرت نے ان سب کو ایک چادر اڑھالی اور فرمایا کہ اللّٰهم هؤلاء اهل بيتى فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا یعنی اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان کی پلیدی رفع کر کے انہیں خوب پاک کردے۔ فقط

اب اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے یہ آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت صدیق اکبر کے جو فضائل حدیثوں میں آئے ہیں وہ ان فضائل سے بہت زیادہ ہیں جو حضرت علی کے لئے ثابت ہیں اب رہی یہ بات جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے کہ بہت سی حدیثیں جو وہ بیان کرتے ہیں جمہور کے نزدیک ثابت ہیں یہ صریح ابلا فریبی اور دھوکا ہے حضرت علی کے فضائل اور راشدین صحابہ کے خلاف شان جو حدیثیں رافضیوں یا شیعوں نے جمع کی ہیں۔ وہ کیا جھوٹی ہونگی۔ یا ضعیف اور اگر کوئی صحیح بھی ہو تو اس میں کوئی بات ایسی نہ ہوگی۔ جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرے یا اس بات کا ثبوت دے کہ حضرت علی، صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے افضل تھے صحیح حدیثوں میں جو فضائل حضرت علی کے آئے ہیں۔ وہ ان ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں وہی فضائل اور صحابہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر تماشہ دیکھئے جو فضائل صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے لئے ثابت ہیں ان میں بہت سی ایسی فضیلتیں ہیں جو خاص انہی کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اب رہا صدیق اور فاروق کے عیب جو رافضی بیان کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی عیب ان دونوں کی ذات میں ہم تسلیم کرلیں تو حضرت علی بھی اس سے مبرا نہیں ہوسکتے بلکہ حضرت علی کے عیبوں کا وزن صدیق اور فاروق کے عیبوں سے بڑھ جائیگا اب رہا رافضیوں کا یہ دعویٰ کہ حضرت علی ہی ایک ایسے شخص ہیں جنکی تعریف مخالف موافق سب نے کی ہے اسی لئے ہم نے انہیں لے لیا اور سب کو

چھوڑ دیا یہ بھی کذب محض اور دروغ بے فروغ ہے کسی مخالف نے کہیں بھی حضرت علی کی تعریف نہیں
کی بلکہ حضرت علی میں قدح کرنے والے مسلمانوں میں بہت سے فریق ہیں اور وہ ان لوگوں سے
کہیں زیادہ افضل ہیں جو صدیق اکبر، فاروق اعظم، اور عثمان غنی میں قدح کرتے ہیں لہٰذا ان کا
قدح کرنا بہ نسبت ان کے زیادہ قابل اعتبار ہوگا مثلاً ایک گروہ نے علی کو معبود برحق یا نبی مانا ہے۔ وہ
خوارج سے جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں بدر جہا بدتر ہے مگر تماشہ دیکھئے کہ خوارج حضرت علی کو تو کافر
بتاتے ہیں مگر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا دم بھرتے ہیں اور دونوں سے بے انتہاء خوش ہیں اور وہ
مروانی گروہ جو حضرت علی کو ظالم کہتے ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ہرگز خلفیہ نہیں تھے وہ بھی
صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں ان بین شہادتوں پر کون کہہ سکتا ہے کہ
حضرت علی کی تعریف موافق اور مخالف دونوں نے کی یہ خوب سمجھ لیجئے کہ راشدین حلفاء کی تعریف
کرنے والے مرتبہ تعداد اور فضائل میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور جو لوگ حضرت علی میں
قدح کرتے ہیں اور انہیں کافر فاسق اور گنہگار بتاتے ہیں انکا علم شیعوں سے کہیں زیادہ ہے کوئی
شیعہ ان سے مناظرہ نہیں کر سکتا نہ آج تک کسی ملکی لڑائی میں شیعہ ان پر فتح یاب ہوئے اسکے علاوہ
دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو حضرت علی کو کافر اور ظالم ٹھہراتے ہیں بالاتفاق جمہور مسلمان ہیں انکا
مرتد ہو جانا کبھی معلوم نہیں ہوا مگر وہ لوگ جو حضرت کی تعریف کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ میں قدح
کرتے ہیں انکا اسلام سے مرتد ہو جانا ثابت ہے۔ مثلاً فرقہ نصیریہ۔ اسمٰعیلیہ جو نصیریہ سے بھی بدتر
ہے یہ حضرت علی کو معبود برحق بھی مانتے ہیں اور نبی بھی مانتے ہیں۔ جمہور مسلمانوں کے نزدیک
بیشک یہ لوگ کافر اور مرتد ہیں اللہ اور رسول کے ساتھ انکا کفر کرنا صاف ظاہر ہے۔ جس شخص نے آدمی
کو معبود سمجھا یا حضور پرانور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے نبی ہونے پر عقیدہ رکھا اور دعویٰ کیا کہ یہ
محمد ﷺ نبی نہ تھے بلکہ علی ہی نبی تھے اور جبرائیل سے غلطی ہوگئی تھی کہ وہ بجائے علی کے پاس وحی
لانے کے محمد ﷺ کے پاس بھولے سے یہ وحی لے گیا۔ اس عقیدے کے آدمیوں کے کفر کی نسبت
کون شک کر سکتا ہے۔ ان لوگوں سے اب اس گروہ کا مقابلہ کیا جائے جو خارجی کہلاتا ہے۔ جس
کے عقیدہ میں علی کافر ہیں یہ گروہ آپ پر علانیہ لعنت بھیجتا ہے با ایں ہمہ انکا اسلام خیر القرون کا سا

اسلام ہے وہ لوگ خضوع اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں رمضان میں روزے رکھتے ہیں بیت اللہ کا حج کرتے تھے اللہ اور رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے. ان میں کفر کی کوئی بات ظاہر نہ تھی بلکہ اسلام کے احکام اور ان کی علامتیں ان میں ظاہر تھیں جسکی وہ صدق ولی سے تعظیم کرتے تھے. اسکی صداقت وہ علمائے اسلام اور وہ باخبر مسلمان جو مسلمانوں کی حالت سے پورے واقف ہیں اچھی طرح دیتے ہیں پھر تعجب ہے رافضیوں کے اس دعوے پر مخالف بھی حضرت علی کی تعریف کرتے ہیں، جب ان لوگوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے جو حضرت علی کی تعریف کرتے تھے اور حضرت عثمان کو بُرا کہتے تھے. یا وہ لوگ جو حضرت عثمان کی تعریف کرتے تھے اور حضرت علی کو برا کہتے ہیں۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حضرت عثمان کی تعریف کرنے والے حضرت علی کی تعریف کرنے والوں سے بدرجہا بہتر شائستہ اور عالم ہیں صحابہ اور تابعین میں سے جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی اور ان پر لعنت کی وہ اُن لوگوں سے بڑے عالم اور بڑے دیندار تھے جو حضرت علی کا ساتھ دیتے تھے اور جو حضرت عثمان کو ملعون کہتے تھے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اگر اہل سنت والجماعت حضرت علی کی حمایت نہ کرتے تو حضرت علی کا دم بھرنے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جو خوارج اموی اور مروانیوں کا مقابلہ کر سکتا. حضرت علی سے جو لوگ عداوت رکھتے ہیں ان میں سے سب سے بدتر فرقہ وہ ہے جو حضرت علی کو کافر کہتا ہے. اور اسکا یہ ایمان ویقین ہے کہ حضرت علی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے. اور ان کا یہ بھی یقین ہے کہ تقرب الی اللہ محض حضرت علی کے قتل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے. ان خوارج کے اٹھارہ فرقے ہیں مثلاً ازارقہ جو نافع ابن ارزق کے پیرو ہیں. اور نجدیہ جو نجدۃ الحروری کے پیرو ہیں اور اباضیہ جو عبداللہ ابن اباض کے پیرو ہیں ان سب فرقوں کے مفصل حالات حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں یہ لوگ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں موجود تھے اگرچہ صحابہ ان لوگوں سے مناظرہ اور مقاتلہ کرتے تھے مگر صحابہ نے کبھی انہیں کافر نہیں کہا اور نہ حضرت علی نے کبھی ان کے کفر کا فتوے دیا مگر جو فرقہ حضرت علی کی تعریف میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا اور جسے فرقہ غالیہ کے نام پکارتے ہیں اس فرقہ کو صحابہ اور سب مسلمانوں نے بلکہ خود حضرت علی نے بھی کافر کہا ہے حضرت علی نے تو

اس فرقہ کے آدمیوں کو یہاں تک سزا دی کہ انہیں زندہ جلوا دیا گیا یہ لوگ جب کسی مسلمان کو اکیلا دیکھتے یا پاتے تھے قتل کر دیا کرتے تھے. پس یہی لوگ تھے جن پر تمام صحابہ کا حضرت علی کے ساتھ مرتد ہونے کا فتویٰ کفر موجود ہے وہ لوگ جو حضرت علی کی تعریف کرتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی سے کنارہ کش تھے ان کی نسبت صحابہ اور خود حضرت علی کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا یہ اول درجہ کے خبیث اور بدباطن ہیں.

اب آپ چادر والی حدیث کو ملاحظہ فرمائیں جس پر شیعہ بہت اکڑتے ہیں اور ان کے خیال میں اہل بیت کی عظمت صداقت طہارت اور علو مرتبت کی اور کوئی دلیل نہیں. یہ بات زیادہ غور کرنے کے قابل ہے آج کل جب کوئی مناظرہ ہے یا مباحثہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے چادر والی حدیث پیش کی جاتی ہے اب ہم اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اسکی اصلیت کیا ہے.

ہم مانتے ہیں کہ امام احمد اور ترمذی نے ام سلمہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور مسلم نے اپنے صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے آپ ایک سیاہ اونی چادر اوڑھے ہوئے تھے اتنے میں حسن بن علی آ گئے تو آپ نے انہیں اپنی چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے انہیں بھی آپ نے چادر میں بٹھا لیا پھر خاتون محشر حضرت بی بی فاطمہؓ آئیں تو انہیں بھی وہی چادر اُڑھائی پھر حضرت علی آئے ان پر بھی وہی چادر ڈال دی جب یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً اب دیکھنا یہ چاہیے کہ حضرت بی بی فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم حضرت علی کے شریک حال ہیں لہذا حضرت علی کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں رہی. اسکے علاوہ اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں اس امر کی دعا کی تھی کہ اللہ ان کی پلیدی کو دور کر دے. اور انہیں پاک کر دے ان کے لئے اس دعا کے ہونے کا زیادہ سے زیادہ فائدہ نکل سکتا ہے کہ وہ ان پرہیزگار لوگوں میں سے ہو جائیں جن سے اللہ نے پلیدی رفع کر کے انہیں پاک بنا دیا ہے پلیدی سے بچنا سب مسلمانوں پر واجب ہے اور پاک رہنے کا سب مسلمانوں کو حکم کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (یعنی اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے لیکن یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے اور اپنی نعمت تم پر پوری کردے. اور پھر فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا یعنی اے نبی ان لوگوں کے مالوں سے صدقہ لو جسکے ذریعے سے انہیں پاک اور صاف بنادو اور پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکل آیا کہ حضرت خاتون محشر حضرت علی اور حضرت حسین کے حق میں یہ دعا مامور کو کرنے اور ممنوع کو چھوڑنے کے لئے ہوئی تھی اب اسکے مقابلہ میں آپ ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت صدیق اکبر کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے فرقان حمید میں یہ فرمایا وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (سورت والیل: ۱۷ تا ۲۱) یعنی وہ پرہیزگار جو اپنا مال اپنے پاک ہونے کے لئے دیتا ہے اور اللہ کے ہاں کسی کا کچھ احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اس کو دیا جائے مگر اپنے پروردگار بزرگ و برتر کی رضامندی حاصل کرنے کے صلہ میں اور عنقریب وہ راضی ہوجائے گا. پھر فرماتا ہے. وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ: ۱۰۰) یعنی مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ انکی پیروی کی ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور ان کے لئے اللہ نے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان مقدس انفاس نے بلاشک وشبہ حکم الٰہی کو ادا کیا اور ممنوع ترک کیا کیونکہ یہ رضامندی اور یہ جزا فقط اسی سے حاصل ہوسکتی ہے. غرض یہ لوگ پلیدی سے بہت دور اور گناہوں سے بالکل پاک تھے. یہ ان کی صرف بعض صفات کا ذکر ہے اس کے علاوہ ان میں اور بھی بہت سی صفتیں تھیں جن سے انہیں تقرب الی اللہ حاصل ہوا۔ اور آج لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان ان کی تعظیم کرتے ہیں. اور ان کی نیک صفات نیک عادات صدق مقالی سادہ

معاشرت اور اسلام کے پر جوش فدائی ہونے کو متمدن یورپ نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ جن چار چادر والوں کے لئے حضور نے دعا کی وہ اس صفت کا ایک حصہ ہے جس سے اللہ نے سابقین اولین کو موصوف فرمایا ہے اسکے علاوہ یہ بات بھی دیکھنا چاہیے۔ کہ حضور نے ان چادروں والوں کے علاوہ اور مسلمانوں کے حق میں بھی کھلے الفاظ میں یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور بہت سے مسلمانوں کے لئے آپ نے جنت و مغفرت کی دعا کی ہے جو چادر والی دعا سے بدر جہا بہتر ہے۔ ہاں یہ ضرور نہیں جسکے حق میں آپ نے مغفرت رحمت اور جنت کی دعا کی ہو، اسکا مرتبہ سابقین اولین سے بڑھا ہوا ہو بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ جب ان چادر والوں پر پلیدی سے بچنا اور پاکی حاصل کرنا واجب کر دیا تو حضور نے یہ دعا کی جس چیز کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا اس میں وہ ان کی مدد فرمائے تاکہ وہ ذم اور عتاب کے مستحق نہ ہو جائیں بلکہ مدح اور ثواب کو حاصل کریں۔

پھر شیعہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی نے نماز پڑھنے میں ایک فقیر کو خیرات دی اور یہ کسی صحابی سے نہ ہو سکا قرآن مجید کی آیت پر صرف اب تک حضرت علی ہی نے عمل کیا ہے تو اس سے حضرت علی کی فضیلت صحابہ سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ دعویٰ شیعوں کا کہاں تک سچا ہے اسکے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ آیت یہ ہے۔ یٰـاَیُّهَـاالَّـذِیْنَ آمَنُوْا اِذَانَـا جَیْتُمُ الرَّسُـوْلَ فَقَـدِّ مُوْابَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً ، شیعون کا یہ قول ہے حضرت امیر نے یہ فرمایا ہے۔ کہ میرے سوا اس آیت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور اللہ نے میری ہی وجہ سے اس آیت کے حکم میں امت مرحومہ کے ذمہ سے آسانی کر دی ہے۔ اب اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ اس طرح صدقہ کرنے کا حکم مسلمانوں پر واجب نہ تھا تاکہ وہ اسکے نہ کرنے سے گنہگار بنتے بلکہ یہ حکم اسی کو کیا گیا تھا۔ جو اپنا راز حضور انور کو بتانا چاہے کیونکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں اے مسلمانو جب تم ہمارے رسول سے کچھ راز کہو تو اپنے راز کہنے سے پہلے ہماری راہ میں کچھ صدقہ دیدیا کرو اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت سوائے حضرت علی کے کسی مسلمان کے پاس ایسے راز کی بات نہ تھی جو حضور انور سے صدقہ دینے سے پہلے عرض کرتا مگر حضرت علی کے پاس کوئی راز کی بات ایسی تھی کہ جب آپ حضور سے

عرض کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے صدقہ دیا اور اپنے راز کی بات کہدی اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ جو عمرہ کے ساتھ حج کرنے کا ارادہ کرے تو اسے ہدیہ دینے کا حکم ہے اور جو شخص فقط حج یا عمرہ کرے اسے یہ حکم نہیں ہے اور جو شخص حج کرنے سے کہیں رک جائے تو اسے بھی ہدیہ دینے کا حکم ہے اسی طرح جس شخص کے سر میں جوئیں پڑ جائیں اور ان سے اسے بہت سخت تکلیف ہو تو اس شخص کو یہ حکم ہے کہ فدیہ دے یعنی روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے مگر سب کو یہ حکم نہیں ہے اور یہ آیت جس میں فدیہ دینے کا حکم ہے. کعب بن عجرہ صحابی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب حضور انور انکے پاس گئے تو وہ دیگچی کے نیچے آگ جلا رہے تھے. اور انہیں سر کی جوئیں بہت ستا رہی تھیں بس اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ایسا ہی حکم ان لوگوں کو ہے جو بیمار ہوں یا سفر میں ہوں کہ وہ اور دنوں میں روزہ رکھ لیں۔ اسی طرح جو شخص اپنی قسم میں اعانت ہو جائے یعنی اسکی قسم ٹوٹ جائے تو اسے حکم ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑا دے یا ایک غلام آزاد کرے اسی طرح جب لوگ نماز پڑھنا چاہیں تو انہیں حکم ہے کہ اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیں اور جب کوئی مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے تو اسے حکم ہے کہ مردود شیطان سے پہلے اللہ کی پناہ مانگے. خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے احکام اپنی اپنی شرطوں سے تعلق رکھتے ہیں. عام طور پر نہیں ہیں اور اس قسم کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں پس جو حکم کسی شرط سے تعلق رکھتا ہو تو جب وہ شرط سوائے ایک آدمی کے کسی میں نہ پائی جائے گی تو وہ حکم بھی سوائے اسی کی ایک آدمی کے اور کسی کے حق میں نہ ہوگا. اسی طرح اس آیت کو بھی سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے پر سوائے حضرت علی کے کوئی راز صحابہ کے پاس ایسا نہ تھا جو حضور میں عرض کرتے اور اس سے پہلے صدقہ دیتے ایسا عمل ائمہ کی خصوصیات میں سے نہیں ہوتا اور نہ اس میں حضرت علی کی کچھ خصوصیات ہو سکتی ہے. اب اگر ایک کمینہ خیال یہ دل میں پیدا ہو کہ حضرت علی کے سوا اور صحابہ نے صدقہ دینے سے بخل کرنے کے سبب سے راز نہ کہا ہو تو ایسا کمینہ خیال سخت افسوسناک ہے یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر نے اپنا سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا اور بلا ضرورت راز کے حضرت

فاروق اعظم اپنے کل مال میں سے نصف لیکر حضور خدمت میں حاضر ہو گئے. اب بتائیے کہ دو تین درہموں کے دینے سے تو یہ غل وشور مچا دیا اور جہاں ہزاروں روپے کا مال بغیر راز کی بات کہنے کے شیخین نے صدقہ کر دیا اسکی طرف سے آنکھیں پھیر لیں. زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عمرؓ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اتفاق سے اس روز میرے پاس بھی مال تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میرے مقدر میں ابوبکر سے سبقت کر جانا ہے تو آج میں ضرور سبقت کر جاؤں گا. چنانچہ اسی خیال سے میں اپنا نصف مال لیکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور انور نے ارشاد کیا اے عمر تو اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ کر آیا ہے یا نہیں میں نے عرض کیا حضور نصف یہاں لایا ہوں اور نصف حصہ گھر چھوڑ آیا ہوں. اتنے میں ابوبکر اپنا سارا مال لیکے حاضر ہوئے. حضور نے ان سے بھی یہ ہی دریافت کیا کہ تم اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو تو انہوں نے عرض کیا نہیں ان کے لئے اللہ اور اسکا رسول بس ہے اس وقت میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ابوبکر سے کسی طرح سبق نہیں لے جا سکتا.

عام شیعی علماء مفصلہ ذیل روایت کو بڑی طمطراق سے اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور اس سے حضرت علی کی فضیلت ظاہر کرتے ہیں وہ روایت یہ ہے محمد بن کعبؓ روایت کرتا ہے. کہ طلحہ بن شیبہ نے بنی عبدالدار عباس بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب کے سامنے فخریہ یہ کہا کہ میرے پاس بیت اللہ کی کنجیاں ہیں اور میں اسکا کار مختار ہوں اگر میں چاہوں تو بیت اللہ میں رات کو رہ سکتا ہوں اس پر عباس بولے کہ میں صاحب سقایہ ہوں یعنی چاہ زمزم پر میری سرپرستی ہے ہر طرح سے مختار کار ہوں اگر میں چاہوں تو مسجد حرام میں رات کو رہ سکتا ہوں. اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ میں مطلق نہیں سمجھتا کہ تم دونوں کیا کہتے ہو کیا اسکے معنی یہ ہیں کہ در پردہ تم دونوں مجھ سے افضل ہونے کا دعویٰ کرتے ہو دیکھو میں وہ ہوں کہ میں نے سب لوگوں سے پہلے چھ مہینہ تک قبلہ رخ نماز پڑھی اور میں ہی صاحب جہاد تھا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی. اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا

یَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ (التوبہ:۱۹) یعنی کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اُس شخص کے (اعمال) کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے نزدیک (یہ دونوں ہرگز) برابر نہیں ہیں. اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا. اور اب اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے اور شیعی علماء کی طمطراق کو دیکھئے جو الفاظ کہ شیعی علما نے پیش کئے ہیں وہ حدیث کی معتبر کتابوں میں نہیں ملتے بلکہ ان الفاظ کے کذب محض ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں پہلی دلیل تو یہ ہے کہ طلحہ بن شیبہ کا کسی کتاب سے بھی وجود ثابت نہیں ہوتا. کیونکہ خادم کعبہ تو شیبہ بن عثمان بن طلحہ تھے اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث ہرگز صحیح نہیں ہے پھر اس میں عباس کا یہ کہنا کہ اگر میں چاہوں تو رات کو مسجد حرام میں سو رہوں یہ تو کچھ فضیلت کی بات نہیں ہے اسکے بعد حضرت علی کا یہ فرمانا کہ میں نے چھ مہینے تک قبلہ رخ سب آدمیوں سے پہلے نماز پڑھی ہے محض لغو اور بیہودہ ہے اور جسکا باطل ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہے کیونکہ حضرت ابوبکر زید اور خدیجۃ الکبریٰ کے اسلام لانے میں اور حضرت علی کے اسلام لانے میں صرف ایک دن یا اس سے قریب قریب کچھ فاصلہ ہے پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ حضرت علی نے سب سے پہلے چھ مہینہ تک نماز پڑھی ہو، رہا شیعی علماء کی زبان سے حضرت علی کا دعویٰ کرنا کہ میں صاحب جہاد تھا محض غلط اور لغو ہے کیونکہ جہاد میں نہ صرف حضرت علی بلکہ اور ہزاروں صحابہ شریک تھے. مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے" نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں. ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے یہ کہا مجھے اسکی پروا نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی کوئی نیک عمل کروں سوائے اسکے کہ حاجیوں کو آب زمزم پلایا کروں دوسرے نے کہا مجھے بالکل پروا نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کوئی نیک عمل کروں سوائے اسکے کہ مسجد حرام کو آباد رکھوں. ان دونوں کا مطلب یہ تھا کہ اسلام لانے کے بعد سب سے افضل کام یہی ہیں اتنے میں ایک اور شخص یہ بول اٹھا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے بدرجہا افضل راہ اللہ میں جہاد کرنا ہے اسپر حضرت عمر نے سب کو دھمکایا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس شور مت مچاؤ آج جمعہ کا دن ہے میں جمعہ کی نماز پڑھ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہونگا اور جس میں تم جھگڑ رہے ہو حضور سے فتویٰ لے دونگا اس

وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی جا چکی ہے۔اس آیت سے کچھ ائمہ کی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی نہ اس میں حضرت علی کی کچھ خصوصیت ہے کیونکہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کئے ان کی تعداد بے حد و بے پایاں ہے اور اس وصف میں مہاجرین و انصار بھی سب کے سب شریک ہیں ہاں خاص کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم ایمان و جہاد میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبہ:۲۰) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑے مرتبہ کے ہیں۔غرض بلاشک وشبہ یہ بات ماننی پڑے گی۔کہ صدیق اکبر کا جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے حضرت علی وغیرہ کے جہاد سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ صحیح حدیث میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور نبی کا یہ قول مسلمانوں کے لئے زبردست اور غیر متبدل قانون کا حکم رکھتا ہے وہ قول یہ ہے۔ ان امن الناس علینا فی صحبته و ذات یده ابو بکر (یعنی ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں ہم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر ہیں پھر فرمایا۔ نفعنی مال ما نفعنی مال ابی بکر یعنی اتنا فائدہ کسی مال نے نہیں دیا جتنا فائدہ مجھے ابو بکر کے مال نے دیا ہے۔کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ ابو بکر اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے سب سے بڑے مجاہد تھے اور یہ ان لوگوں میں سب سے اول ہیں جنھوں نے اللہ کی طرف بلایا اور یہی ان میں بھی اول ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ کو ماننے میں تکلیف دی گئی اور آپ ہی ان میں بھی اوّل ہیں جنھوں نے حضور کی دل و جان سے حمایت کی آپ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد جہاد کرنے میں بھی شریک رہے ہیں یہاں تک کہ جنگ بدر میں حضور کے ساتھ قریش میں آپ ہی اکیلے تھے اور احد کی لڑائی کے دن ابو سفیان نے سوائے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر وعمر کے اور کسی کو نہیں پوچھا جب اس نے بآواز بلند یہ کہا کہ کیا تم میں محمد ﷺ ہیں تو حضور نے فرمایا کہ اسے جواب نہ دو پھر اس نے کہا کہ کیا تم میں ابن ابی قحافہ (یعنی ابو بکر) ہیں پھر بھی حضور نے یہی فرمایا کہ اسے جواب نہ دو پھر اسنے کہا کہ کیا تم میں ابن خطاب (یعنی فاروق اعظم) ہیں حضور نے پھر بھی یہی

ارشاد کیا کہ اسے جواب نہ دو۔ جب جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا اب اچھی طرح با آواز سنو کہ ان تینوں کو تم قتل کر چکے یہ سنکر حضرت فاروق اعظم سے نہ رہا گیا انھوں نے با آواز بلند پکار کر کہا کہ اے دشمن جنکا تو نے نام لیا ہے یہ سب زندہ ہیں اور اللہ نے ایسی چیز باقی رکھی ہے جو تیرے دل کو خوب جلائے گی (اس روایت کو بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔)

اب رسول اللہ ﷺ کے وصی ہونے کی روایت کو ملاحظہ فرمائیے شیعی علماء کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ تم نبی ﷺ سے پوچھو کہ آپ کا وصی کون ہے حضور نے فرمایا اے سلمان موسی کا وصی کون تھا اس نے عرض کیا یوشع بن نون آپنے فرمایا کہ بس میرا وصی میرا وارث علی بن ابی طالب ہے جو میرا قرضہ ادا کرے گا اور میرے وعدوں کو انجام دیگا۔ اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے تمام محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے امام احمد حنبل کی مسند میں کہیں اسکا پتہ نہیں لگتا ہاں امام احمد بن حنبل نے فضائل صحابہ میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس میں ابوبکر عمر عثمان علی اور بہت سے صحابہ کے فضائل ذکر کیے ہیں۔ اور اس بارے میں جتنی صحیح اور ضعیف روایتیں انہی مل سکیں انھوں نے بلا تنقید و تحقیق سب بھر دیں لہٰذا ایک نادان شخص بھی یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اُس مسند کی جو حدیث نقل کی جائے اسکی صحت میں پھر کوئی کلام نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ان کے بیٹے عبداللہ نے بھی بہت سی روایتیں الحاق کر دی ہیں اس طرح قطعی شک نے اپنے استاد کی نقل کردہ روایتوں سے بہت کچھ اس کتاب کو بھر دیا ہے وہ روایتیں اکثر غلط جھوٹی ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر ہم آگے کرینگے غضب یہ ہے کہ قطعی کے استادوں نے ان لوگوں سے روایتیں لی ہیں جو امام احمد کے طبقہ میں ہیں مگر جاہل رافضی ہیں جب لوگ مسند میں کوئی حدیث دیکھتے تو یہ سمجھ جاتے تھے کہ اسے احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے امام کے بیٹے عبداللہ نے جتنی رواتیں حضرت علی بن ابی طالب کے متعلق لکھی ہیں وہ سخت جھوٹی اور سرتا پا غلط ہیں۔

ایک اور فضیلت: عام شیعی علما بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں کہ حسب روایات یزید بن ابی مریم حضرت علی نے فرمایا ہے ایک دن میں اور رسول کریم خانہ کعبہ کے پاس پہنچے تو حضور نے مجھ

سے ارشاد کیا۔ تم بیٹھ جاؤ چنانچہ میں بیٹھ گیا پھر آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو گئے۔ جب میں آپ کو لیکر اٹھنے لگا تو آپ نے مجھ میں کمزوری دیکھی کیونکہ میری ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔ اور میں اچھی طرح اٹھ نہیں سکتا تھا آپ فوراً نیچے اُتر آئے خود بیٹھ گئے اور مجھے حکم کیا تم میرے کندھوں پر کھڑے ہو جاؤ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی آپ مجھے بے تکان لیکے کھڑے ہو گئے اس وقت میری یہ حالت تھی اور میں دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ افق آسمان تک پہنچ جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں بیت اللہ پر چڑھ گیا یہاں میں نے تانبے پیتل کا ایک بت رکھا ہوا دیکھا میں نے اسے اِدھر اُدھر پلٹا دیا اور جب میں اُسے اُٹھانے لگا تو حضور نے فرمایا اِسے نیچے پھینک دو میں نے اُسے نیچے پھینک دیا وہ گرتے ہی شیشہ کی طرح کرچی کرچی ہو گیا۔ پھر میں اور حضور انور وہاں سے چلے آئے۔ فقط۔

اگر ہم اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی اس میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ بارہا ایسا دیکھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو العاص کی لڑکی کو اپنے کندھوں پر بٹھا کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ جس وقت کھڑے ہوتے اٹھا لیتے اور جس وقت سجدہ کرتے تو اُسے علیحدہ بٹھا دیتے اسی طرح حضرت امام حسن بھی نماز کی حالت میں حضور کے کندھوں پر چڑھ جاتے تھے جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تو پھر حضرت علی کا اٹھا لینا اُن کے لئے کچھ خصوصیت کا باعث نہیں ہوا۔ اگر اس میں کوئی فضیلت ہے تو حضور انور کی ہے کہ آپ نے حضرت علی کو بے تکان اُٹھا لیا اور حضرت علی آپ کو نہ اُٹھا سکے اگر ہم بلا رو رعایت اس فضیلت پر نظر کریں تو سب سے زیادہ طلحہ بن عبداللہ اس فضیلت کا مستحق ہے جس نے جنگِ احد میں حضور انور کو اپنے کندھوں پر اٹھا کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچا دیا تھا اپنی جان و مال سے حضور انور کو نفع پہنچانا فضیلت رکھتا ہے یا حضور انور کی جان و مال سے اپنی ذات کو نفع پہنچانا کچھ افضل ہے۔؟ مومن کی شان تو یہی ہے کہ اپنی جان و مال سے حضور انور کو نفع پہنچائے نہ حضور کی جان و مال سے خود نفع حاصل کرے۔

ایک اور فضیلت: شیعی علماء کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے حضور نے فرمایا صدیقین تین شخص ہیں ایک حبیب نجار جو آل یاسین میں سے ہے دوسرے حزقیل مومن آل فرعون میں سے

اور تیسرے علی بن ابی طالب اور یہ سب سے افضل ہے. فقط

اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے یہ رسول اللہ ﷺ پر بہت بڑا بہتان ہے کیونکہ صحیح میں یہ ثابت ہو چکا ہے آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہا اور پھر صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا. **علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر و ان البر یهدی الی الجنة ولا یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند الله صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور و الفجور یهدی الی النار و لا یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب یکتب عند الله کذابا** . یعنی تم اپنے اوپر سچ بولنے کو لازم کرلو کیونکہ سچ بولنا نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی بہشت میں پہنچا دیتی ہے جو آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور تم جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ جھوٹ بولنا فجور کا راستہ دکھاتا ہے اور فجور دوزخ میں پہنچا دیتا ہے اور جو آدمی ہمیشہ بولتا ہے اور جھوٹ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہے. وہ کذاب لکھ دیا جاتا ہے. فقط۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا کہ صدیقین بہت سے لوگ ہیں اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران کے حق میں صدیقہ کا لفظ فرمایا حالانکہ وہ عورت ہیں اور خود حضور انور نے فرمایا **کمل من الرجل کثیر ولم یکمل من النسا الا اربع** . یعنی مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہو چکے ہیں مگر عورتوں سے صرف چار ہی عورتیں کامل ہیں. اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ مردوں میں صدیقین بہت سے ہوئے ہیں.

ایک اور فضیلت: سب سے زیادہ شیعی علماء کو حضور کے اس قول پر بہت بڑا ناز ہے. **انت منی انا منک** یعنی تم مجھ سے ہوا اور میں تم سے ہوں. فقط یہ حدیث بیشک صحیح ہے براء بن عازب کی سند سے اسے صحیحین میں نقل کیا ہے اس طرح کہ جب علی، جعفر اور زید میں امیر حمزہ کی بیٹی پر جھگڑا ہوا تو حضور انور نے اس لڑکی کو اُسکی خالہ کے سپرد کر دیا اور وہ جعفر کے نکاح میں آ گئیں. اس پر بطور ڈھارس کے حضور نے حضرت علی سے ارشاد کیا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں. اور جعفر سے

فرمایا تم عادات اور خلقت میں میرے مشابہ ہوا اور زید سے فرمایا تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو لیکن یہی الفاظ کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں رسول اللہ ﷺ نے بہت سے صحابہ کے حق میں بھی فرمائے ہیں۔ جیسا کہ صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ جب ایک غزوہ میں اشعری لوگ بے سروسامان ہو گئے اور مدینہ میں اُن کی بہت تنگ زندگی بسر ہونے لگی تو جو لوگ اُن میں امیر تھے اُنہوں نے اپنا سارا مال ایک جگہ جمع کر دیا اور سب اشعریوں کو جمع کر کے اس مال کی برابر تقسیم کر لی. اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا. **هم منی وانا منهم** ،یعنی یہ مجھ سے ہیں اور میں اِن سے ہوں اور اسی طرح آپ نے جلیبب صحابی کے حق میں فرمایا تھا کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں. چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں ابی برزہ سے روایت کی ہے ایک غزوہ میں ہم حضور کے ساتھ تھے اللہ نے حضور کو اُس وقت فتح دی حضور نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی صحابی غیر حاضر تو نہیں ہے عرض کیا فلاں فلاں دو آدمی نہیں ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح دیکھو کون کون حاضر ہیں عرض کیا گیا کہ تین آدمی غیر حاضر ہیں پھر آپ نے اپنے فرمایا بس ان کے علاوہ تو اور کوئی غیر حاضر نہیں ہے عرض کیا گیا نہیں. حضور نے فرمایا کہ مجھے یہاں جلیبب نہیں معلوم ہوتا ابھی ان کی تلاش کرو تلاش کرنے پر مقتولین میں ملے جہاں سات آدمی اُنہیں قتل کیے ہوئے پڑے تھے. جلیبب سے انکی لڑائی ہوئی تھی. سات آدمیوں کو مار کے وہ بھی جاں بر نہ ہو سکے حضور سنتے ہی فوراً ان کی لاش کے پاس آئے اور فرمایا کہ جلیبب نے سات آدمیوں کو مارا ہے اور پھر خود بھی قتل ہو گئے، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں حضور نے ان کی لاش کو اپنی کلائیوں پر اُٹھا لیا انہیں تختہ پر نہیں رکھا اور قبر کھدوا کے انہیں دفن کر دیا. اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور کا حضرت علی کے حق میں یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں کچھ خصوصیت نہیں رکھتا جب یہ الفاظ آپ نے اشعریین کے حق میں بھی فرمائے جنکا مرتبہ خلفائے ثلاثہ سے کہیں کم ہے تو پھر حضرت علی کیلئے ان الفاظ سے کوئی وجہ فضیلت نہیں نکلتی.

ایک اور فضیلت: علمائے شیعہ اِس بات پر اتراتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا ہے کہ دس فضیلتیں علی بن ابی طالب میں ایسی ہیں جو اُن کے سوا کسی میں نہیں اور وہ دس فضیلتیں یہ ہیں.

(۱) ایک دن حضور انور نے فرمایا کہ میں ایک ایسے آدمی کو فوج کا سرگروہ بنا کے بھیجوں گا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اُسے رسوا نہ کرے گا وہ اللہ سے اور اُسکے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں. یہ سُن کر ہر ایک نے تمنا کی کہ حضور کی نظر شاید ہم پر پڑ جائے اور یہ فضیلت ہمیں حاصل ہو جائے. مگر تھوڑی دیر سکوت کے بعد حضور نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ اُنکی آنکھیں بہت دُکھتی ہیں اور وہ آٹا پیس رہے ہیں. حالانکہ انہیں آٹا کوئی نہیں پیستا تھا کہ اسی اثنا میں حضرت علی وہاں آگئے آنکھوں پر اِس قدر رزور تھا کہ وہ دیکھ نہیں سکتے تھے حضور نے اپنا لعاب دہن اُنکی آنکھوں پر لگا دیا اور پھر تین دفعہ جھنڈا ہلا کے حضرت علی کو دے دیا. پھر وہ فتح پا کے صفیہ بنت حیی ابن اخطب کو لے آئے.

(۲) حضور نے ابوبکر کو سورہ براۃ دے کے بھیجا اور ان کے پیچھے ہی علی کو بھیجا جنہوں نے اُن سے سورۂ براۃ لے لی. پھر آپ نے فرمایا کہ اسے وہی لے جاسکتا ہے. کہ وہ مجھ سے ہوا اور میں ان سے ہوں.

(۳) ایک دن حضور نے اپنے چچا کی اولاد سے پوچھا کہ تم میں سے دین و دنیا میں کوئی میرا ساتھ دے سکتا ہے سب نے انکار کر دیا فقط علی بولے کہ دین و دنیا میں میں آپکا ساتھ دے سکتا ہوں پھر آپ نے ہر ایک شخص سے الگ الگ پوچھا اور سب نے نفی میں جواب دیا لیکن حضرت علی برابر یہی کہتے رہے کہ دین و دنیا میں میں آپ کے ساتھ ہوں اُس وقت آپ نے فرمایا کہ بے شک تم دین و دنیا میں میرے وارث ہو. (۴) خدیجہ الکبریٰ کے بعد سب لوگوں میں پہلے علی ہی اسلام لائے.

(۵) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنا کپڑا لیکے علی فاطمہ، حسن حسین کو اڑھا لیا اور فرمایا "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا.

(۶) ہجرت کے وقت آپ نے اپنی جان آڑ دے دی اور رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پہن کر آپکی جگہ سو گئے. مشرک آپ کو برابر پتھر مار رہے تھے.

(۷) جنگ تبوک میں جب حضور لوگوں کو لیکر نکلے تو حضرت علی نے آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا حضور نے فرمایا نہیں سنتے ہی علی رونے لگے اُس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ میرے لئے تم ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون. ہاں یہ ضرور ہے

کہ تم نبی نہیں ہو. میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں اپنی جگہ چھوڑے بغیر چلا جاؤں نہیں تم میرے خلیفہ ہو کر رہو. (۸) ایک مرتبہ حضور نے حضرت علی سے فرمایا کہ میرے بعد تم ہر مومن کے حق میں میرے وارث ہو مسجد نبوی کے کل دروازے بند کردیئے گئے تھے سوائے ایک علی کے دروازے کے. (۹) حضرت علی جنابت کی حالت میں بھی مسجد میں آجاتے تھے. اور وہی انکا راستہ تھا اسکے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا. ایک مرتبہ حضور نے فرمایا کہ جسکا میں مولیٰ ہوں اسکے علی بھی مولیٰ ہیں. (۱۰) حضور سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے براۃ میں ابوبکر کو مکہ بھیجا اس کے تین دن کے بعد آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم ابوبکر کے پاس جاؤ اور اُنہیں یہاں واپس بھیج دو اور براۃ کی اشاعت تمہیں کرو چنانچہ فوراً اسکی تعمیل ہوئی ابوبکر جب واپس آئے تو حضور انور کے سامنے رونے لگے اور عرض کیا یا رسول کیا آپ نے مجھ میں کوئی برائی دیکھی؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھے تو حکم ہی یہ ہوا ہے کہ براۃ کی اشاعت یا میں کروں یا کوئی میرا اور آدمی کرے. فقط۔

جواب: بس تمام شیعی مذہب کی یہی کائنات ہے اور اسی روایت پر وہ آپے کے باہر ہوئے چلے جاتے ہیں اب ہم اِسکا جواب دیتے ہیں یہ جواب بہت ہی غور سے سننے کے قابل ہے. یہ حدیث مستند نہیں ہے اور اگر عمرو بن میمون سے ثابت ہو جائے تب بھی مرسل ہوگی اور اس میں بہت سے ایسے الفاظ ملیں گے جن سے رسول اللہ پر ایک بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے مگر حضور کی طرف یہ نسبت دینا جیسا کہ اِس روایت میں اور آچکا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ علی یہ کسی طرح لائق نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنی جگہ بغیر خلیفہ بنائے باہر چلا جاؤں یہ محض غلط اور بالکل لغو ہے کیونکہ حضور بارہا مدینہ کے باہر تشریف لے گئے ہیں اور حضرت علی کے سوا متفرق لوگ مدینہ میں آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے ہیں چنانچہ جب آپ نے حدیبیہ کا عمرہ کیا تو حضرت علی آپ کے ساتھ تھے اور مدینہ میں آپ کا خلیفہ دوسرا شخص تھا اسکے بعد آپ نے خیبر پر چڑھائی کی تو اُسوقت بھی علی آپ کے ساتھ تھے. اور مدینہ میں خلیفہ کوئی اور تھا. فتح مکہ میں بھی علی آپ کے ساتھ تھے. مدینہ میں اُس وقت بھی خلیفہ کوئی اور تھا. حنین اور طائف کی لڑائیوں میں بھی علی آپ کے ہمراہ تھے. اور مدینہ میں آپ کے خلیفہ ان موقعوں پر کوئی اور تھے اور جب آپ نے حجۃ الوداع کیا تو اس موقع پر علی آپ کے ہم رکاب تھے

اور مدینہ میں خلیفہ کوئی اور تھا. جنگِ بدر میں بھی حضرت علی آپ کے ساتھ تھے اور مدینہ میں اُس وقت بھی آپ کا خلیفہ کوئی اور تھا۔ یہ باتیں ایسی صاف اور روشن ہیں اور نفس واقعات سے تعلق رکھتی ہیں کہ ذرا بھی اِس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے. اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا خلیفہ بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خلیفہ افضل ہی آدمی کو بنایا کرتے ہیں تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ بہت سے غزوؤں میں علی مفضول تھے یعنیؔ اور لوگ اُن سے افضل تھے. جب حضور انور کہیں باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنا ایک خلیفہ ضرور مقرر کر کے جاتے تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے. اسی طرح رسول اللہ پر یہ بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے کہ علی کے دروازہ کے سوا مسجد نبوی کے اور سب دروازے بند کر دیئے گئے تھے یہ قول بھی اُن اقوال میں سے ہے. جسکو مقابلہ کرنے کے لئے رافضیوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے کیونکہ صحیح میں ابوسعید سے مروی ہے کہ حضور نے اپنے مرض وفات میں فرمایا ہے. ان امن الناس علی فی مالہ و صحبتہ ابوبکر ولو کنت متخذاً خلیلا غیر ربی لا تخذت ابا بکر خلیلا ولا کن اخوۃ الا سلام و مودۃ لایبقین فی المسجد اخوخۃ الاسد الا خوخۃ ابی بکر. یعنی اپنا مال خرچ کرنے میں اور ساتھ دینے میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر کا ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل بنانا چاہتا تو ابوبکر کو ضرور خلیل بناتا لیکن اسلامی بھائی بندی اور محبت، میں کافی سمجھتا ہوں اور مسجد میں سوائے ابوبکر کے راستہ کے اور کوئی نہ چھوڑا جائے. یہ روایت ابن عباس سے بھی صحیحین میں نقل ہوئی ہے. پھر ایک اور بہتان عظیم حضور انور پر اُٹھایا گیا ہے یعنی حضور نے حضرت علی سے یہ فرمایا کہ تم ہر مومن کے حق میں میرے وارث ہو. لاحول ولا قوۃ اِس قول کے موضوع ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے. پھر رافضیوں کی روایت کے اِس حصہ کو ملاحظہ فرمایئے جس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علی سے اللہ اور اللہ کا رسول محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں یا حضرت کی نسبت یہ کہنا کہ وہ آپ کے آگے ایسے تھے جیسے موسیٰ کے آگے ہارون. یا یہ کہ جسکے رسول مولیٰ ہوں اُسکے علی بھی مولیٰ ہوں۔ یہ ایسی بے بنیاد باتیں ہیں جن سے کسی قسم کی کوئی فضیلت یا کسی قسم کی کوئی امتیاز حضرت علی کا ثابت نہیں ہوتا. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ نہ صرف حضرت علی بلکہ مشرق ومغرب جنوب وشمال کا

ہر مسلمان اللہ کا اور اللہ کے رسول کا مولی ہے۔ اب رہا سورہ برأۃ کا قصہ اسکا جواب شاہ عبدالعزیز نے اپنے تحفہ میں دیا ہے ہم اُسی کو کافی سمجھ کے یہاں نقل کر دیتے ہیں مگر اُس وقت جواب کے نقل کرنے سے پہلے مختصر یہ عرض کر دیتے ہیں کہ عربوں میں یہ قاعدہ تھا کہ اگر کوئی پیغام وغیرہ انہیں بھیجا جائے تو وہ زیادہ تر اُس شخص کے قول کا اعتبار کرتے تھے۔ جو پیغام بھیجنے والے کا رشتہ دار ہو یا اُسکے خاندان کا کوئی آدمی ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس میں کونسی فضیلت نکلتی ہے۔ حضور نے پہلے اپنے صدیق کو سورہ براۃ دے کے روانہ کیا مگر جب آپ کو وحشی اور جاہل عربوں کے قاعدہ کا خیال آیا تو آپ نے حضرت علی کو بھیج دیا کہ تم جا کے اِسکی اشاعت کرو مبادا وہ یہ چون و چراں نہ کرنے لگیں کہ ور سول اللہ کے خاندان کا کوئی نہیں کہ ہم اِسکی بات مانیں اور اُس سے عہد کریں۔ اب جو جواب شاہ عبدالعزیز نے اِس بہتان عظیم یا طعنہ کا دیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ "شیعوں نے اِس روایت میں عجب تماشا کیا ہے۔ کسی کا سر اور کسی کا پانوں لیکر ایک صورت بنائی ہے اور یہ شعر ان ہی کے مناسب حال ہے"۔

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا   الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولھا

یہ تو تو وہی مثل ہوئی کہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تھا کہ حسن اور حسین معاویہ کی تینوں بیٹیوں کے واسطے کیا حکم ہے "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" اِس ماجرے کی حقیقت یہ ہے کہ سُنیوں کے ہاں اس قصہ میں مختلف روایتیں ہیں۔ اور اکثر روایتوں میں یہ بات تحقیق ہے کہ حضرت ابو بکر کو حج کی امارت دیکر بھیجا تھا نہ سورہ برأت پہچانے کو اور جبکہ حضرت ابو بکر روانہ ہو چکے اُسکے بعد سورۃ براءت نازل ہوئی۔ اُس نئے حکم کے پہنچانے کے واسطے جناب علی مرتضیٰ کو روانہ کیا۔ اس صورت میں ہرگز ابو بکر کی موقوفی نہ ہوئی۔ بلکہ یہ دونوں شخص دو کاموں کے واسطے مقرر ہوئے۔ ان روایتوں میں شیعوں کو کچھ اعتراض کی جگہ نہیں اِس واسطے کہ جب حضرت ابو بکر کا مقرر رہنا ثابت ہوا تو موقوفی کیونکہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی اور مستدرک اور زاہدی اور تفسیر نظام نیشاپوری اور جذب القلوب اور مشکوٰۃ شریف کی شرحوں میں یہ روایت ہے اور محدثوں کے نزدیک بھی یہ بات قوی ہے اور معالم اور حسینی اور معارج النبوت اور روضۃ الاحباب اور حبیب الیسر مدارج النبوت

میں یہ بات لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کے پڑھنے کو بھی فرمایا تھا اور بعد اُس کے جناب علی مرتضیٰ کو اس بات کے واسطے مقرر کیا۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حضرت ابوبکر کو سوۂ برات پڑھنے کی خدمت سے موقوف کر کے جناب علی مرتضیٰ کو مقرر کیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر کے شریک کیا دونوں مل کر ایک کام کو کریں۔ اور روایتیں روضہ الاحباب اور مسلم اور سب محدثوں کی دوسرے احتمال کی تائید کرتی ہیں اس واسطے کہ اِن سب ہوں نے متفق ہو کر روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ابو ہریرہ اور چند آدمیوں کو جو جناب علی مرتضیٰ کے متعین تھے نحر☆ کے دن حکم دیا کہ پکار دین کہ "**لا یحج بعد الاعم مشرک ولا یطوف بالبیت عریانا**" یعنی حج کریں اس برس کے بعد سے مشرک اور نہ طواف کریں ننگے لوگ

☆نحر کا دن بقرہ عید کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ کہ اس روز قربانی ذبح کی جاتی ہے۔

اور ان روایتوں سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر اِس خدمت سے موقوف نہ ہوئے تھے ورنہ دوسرے کے کام میں کیوں دخل دیتے اور پکارنے کے لئے لوگ کاہے کو مقرر کرتے۔ پس اِس صورت میں کہ معزولی نہ ہوئی شیعوں کا اعتراض اُٹھ گیا۔ اب پہلا احتمال باقی رہا کہ "**لا یئودی عنی الا رجل منی**" یعنی نہ پہنچاوے یہ حکم میری طرف سے مگر کوئی میرے گھر کا اُس کو تقویت دیتا ہے اور جناب پیغمبر خدا ﷺ کا یہ حکم بھی کہ سورۃ برات کو ابوبکر سے لے اور تو اُس کو پڑھ اگر صحیح گنا جائے تو اُسی کی تائید کرتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی موقوفی انکی بے لیاقتی یا اس کام کے قابل نہ ہونے کے سبب نہ تھی۔ اس واسطے کہ سب کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر حج کی سرداری سے موقوف نہ ہوئے تھے اور حج کی سرداری کی لیاقت رکھتے تھے اور اس میں لاکھوں مسلمانوں کی عبادت کی درستی ہوتی ہے اور بہت سے حکم ادا کئے جاتے ہیں اور خطبے پڑھے جاتے ہیں اور مسئلے سکھانے ہوتے ہیں اور اُس انبوہ میں جو نئی نئی باتیں ہوتی ہیں اُسکے فتویٰ دیئے جاتے ہیں اور اِن باتوں کیلئے بڑا اجتہاد اور بہت سا علم چاہیے جبکہ اتنی اتنی بڑی باتیں حضرت ابوبکر سے متعلق ثابت ہوئیں تو قرآن کی کئی آیتوں کو پکار کر پڑھنے کی لیاقت کہ ہر قاری اور حافظ اسکو پڑھ سکتا ہے کیونکر نہ ہوگی اور حضرت ابوبکر کے خطبوں کی اور حج کروانے کی تعریفیں جو حضرت ابوبکر سے

اُس وقت ہوئیں تھیں۔ یہ نسائی حدیث کی کتابوں میں بہت جگہ موجود ہیں اور سب مورخین کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت علی مرتضے اس سفر میں حضرت ابوبکر کی پیروی کرتے تھے۔ اور اُنکے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور حج کے کاموں میں ان کی تابعداری کرتے تھے اور تاریخ کی کتابوں سے اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے جلدی جلدی چلے اور جھٹ پٹ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور جناب پیغمبرﷺ کی اونٹنی کی آواز حضرت ابوبکر نے سنی بے قرار ہوئے اور جانا کہ شاید رسول اللہ ﷺ آپ حج کروانے کو تشریف لائے اور سارے لشکر کو کھڑا کیا اور ٹھہرے جبکہ حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ امیر اور مامور یعنی تو سردار ہے اور میں سرداری سے موقوف ہوا یا تو تابع ہے اور میں سردار حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں تابع ہوں۔ بعد اسکے حضرت ابوبکر روانہ ہوئے اور ترویہ کے دن سے پہلے خطبہ پڑھا☆

☆ترویہ کا دن بقرعید کی آٹھویں تاریخ کو کہتے ہیں۔

اور اسلام کے طریقہ کے موافق حج کے قاعدے لوگوں کو سکھانے شروع کئے اب ضرور ہے کہ حضرت ابوبکر کی موقوفی جو قرآن مجید کی چند آیت کے پڑھنے سے ہوئی بے لیاقتی اور ناقابلیت کے سوا اس موقوفی کی اور کوئی وجہ ہو اور نہیں تو حضرت ابوبکر کو اتنے بڑے کام پر بحال رکھنا اور چھوٹے آسان کام سے موقوف کرنا صریحا عقل کے برخلاف ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے عقلمند تھے اُن سے بھی یہ بات نہیں ہوسکتی چہ جائے کہ اللہ تعالے حکمت کے برخلاف حکم بھیجے اور وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگوں کی عہد و پیمان کرنے یا لڑنے اور صلح کرنے میں یہ عادت تھی کہ ان باتوں کو خود قوم کے سردار سے کیا کرتے تھے یا اُس شخص سے کرتے تھے جو اُسکے بمنزلہ جان وجگر کے ہو جیسے بیٹا یا داماد یا بھائی اور اوروں کے کہنے کو وہ کیسا ہی بزرگ اور ذی عزت ہو باور نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی عرب میں یہی رواج ہے کہ جب آپس میں بادشاہ یا امیروں یا زمینداروں کے کسی ملک یا سرحد کی بابت جھگڑا ہوتا ہے تو دونوں طرف کے وزیر اور امیر اور فوجیں اور لشکر لڑنے بھڑنے میں کوشش کرتے ہیں اور جبکہ عہد و پیمان قول وقسم کی نوبت پہنچتی ہے تو جب تک بادشاہ زادہ نہ آئے اور اپنی زبان سے اس بات کو نہ کہے اُس وقت تک باور نہیں کرتے اور اگر غور کر کے دیکھو تو اُس انبوہ میں کہ چھ لاکھ

آدمیوں کے قریب اُس جنگل میں جمع ہوتا ہے. سورۂ برات کا پکار پکار کے پڑھنا اور ہر شخص کے کان تک آواز پہنچانی اس بات پر موقوف ہے کہ آدمی بہت محنت کرے اور پڑا پھرے اور ہر بازار اور کوچہ میں اور ہر خیمہ کے پاس پکار پکار کے پڑھتا پھرے. مگر امیر حج سے یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی. اس واسطے کہ وہ شخص حاجیوں کو ارکان حج سکھانے میں اور اُن کو فتنہ وفساد سے اور ہر طرح کے گناہوں سے بچانے میں مشغول رہے گا. پس ضرور ہے اِس کام کے لئے ایک اور بزرگ شخص جیسے کہ حضرت ابوبکر تھے۔ چاہئے. اِس نظر سے جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اِس کام پر مقرر کیا اور حضرت ابوبکر کو حج میں تا کہ وہ دونوں کام بہت اچھی طرح سے انجام ہوں. اور لوگ یہ بات جانیں کہ یہ دونوں کام بڑے اور رسول اللہ ﷺ کو دل سے منظور تھے اور اگر صرف اِسی بات پر اکتفا کیا جاتا کہ حضرت ابوبکر اپنے آدمیوں سے عہد کا موقوف کرنا بھی کہلوا اور بگڑوا دیں تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عہد و پیمان کی بات چنداں ضروری نہ تھی نہیں تو اِس بات کے لئے بھی خاصکر ایک بڑے شخص کو بھیجتے اور اِس بات سے سنیوں کے عالموں نے ایک خوب لطفیہ نکالا ہے کہ حضرت ابوبکر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت کی شان تھی. اِس واسطے اُن کی شان میں فرمایا ہے کہ ارحم امتی بامتی ابوبکر یعنی تیری ساری امت میں سے بہت مہربان اُمت کے حق میں ابوبکر ہے اور مسلمان کہ موردِ رحمت الٰہی ہیں اُنکا کام تو حضرت ابوبکر کے سپرد کیا. اور جناب علی شیر خدا ہیں. اللہ تعالےٰ کے جلال اور قہر کی شان تھی کہ کافروں کو مارنا حضرت کا شیوہ تھا اور کافر کہ موردِ غضب الٰہی ہیں اُن کی عہد شکنی کا کام حضرت علی کو حوالہ کیا تا کہ اللہ تعالےٰ کے جمال اور جلال کی دونوں شانیں ظاہر ہوئیں. تماشا یہ کہ حضرت ابوبکر سورۂ برات کے کام میں بھی حضرت علی کے مددگار تھے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرۃ سے روایت موجود ہے کہ حضرت ابوہریرۃ کو اور ایک اور جماعت کو حضرت علی کے ساتھ معین کیا اور کبھی کبھی آپ بھی اس کام میں شریک ہوتے تھے. چنانچہ ترمذی اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے☆ کان علی ینادی فاذا اعیی قام ابوبکر فنادی یعنی حضرت علی پکارتے تھے جب تھک جاتے تھے تو اُٹھ کر حضرت ابوبکر اُن لفظوں کو پکارنے لگتے.

☆ حاکم نام محدث کا ہے اور مستدرک اُس کی کتاب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ فاذا بح قام ابو هريرة فنادیٰ بها ۔یعنی جب آواز بیٹھ جاتی تھی تو حضرت ابو ہریرہ ان لفظوں کو کھڑے ہو کر پکارتے تھے. غرضکہ حضرت ابو کر کی موقوفی سے یہی غرض تھی کہ عرب کے موافق عہد شکنی کو ظاہر کر دیا جائے. تاکہ آئندہ عرب کے لوگوں کو کچھ عذر نہ رہے کہ ہمیں ہماری عادت کے موافق عہد شکنی سے خبردار نہیں کیا کہ ہم اپنی راہ پکڑتے اور اپنے کام کی سوچ کرتے. چنانچہ معالم، زاہدی، بیضاوی، شرح تجرید، شرح مواقف، صواعق، شرح مشکوۃ شریف اور سنیوں کی کتابوں میں یہی بات لکھی ہے اور اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں صلح ہونے کے بعد اوس انصاری جو کہ لکھنے میں بہت مہارت رکھتا تھا کو عہد نامہ لکھنے کے واسطے بلایا سہیل بن عمرو نے جو مشرکوں کی طرف سے مصالحت کے لئے آیا تھا عرض کیا یا محمد ﷺ مناسب ہے. کہ یہ عہد نامہ حضرت علی آپ کے چچیرے بھائی لکھیں اور اُسکے لکھنے کو منظور نہ کیا یہ ذکر مدارج اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے.

دوسرا جواب: ہم نے مانا کہ حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کے پہنچانے سے ایک جزوی مصلحت کے واسطے موقوف کیا لیکن ایسے شخص کی موقوفی جو صاحب عدالت ہو اور ہزاروں حدیثوں اور قرآن کی آیتیں اُسکی عدالت پر گواہ ہوں اِس بات پر دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ ریاست کی لیاقت اور صلاحیت نہیں رکھتا. خصوصاً اُس وقت میں کہ جس خدمت سے معزول ہوا. اُس میں کچھ تقصیر اور چوری نہ ہوئی ہو. اِس واسطے کہ حضرت علی نے عمرو ابن ابی سلمہ کو کہ رسول اللہ ﷺ کا خاص ربیب اور حضرت علی کے خاص دوستوں میں سے، عابد، زاہد، دیانتدار، عالم فقیہ اور پرہیزگار تھا. ولایت بحرین سے موقوف کیا اور اُسکے عذر میں خط لکھا جو کہ نہج البلاغت میں جو شیعوں کے ہاں بہت صحیح کتاب ہے موجود ہے. اما بعد فانی وليت النعمان بن عجلان الذرقی علی البحرین ونزعت يدک بلاذمه ولا تثريب عليک فقد احسنت الولاية واديت الامانة فاقبل غير ظنين ولا ملوم ولا متهم ولا ماثوم یعنی تحقیق میں نے سردار کیا نعمان بیٹے عجلان ذورقی کو بحرین پر اور تیرے ہاتھ سے نکالا بغیر تیری بُرائی کے اور بغیر الزام کے تجھ پر پس تحقیق تو نے اچھی حکومت دیانت اور امانت سے کی پس تو چلا آ اور میں تجھ پر کچھ گمان بد نہیں لے جاتا اور تجھے کچھ

تہمت اور گناہ نہیں لگاتا اور کچھ ملامت نہیں کرتا اور یقینی ثابت ہے کہ عمر بن ابی سلمہ نعمان بن عجلان ذورقی سے اچھا تھا دین میں بھی اور حسب میں بھی اور نسب میں بھی اور حکومت بھی جیسا کہ چاہیے دیانت اور امانت سے کی اور اگر حضرت ابوبکر قرآن کی چند آیتیں پڑھنے کی بھی لیاقت نہ رکھتے تھے تو انہیں امیر حج کرنے کے اُس کام سے ہزاروں درجہ بڑا ہے کیا معنی اور جناب رسول اللہ ﷺ کہ سب کے نزدیک معصوم ہیں ایسی بات کیونکر ہوتی۔

علیؓ کی محبت: شیعی مذہب میں سب سے بڑی بات حضرت علی کی محبت کو مانا گیا ہے اُن کا خیال ہے کہ کیسا ہی ایماندار سے ایماندار شخص ہو اور کیسا ہی پرہیزگار آدمی ہو. اگر حضرت علی کی محبت اسکے دل میں نہ ہوگی تو جنت اور اُسکی کل نعمتیں یعنی ابدی نجات اس پر حرام ہے. علمائے شیعہ نے اخطب خوارزم کی ایک روایت پیش کی ہے اور وہ ہر جگہ اُس روایت کو نچاتے پھرتے ہیں اور بہت کچھ زور دیتے ہیں اور گویا یہ اُن کی مایہ ناز روایت ہے. حضور انور نے ایک دن حضرت علی سے ارشاد کیا اے علی اگر کوئی آدمی خدا کے اتنے دن عبادت کرے کہ جتنے دن نوح اپنی قوم میں رہے ہیں اور ساتھ ہی اُسکے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور وہ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور اُسکی اتنی بڑی عمر ہو کہ وہ پیادہ پا سوحج کرے اور پھر صفا مروہ کے بیچ میں مظلومانہ قتل کردیا جائے مگر تمہاری موالات کا قائل نہ ہو تو تم خوب سمجھ لو کہ اُسے جنت کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی. فقط اسی طرح ایک اور روایت شیعی علما نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے سلمان سے پوچھا تھا کہ تمہیں علی سے اتنی زیادہ محبت کیوں ہے انہوں نے کہا میں نے حضور انور سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جس نے علی سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی جس نے علی سے عداوت کی اُس نے مجھ سے عداوت کی. پھر تیسری روایت انس بن مالک کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ شیعی علما کے خیال کے بموجب وہ کہتے ہیں حضور انور نے فرمایا ہے اللہ نے علی کے چہرے کے نور سے ستر ہزار فرشتے پیدا کئے. جو علی کے لئے اور اُن لوگوں کیلئے جو اُن سے محبت رکھتے ہیں قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے. اسی طرح ابن عمر کے نام سے بھی ایک روایت شیعی دُنیا میں گشت لگارہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص علی سے محبت رکھے گا خدا اس کی نماز اُسکے روزے او. اُسکی سب قسم کی عبادتیں اور اُسکی دعا قبول کرے گا. اِس طرح جس نے علی سے محبت کی اُسکے بدن کی ہر رگ کے عوض اللہ تعالیٰ بہشت میں

اُسے ایک شہر رحمت فرمائے گا اور جس نے آل محمد سے محبت رکھی وہ حساب میزان اور صراط سب سے بے فکر ہو گیا اور جو آل محمد کی محبت پر مر گیا تو میں بہشت میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ وہ انبیاء کیساتھ رہیگا. اور جس نے آل محمد سے بغض رکھا تو قیامت میں اسکی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا . ائیس من رحمة الله یعنی اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہو چکا.اسی طرح عبداللہ بن مسعود کی زبانی شیعہ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا کہ من زعم انه امن بی بما جئت به وهو یبغض علیاً فهو کاذب لیس بمومن یعنی جو یہ کہے کہ مجھ پر وہ اور میری شریعت پر ایمان لایا حالانکہ وہ علی سے بغض رکھتا ہے تو وہ جھوٹا ہے مومن نہیں ہے. اسی طرح ابی برزہ کے منہ سے شیعی علما نے یہ کہلوایا ہے کہ ایک دن ہم حضور انور کی خدمت میں حاضر تھے حضور نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ چار چیزوں کا حساب نہ لے لیگا.کسی بندے کا قدم تک بھی جنبش نہ کھائیگا اول تو عمر کی بابت کہ ساری عمر کس شغل میں گزاری. دوسرے جسم کی بابت کہ اُسے کہاں کہاں اور کس کس کام میں لگایا.تیسرے مال کی بابت کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا. چوتھے ہمارے اہل بیت کی محبت کی بابت سوال ہوگا کہ تجھے اہل بیت سے محبت تھی یا نہیں ۔عمر بن خطاب نے اس پر سوال کیا کہ حضور آپ کے بعد آپ سے محبت کرنے کی کیا علامت ہے آپ نے علی بن ابی طالب کے سر پر ہاتھ رکھا جو آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور فرمایا کہ میرے بعد مجھ سے محبت رکھنی بعینہ ان سے محبت رکھنی ہے. پھر عبداللہ بن عمر کی شہادت شیعی علما اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک دن کسی نے حضور سے پوچھا کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس زبان میں خطاب کیا تھا حضور نے جواب دیا کہ علی کی زبان میں پھر حضور نے ارشاد کیا مجھے الہام ہوا کہ اس سوال کا جواب مجھے یہ دیا گیا کہ اے محمد میں ایک چیز ہوں لیکن مثل اور چیزوں کے نہیں ہوں یعنی میری ذات سب سے نرالی ہے. مجھے آدمیوں پر کوئی قیاس نہیں کرسکتا ہے اور نہ اُن چیزوں سے میری تعریف بیان ہوسکتی ہے. تمھیں میں نے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تمہارے نور سے پھر میں تمہارے دل کی باتوں سے آگاہ ہوا کہ تمہارے دل میں علی کی محبت سے زیادہ کوئی چیز نہ پائی اس لئے اُسکی زبان میں میں نے تمھیں مخاطب کیا تا کہ تمہارے دل کو تسکین رہے. پھر شیعی علما نے ابن عباس پر یہ تھوپا ہے کہ اُنہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ

فرماتے تھے کہ اگر سارے باغات قلم بنجائیں اور سب دریا سیاہی ہو جائیں اور تمام جنات حساب کرنے والے ہوں اور تمام انسان لکھنے والے ہوں تو بھی یہ علی بن ابی طالب کے فضائل کو شمار میں نہیں لاسکتے. اور حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علی کے فضائل میں اللہ تعالیٰ نے اِس قدر اجر رکھا ہے جسکی کثرت بیان نہیں ہوسکتی. پس جس نے ان کی کسی فضیلت کا دل سے ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ اُسکے اگلے اور پچھلے سب گناہ بخشدے گا اور جس نے اُن کی کوئی فضیلت لکھی تو جب تک اُس لکھنے کا کوئی نشان باقی رہے گا فرشتے ہمیشہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ اور جس نے اُن کی کوئی فضیلت کانوں سے سنی تو اللہ تعالیٰ اُسکے وہ گناہ معاف کردے گا. جو کانوں کے ذریعہ سے ہوئے ہوں گے. اور جس نے اُن کے فضائل کی کتاب دیکھی تو اللہ تعالیٰ اُسکے وہ گناہ بخش دے گا جو اُسے دیکھنے سے ہوئے ہوں گے. پھر فرمایا کہ علی ابن ابی طالب کے چہرہ کا دیکھنا اور اُنکا ذکر کرنا بھی عبادت ہے. اور بغیر اُن کی ولایت کے یقین اور اُن کے دشمنوں سے بیزار ہونے کے اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ایمان کو قبول نہیں کرے گا. پھر ایک اور مزید ار حکایت حکیم ابن حزام سے شیعی علما نے نقل کی ہے اُن کا قول ہے اور وہ اپنے باپ اور دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا خندق کی لڑائی میں علی بن ابی طالب کا عمرو بن عبدود سے مقابلہ کرنا ہی میری امت کے قیامت تک کے عمل سے افضل ہے. پھر سعد بن ابی وقاص کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے مجھے یعنی سعد کو حکم دیا کہ علی کو بُرا کہہ میں نے انکار کردیا معاویہ نے پوچھا کہ تمہیں اُن کو بُرا کہنے سے کیا چیز روکتی ہے. میں نے جواب دیا تین باتیں ہیں جو حضور انور نے فرمائیں اِس لئے میں انہیں کبھی بُرا نہ کہوں گا بلکہ اُن میں سے اگر میرے لئے ایک بھی ہوتو وہ میرے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، میں نے حضور سے سُنا ہے اور یہ وہ موقع ہے کہ جب حضور انور نے علی کو کسی غزوہ میں مکان پر چھوڑ دیا تھا. اور علی نے حضور سے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں. حضور نے فرمایا کہ کیا تم اِس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے. ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے. پھر جنگ خیبر کے دن حضور نے فرمایا تھا. کہ میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا کہ وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتا ہے اس پر ہم سب ادھر اُدھر دیکھنے لگے کہ دیکھئے وہ کون ہوتا ہے

اتنے میں آپ نے ارشاد کیا کہ علی کو میرے پاس لاؤ وہ آئے تو اُن کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں آپ نے اپنا لعاب دہن اُن کی آنکھوں میں لگایا اور اُن کے ہاتھ میں جھنڈا دے دیا۔ پھر اللہ نے انہیں فتح دیدی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَ كُمْ یعنی اے مشرکو آؤ ہم اپنی اولاد کو اور تمہاری اولاد کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بلائیں پھر حضور نے فاطمہؓ، علیؓ اور حسن وحسین کو بلایا اور فرمایا کہ میرے اہل بیت یہی ہیں۔ فقط

جواب: اب ان سب انکل پچو روایتوں کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔" پہلی روایت جو اخطب خوارزم کی بیان ہوئی ہے تو اِس شخص نے ایک کتاب تصنیف کی ہے اُس کتاب میں اُس نے تمام جہاں کی جھوٹی لغو اور مہمل اور بے معنی روایتیں بھر دی ہیں۔ اسکی لایعنی روایتوں کا صریح جھوٹ اُن لوگوں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے جو حدیث کی ادنیٰ معرفت رکھتے ہوں۔ چہ جائیکہ علمائے حدیث پر پوشیدہ ہو۔ اس اخطب کا شمار ہرگز ہرگز علمائے حدیث میں نہیں ہے نہ اِس بارہ میں کبھی کسی نے اُس کی طرف خیال کیا اِس قسم کی کل حدیثوں کو محدثین اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ یہ سب کی سب جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہیں۔ رافضی اِس بات کا دعویٰ تو کر بیٹھے ہیں کہ ہم وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ جو سنیوں یعنی مسلمانوں کے نزدیک صحیح ہوں۔ مگر ہمیشہ اس کے مقابلہ میں غلط اور گھڑی ہوئی حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ جن حدیثوں کے جھوٹ ہونے پر کل محدثین کا اتفاق ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حدیث کی معتبر کتابوں میں سے وہ کسی کتاب میں مروری نہیں ہیں۔ اور نہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اُنہیں روایت کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی دس حدیثیں عمرو بن عبدود کی آخر حدیث تک جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ سب کی سب جھوٹی ہیں۔ ہاں سعد والی حدیث پر ہم توجہ کرینگے یہ حدیث بیشک مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اور اس میں حضرت علی کی تین فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ لیکن نہ وہ فضیلتیں ائمہ کی خصوصیتوں میں سے ہیں نہ ان میں حضرت علی کی ہی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ سعد کا یہ کہنا کہ حضور نے ایک غزوہ میں علی کو مکان پر چھوڑ دیا تھا تو اُنہوں نے حضور سے عرض کیا یارسول اللہ آپ تو مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑتے ہیں اسپر حضور نے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے۔ ہاں اتنا

فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو اس میں حضرت علی کی خصوصیت ہی کیا ہوئی کیونکہ مدینہ میں آپ اس سے پہلے کئی آدمیوں کو اپنا خلفیہ کر چکے تھے. اور اُس وقت حضرت علی کا خلیفہ بنانا سابق خلفا سے کچھ زیادہ نہ تھا اور اسی لئے حضرت علی نے یہ کہا کہ آپ تو مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں. کیونکہ حضور کا یہ قاعدہ تھا کہ آپ ہر غزوہ میں جاتے وقت مہاجرین اور انصار میں سے چند آدمیوں کو مدینہ میں چھوڑ جایا کرتے تھے. ہاں غزوہ تبوک میں ایسا نہیں ہوا کیونکہ اس غزوہ میں سب مسلمانوں کو جنگ میں شریک ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور اس دفعہ سوائے معذورین عورتوں اور بچوں کے کوئی مدینہ نہیں رہا. اسی وجہ سے حضرت علی نے ایسے موقع پر اپنے خلیفہ ہونے کو بُرا سمجھا اور کہہ دیا کیا آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑے دیتے ہیں. جس کے معنی یہ تھے کہ مجھے کیوں نہیں آپ اپنے ساتھ لے جاتے اس پر حضور نے یہ فرمایا میرے خلیفہ بنانے میں کوئی نقصان اور بُرائی نہیں ہے کیونکہ موسیٰ نے بھی اپنی قوم پر ہارون کو اپنا امانت دار سمجھ کر اپنا خلیفہ کر دیا تھا. اور اُسی طرح میں تمہیں اپنا امانت دار سمجھ کر اپنا خلیفہ بناتا ہوں. لیکن موسیٰ نے تو نبی کو خلیفہ کیا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تشبیہ اصل خلیفہ ہی بنانے ہی میں ہے. کیونکہ حضرت موسیٰ نے ہارون کو تمام بنی اسرائیل پر خلیفہ کیا تھا اور ہمارے نبی ﷺ نے حضرت علی کو صرف عورتوں بچوں اور معذورین پر خلیفہ بنایا. اِسکے علاوہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت علی کی بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اُنہیں حضرت ہارون سے تشبیہ دی تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تشبیہ سے یہ تشبیہ ہرگز بڑھ کر نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور یہ چاروں پیغمبر حضرت ہارون سے بدر جہا افضل تھے. اور یہ بھی دیکھنا چاہیے ابوبکر و عمر میں سے ہر ایک کو دو، دو پیغمبروں کے ساتھ ساتھ تشبیہ دی ہے نہ کہ ایک کے ساتھ پس یہ تشبیہ حضرت علی کی تشبیہ سے ہر طرح بڑھی ہوئی ہے۔

اِسکے علاوہ حضرت علی کے خلیفہ ہونے میں بہت سے صحابہ ان جیسے اور انکی طرح خلیفہ ہوئے ہیں مگر حضرت ابوبکر کی تشبیہ میں کوئی بھی ان کے برابر اور ان جیسا نہیں ہوا لہذا یہ خلیفہ بنا دینا

کوئی خصوصیات نہیں رکھتا۔ اور نہ بعض احوال میں کسی نبی کے ساتھ تشبیح دینے میں کوئی خصوصیات پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی طرح حضور کا یہ فرمانا کہ آج میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتا ہے۔ یہ حدیث بیشک صحیح ہے اور یہ حدیث کئی سندوں سے صحیحین میں نقل ہوئی ہے مگر یہ وصف بھی نہ ائمہ کے ساتھ خاص ہے نہ حضرت علی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اللہ اور اللہ کا رسول تو ہر ایک مومن پرہیز گار سے محبت رکھتا ہے اور ہر مومن پرہیز گار اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ ہاں یہ حدیث اُن فرقوں کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ کی حجت ہے جو حضرت علی سے بیزار ہیں اور اُن کی ولایت کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ اُن سے محبت رکھتے ہیں بلکہ کافر و فاسق کہتے ہیں جیسے خوارج کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اِس بات کے گواہ ہوگئے ہیں کہ علی کو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت ہے اور اللہ کو اور اللہ کے رسول کو علی سے محبت ہے۔ مگر رافضی اِس قول سے جو حجت لیتے ہیں اُن کی حجت صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ رافضی اُن نصوص کے بارے میں جو صحابہ کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں یہ کہتے ہیں۔ یہ اُن کے مرتد ہونے سے پہلے کی ہیں مگر اسکے مقابلہ میں تماشے کی بات یہ ہے کہ خوارج بھی حضرت علی کی نسبت ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ جو فضائل اُن کے بیان ہوئے ہیں اگر وہ صحیح بھی تسلیم کرلئے جائیں تو اُن کے مرتد ہونے سے پہلے کے ہیں حالانکہ ہم خارجیوں اور رافضیوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اس بات کو وہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول ایسے شخص کی ہرگز تعریف نہیں کرنے کے جو کافر ہو کر مرے۔ پھر مباہلہ کی حدیث کو ملاحظہ فرمایئے۔ اِسکا ذکر مختصر طور پر ہو چکا ہے مگر اب ہم ذرا التفصیل سے اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حدیث مباہلہ جس کی طرف نَــدعُ اَبْنَاءِ انا وَاَبناءِ کُمْ۔ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اِس میں فاطمہؓ حسن حسین بھی حضرت علی کے شریک تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ وہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ ائمہ کے ساتھ خاص ہے بلکہ اِس میں عورتوں اور بچوں کی شرکت بھی صاف طور پر پائی جاتی ہے۔ اس معاملہ کے وقت حسنین چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ کیونکہ یہ معاملہ فتح مکہ کے بعد ۹ یا سنہ ہجری میں نجران کا وفد آنے پر ہوا تھا۔ جب حضور انور رسول اللہ کا وصال باری تعالے۔ ہوا ہے تو اسوقت حسین سات برس کے بھی نہیں

ہوئے تھے اور حسن اُن سے قریب ایک سال کے بڑے تھے حضور انور نے انہیں صرف اس لئے بلایا تھا کہ اللہ کا یہی حکم ہوا تھا کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے قرابت داروں بچوں اور عورتوں کو بلالے اور خود بھی موجود ہو۔ چنانچہ حضور نے اپنے بچوں اور عورتوں کو بلالیا۔ اور یہ لوگ نسب کے اعتبار سے حضور کے سب سے زیادہ قرابت دار تھے۔ اگرچہ اور لوگ آپکے نزدیک ان سے زیادہ افضل تھے لیکن یہ حکم اللہ تعالی کا نہیں ہوا تھا کہ تم اپنے پیروان میں سے افضل لوگوں کو بلالو فقط مقصود یہ تھا کہ صرف قرابت دار آئیں۔ انسانی فطرت یہی ہے اور عموماً مشرقی یا مغربی ممالک کی رسم بھی یہی ہے کہ جب کوئی قسما قسمی ہوتی ہے تو اپنے بچوں یا قرابت داروں کو درمیان دیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ چادر والی حدیث میں اور مباہلہ کے موقع پر انہیں کی خصوصیت ہوئی۔ مقابلہ میں جو لوگ تھے اُن سے بھی یہی کہا گیا تھا کہ تم اپنے قرابت داروں کو لے آؤ۔ مگر اُن لوگوں نے چونکہ اُس مباہلہ سے اُن کے بال بچوں پر اثر پڑتا ڈر کے مارے مباہلہ منظور نہ کیا اور انہیں یقین ہوگیا کہ محمد ﷺ حق پر ہیں۔ یہ ہمارا ایمان ویقین ہے کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بے شک خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا اور لعنت کا طوق اُن کی گردنوں میں سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ اب اگر کوئی رافضی یہ کہے کہ جب حضرت علی کی فضیلتیں صحیح طور پر ثابت ہوگئیں اور اُن میں سے بعض ایسی فضیلتیں ثابت ہیں کہ بعض صحابہ نے اُن کی تمنا کی ہے جیسا کہ سعد اور عمر سے مروی ہے۔ اِسکا جواب یہ ہے کہ اس میں علی کے ظاہری اور باطنی ایمان پر حضور نے گواہی دی ہے۔ یہ گواہی اُن فرقوں کا رد ہے جو علی کے کافر ہونے یا فاسق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں جیسے کہ خوارج جو سب سے زیادہ عبادت گزار تھے حضور نے ان کی نسبت فرمایا ہے **یحقر احدکم صلاته مع صلاتهم وصیامه مع صیامهم وقراءته مع قرائتهم یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة اینما یقلیتم فاقتلوهم** ۔ یعنی بظاہر اُن کی یہ حالت ہوگی کہ تم اُن کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو اُن کی تلاوت کرنے کے سامنے اپنی تلاوت کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن شریف پڑھیں گے مگر یہ پڑھنا ان کے گلوں سے نہیں اتریگا وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکلتا

ہے تم اُن سے جہاں ملو انہیں قتل کر دو فقط یہی لوگ تھے جو حضرت علی کو کافر کہتے تھے اور اُن کے قتل کر دینے کو حلال سمجھتے تھے. اور یہی باعث تھا کہ اُنہیں میں سے ایک نے جسکا نام عبدالرحمٰن بن ملجم تھا حضرت علی کو قتل کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار تھا۔

مسلمانوں نے کبھی رافضیوں سے مناظرہ کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی وہ خوارج کا اکثر رد کرتے رہے انہوں نے حضرت علی کے ایمان انصاف اور دینداری کو ثابت کرنیکی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں رافضی تو دو منٹ بھی خوارج کا مقابلہ نہیں کر سکتے بات یہ ہے کہ حضرت علی کے ایمان وغیرہ کے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں اُن سب سے خوارج کا رد پایا جاتا ہے۔ اور ایسی فضیلتوں میں حضرت علی کو کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ان جیسی اور ان سے افضل اور ان سے بہتر اور ان سے اعلیٰ درجہ کی بہت سی نصوص ہیں جو اہل بدر اور بیعت رضوان کے لوگوں کے ایمان پر شاہد ہیں حالانکہ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اِن صحابہ کی فضیلتوں کا مفہوم بھی خارجیوں اور رافضیوں کا رد ہی ہے اگر چہ اُن فضیلتوں میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے کسی کی خصوصیات پائی جائے. اب رہا یہ کہ حضور انور نے اگر کسی کے لئے دعا مانگی اور باقی حاضر الوقت صحابہ نے اِسکی تمنا کی کہ کاش یہ دعا ہمارے لئے بھی مانگی جاتی اگر چہ اُس سے پہلے حضور انور وہی دعا اور لوگوں کے لئے بھی کر چکے ہوں مگر یہ اپنے برگزیدہ نبی اپنے برحق آقا کی ایک زبردست تعظیم اور محبت اور بزرگی ہے کہ ہر لفظ جو اُس صاحب وحی کی زبان مبارک سے نکلتا ہے ہر مسلمان شوق محبت سے خواہ کئی بار اسکی نسبت یہ کہا جا چکا ہو پھر بھی وہ یہی چاہتا ہے کہ یہ لوگ پاک برگزیدہ اور بارگاہ صمدی میں مقبول ہونے والے الفاظ میری نسبت بار بار کہے جائیں. اِسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ حضور نے ثابت بن قیس بن شماس اور عبداللہ بن سلام کے جنتی ہونے کی نسبت شہادت دی اگر چہ آپ اوروں کی نسبت بھی جنتی ہونے کی شہادت دے چکے ہیں اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ کوئی خصوصیات نہیں اسکے علاوہ آپ ملاحظہ فرمایئے ایک دن آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی تو یہ دعا پڑھی. اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرام نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیر من اھلا

وقه فتنة القبر وعذاب النار وافسخ له فی قبره ونور له فیه. یعنی آلٰہی اس کی مغفرت کر اس پر رحم فرما اُسے آرام دے اِسے قصور معاف کر اور اسکا اعزاز کر اسکی لحد وسیع کر اُسے پانی برف اور اولوں سے دھو دے اور گناہوں اور خطاؤں سے اُسے اِس طرح صاف کر دے جیسے سفید کپڑہ میل سے صاف کر دیا جاتا ہے اسکے گھر اور اہل کے عوض میں اِسے اچھا گھر اور اچھا اہل عنایت فرما عذابِ قبر اور عذاب دوزخ سے اُسے بچا اور اسکی قبر فراخ کر اور اس میں اِسکے لئے روشنی کر. اس دعا پر عوف بن مالک کے منہ میں پانی بھر آیا وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے یہ تمنا ہوئی کاش یہ جنازہ میرا ہوتا حالانکہ یہ دعا اِسی میت کے لئے مخصوص نہ تھی. (اوپر والی حدیث صحیح ہے اور اسکی صحت پر سب کا اتفاق ہے) پھر اور ملاحظہ فرمایئے. رافضیوں کے علماء کہتے ہیں کہ عامر بن واثلہ سے مروی ہے اُن کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضرت علی کے ساتھ تھا آپ لوگوں سے یہ فرما رہے تھے کہ میں تم پر ایسی حجتیں پیش کرتا ہوں. جنہیں تم میں سے کوئی عربی یا عجمی نہیں بدل سکتا پھر فرمایا اے لوگو تمہیں اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے اللہ کی توحید کی ہو یعنی اللہ کو وحدہ لاشریک سمجھا ہو سب نے متفق اللفظ جواب دیا. اللّٰھم لا یعنی توبہ توبہ ہرگز نہیں پھر حضرت علی نے ارشاد کیا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں. کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکا کوئی بھائی میرے بھائی جعفر طیار کی مثل ہو جو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں سب نے جواب دیا اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کیا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جسکا چچا میرے چچا حمزہ کی مثل ہو جو اللہ کے اور اللہ کے رسول کے شیر تھے. اور تمام شہیدوں کے سردار ہیں سب نے کہا. اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں. کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے. جسکی بی بی فاطمہ جیسی ہو جو محمد ﷺ کی صاحبزادی اور تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہے. سب نے جواب دیا. اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے دو بیٹے مثل میرے دونوں بیٹے حسن اور حسین کے ہوں جو سب اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے. جس نے دس مرتبہ اپنا بھید حضور انور سے کہا ہو اور بھید کہنے سے پہلے صدقہ دیا ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے. جس کے حق میں حضور انور نے فرمایا.

من کنت مولاء فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ الا لیبلغ الشاھد الغائب یعنی جسکا میں مولا ہوں اُسکا علی مولا ہے الٰہی تو اُس سے محبت کر جو علی سے محبت کرے اور اُس سے عداوت کر جو علی سے عداوت کرے اور چاہے کہ جو لوگ اِس وقت موجود ہیں اُن لوگوں کو حکم پہنچادیں جو اسوقت حاضر نہیں ہیں. سب نے کہا بلٰی پھر فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے لئے رسول خدا نے یہ دعا کی ہو کہ الٰہی میرے پاس ایسے شخص کو بھیج دے جو تیری ساری مخلوق سے زیادہ تجھے اور مجھے محبوب ہو تا کہ وہ میرے ساتھ اس شکار کو کھائے پھر وہ آپ کے پاس آیا ہو میرے سوا اِس شکار کو کسی اور نے نہیں کھایا ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے لئے حضور نے یہ فرمایا ہو کہ میں ایک ایسے شخص کو جھنڈا دونگا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہو اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہوں وہ واپس نہ آئے گا جب تک اللہ اُسکے ہاتھوں فتح نہ دیدے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں حضور نے بنی وکیعہ سے فرمایا ہو کہ یا تو تم باز آ ؤ ورنہ میں تم پر ایسا آدمی بھیجوں گا جسکی جان میری جان جیسی ہے اور جسکی اطاعت مثل میری اطاعت کے ہے اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے وہ تلوار سے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا. سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکی نسبت حضور نے یہ فرمایا ہو وہ شخص جو مجھ سے محبت رکھنے کا دعوے کرے اور علی سے بغض رکھے جھوٹا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جسے ایک ساتھ میں میرے سوا جبرائیل، میکائیل، اسرافیل کے ساتھ تین ہزار فرشتوں نے سلام کیا ہو۔ اور یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میں حضور انور کے لئے کنویں میں سے پانی لایا تھا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسے آسمان سے یہ آواز دی گئی ہو. "لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار" سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جسکی نسبت جبرائیل نے یہ کہا ہو. بعد از نبی یہی ہے اور حضور نے جبرئیل سے فرمایا ہو علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں اس پر

جبرئیل نے کہا میں بھی تم دونوں میں سے ہوں سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کہ میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے حق میں حضور نے یہ فرمایا ہو کہ تو ناکثین قاسطین مارقین سے مقابلہ کرے گا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جسکی نسبت حضور نے فرمایا ہو کہ میں تو قرآن شریف کے الفاظ موافق مقاتلہ کرتا ہوں اور تو اسکے معنی کے مطابق مقاتلہ کرتا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے لئے آفتاب کو لوٹا دیا گیا ہو یہاں تک کہ اُس نے عصر کی نماز وقت پر پڑھ لی ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا ہے جسے حضور انور نے یہ حکم دیا ہو کہ ابوبکر سے برأت لے لے اس پر ابوبکر نے کہا یارسول اللہ میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ یہ برأت میری طرف سے کوئی میرے گھر کا ہی آدمی ادا کر سکتا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کیا تم میں کوئی میری سوا ایسا ہے جسکی نسبت حضور نے فرمایا ہو کہ سوائے مومن کے مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا اور سوائے فاسق کے کوئی مجھ سے کوئی بغض نہیں رکھتا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں میں میرے سوا کوئی ایسا ہے کہ حضور نے وصالِ باری تعالیٰ کے وقت سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر میرا، دروازہ کھلا رکھا تھا۔ پھر تم لوگوں نے اِس بارے میں کچھ کہا سنا تو حضور نے فرمایا کہ میں کیا کروں یہ تو اللہ کا حکم ہوا ہے کہ علی کا دروازہ کھلا رکھا اور سب دروازے بند کر دے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ طائف کی لڑائی میں حضور نے رازداری کی باتیں مجھ سے ہی کی تھیں اور جب باتوں کو زیادہ دیر لگ گئی تو تم لوگوں نے کہا تھا کہ ساری باتیں علی ہی سے کی جاتی ہیں اور ہمیں کچھ نہیں بتایا جاتا اس پر حضور نے فرمایا تھا کہ رازداری کی باتیں میں نے نہیں کی ہیں بلکہ اللہ نے کی ہیں اس پر سب نے کہا کہ اللّٰھم لا یعنی ہاں بیشک پھر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تمہیں یاد نہیں کہ حضور نے فرمایا تھا کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے اور علی جہاں جاتا ہے حق اُسکے ساتھ جاتا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں تم میں دو چیزیں قابل قدر چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسری عزت اہلبیت

جب تک تم ان دونوں پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں چیزیں کبھی جدا جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گی سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس نے اپنی جان پر کھیل کر حضور انور کو مشرکوں سے بچایا ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس نے عمرو بن عبدود عامری کا مقابلہ کیا ہو۔ جس وقت اُس نے تم سب کو میدان میں بلایا تھا۔ سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے حق میں تطہیر کی آیت نازل ہوئی ہو جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کے حق میں حضور انور نے یہ لفظ فرمایا ہوا انت سید المؤمنین تو سب مسلمانوں کا سردار ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کے حق میں حضور نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے اللہ جب کسی چیز کا سوال کیا، تو علی و یسی ہی چیز کا تمہارے لئے سوال کیا سب نے کہا اللّٰھم لا۔ پھر رافضی کہتے ہیں کہ منجملہ ان کے ایک وہ روایت ہے جو ابو عمر و زاہد نے ابن عباس سے نقل کی ہے ان کا بیان ہے کہ علی میں چار صفتیں ایسی ہیں جو کسی میں نہیں ہیں۔ **اوّل** ان سے پہلے کسی عربی اور عجمی نے حضور کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ **دوم** محض علی کی بہادری کی وجہ سے حضور کا جھنڈا ہر جنگ میں علی کے پاس رہتا تھا۔ **سوم**۔ جنگ حنین میں حضور کے ساتھ علی قدم جمائے رہے۔ **چہارم**۔ حضور کو غسل بھی اُنہوں نے ہی دیا اور قبر میں بھی اُنہوں نے ہی اتارا۔ پھر رافضی ایک اور روایت نقل کرتے ہیں وہ روایت یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ شب معراج میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جنکی باچھیں پھٹ رہی تھیں میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے لوگوں کو کاٹتے تھے۔ پھر حضور نے فرمایا میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس بھی ہوا جو شور و غوغا مچا رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے کہا۔ یہ کفار ہیں پھر ہم اس راستہ سے ہٹ گئے۔ اور جب چوتھے آسمان پر پہنچے تو علی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے کہا جبرئیل کیا یہ علی ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ ہم سے بھی بڑھ گئے جبرئیل نے کہا یہ علی نہیں ہیں۔ پھر حضور نے دریافت کیا تو کون ہے، جبرئیل نے کہا جب مقربین اور کروبین فرشتوں نے علی کے فضائل کو سنا اور علی کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا ہے اُسے بھی گوشگذار کیا یعنی انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی تو یہ سب فرشتے علی کے دیکھنے کے مشتاق ہو گئے۔ اسوجہ سے اللہ تعالے نے علی کی صورت کا فرشتہ اُن کے دیکھنے کے لئے پیدا کر دیا ہے کہ انہیں علی کی زیارت ہوتی رہے۔ جب یہ فرشتوں کو علی کی صورت کا دیکھنے کا زیادہ اشتیاق ہوتا ہے۔ تو وہ سب یہاں چلے آتے ہیں اور زیارت کر لیتے ہیں۔ پھر رافضی ابن عباس کی زبانی ایک اور نقل بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نے خوشی میں یہ فرمایا انا الفتی ابن الفتی اخو الفتی یعنی میں خود جوان ہوں جوان کا بیٹا ہوں جوان کا بھائی ہوں۔ اخیر کے جملہ سے حضرت علی مراد ہیں اور یہی معنی جبرئیل کے اس قول کے ہیں جو انہوں نے جنگِ بدر کے دن آسمان کو جاتے ہیں ہوئے خوشی فرمایا تھا۔" لافتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار" پھر رافضی ابن عباس کی زبانی یہ بیان کرتے ہیں یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر کو خانہ کعبہ کے پردوں میں لٹکا ہوا دیکھا اور بار بار یہ کہتا سنا جو مجھے پہنچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہنچانتا اُس سے کہو کہ وہ مجھے جان لے کہ میں ابوذر ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اگر اس قدر روزے رکھو کہ سوکھ کر کمان بنجاؤ اور اِس قدر نمازیں پڑھو کہ کبڑے ہو جاؤ تو یہ تمہاری ساری عبادت بالکل فضول ہے اُسوقت تک جب تک تم علی سے محبت نہ رکھو فقط۔ رافضی علماء کا قول ختم ہوا۔ اب اِسکا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

جواب: شروع میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ عامر بن واثلہ سے مروی ہے اور اِسکے علاوہ یوم شوریٰ کا ذکر کیا یہ باتفاق تمام محدثین بالکل جھوٹ غلط اور محض ہے۔ اس مشورہ کے دن حضرت علی نے جتنی باتیں کہ اُن کے سر تھوپی گئی ہیں ایک بھی نہیں فرمائی۔ نہ اس کے قریب قریب کچھ فرمایا بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی سے یہ کہا تھا کہ اگر میں تمہیں امیر المومنین بنوا دوں تو کیا تم انصاف کرو گے حضرت علی نے جواب دیا ہاں انصاف کروں گا۔ پھر عبدالرحمٰن نے کہا اگر میں عثمان سے بیعت کر لوں یعنی انہیں امیر المومنین قرار دیدوں تو تم اُن کا کہا مانو گے حضرت علی نے کہا

کہ ہاں مانوں گا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے بھی یہی دونوں باتیں کی تھیں صحیحین میں صاف طور پر یہی درج ہے۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں عمرو بن میمون سے حضرت فاروق اعظم کے شہید ہونے کے قصہ میں مروی ہے کہ جب ان کے دفن کرنے سے فراغت ہوئی تو یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوگئے پھر عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم سب اس کے کام کو اپنے میں سے تین آدمیوں کو سپرد کر دو زبیر نے اس پر کہا میں اپنا کام علی کے سپرد کرتا ہوں طلحہ نے کہا میں عثمان کے سپرد کرتا ہوں۔ سعد نے کہا میں عبدالرحمٰن کے سپرد کرتا ہوں جب یہ انتخاب ہو چکا تو عبدالرحمٰن نے کہا اب تم میں سے کون اس کام سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے اور یہ میں قسم دیکر کہتا ہوں کہ ہر ایک اپنے ہی دل میں فیصلہ کرلے کہ ہم میں افضل کون ہے تا کہ ہم یہ کام اسی کے سپرد کردیں۔ اس پر حضرت علی و عثمان خاموش ہوگئے۔ پھر عبدالرحمٰن بولے کہ کیا تم مجھے اختیار دیتے ہو کہ میں ہی معیّن کردوں اور اللہ کی قسم ہے میں تم میں سے افضل ہی کو اختیار کروں گا۔ اس میں میری طرف سے مطلق کوتاہی نہیں ہونے کی۔ اس پر عثمان اور علی نے کہا ہاں ہاں تم ہی معین کردو تمہارا معین منظور ہے۔ پھر عبدالرحمٰن نے دونوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کے کہا تمہاری حضور سے قرابت داری ہے اور اسلام میں بھی تم مقدم ہو اب میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کے پوچھتا ہوں کہ اگر میں تمہیں خلیفہ کردوں تو تم انصاف کرو گے یا اگر میں تم پر کسی کو خلیفہ بنادوں تو تم اُسکی اطاعت کرو گے۔ پھر دوسرے کو علیحدہ بلا کر یہی الفاظ اُس سے بھی کہے جب یہ ہو چکا یعنی دونوں سے عہد لے چکے تو عبدالرحمٰن نے عثمان سے کہا تم ہاتھ بڑھاؤ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے اُن سے بیعت کرلی اِسکے علاوہ یہ شوریٰ کی کیفیت مسعود کی حدیث میں اس طرح ہے کہ وہی لوگ جنہوں نے فاروق اعظم کو خلیفہ بنایا تھا آپ کی شہادت کے بعد جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا اِس بارہ میں کوئی مشورہ نہ دونگا۔ ہاں اگر تم اِس بات پر رضا مند ہو تو میں تمہیں میں سے ایک کو معین کردیتا ہوں۔ چنانچہ سب نے متفق اللفظ عبدالرحمٰن کو اختیار دے دیا۔ یا جب سب کی طرف سے عبدالرحمٰن مختار ہوئے تو ساری جماعت کی جماعت مسلمانوں کی عبدالرحمٰن کی طرف متوجہ ہوگی۔ یہاں تک کہ فیصلہ ہوتے ہوتے رات ہوگئی ہم نے صبح ہوتے ہی عثمان سے بیعت کرلی۔ مسعود کہتے ہیں کہ ایک دن

کچھ رات گزرنے کے بعد عبدالرحمٰن میرے پاس آئے اور دروازہ پر دستک دی میری آنکھ کھل گئی عبدالرحمٰن کہنے لگے شاید تم سو رہے تھے قسم ہے اللہ کی ان تینوں راتوں میں میری تو پلک تک بھی نہیں جھپکی اُٹھو زبیر اور سعد کو بلا لاؤ میں فوراً اٹھ بیٹھا اور اُن دونوں کو عبدالرحمٰن کے پاس بلا لیا۔ عبدالرحمٰن نے اُن سے تھوڑی دیر تک سرگوشی کی پھر مجھ سے کہا تم علی کو بلا لاؤ میں انہیں بھی بلا لیا عبدالرحمٰن کی ان سے بھی سرگوشی کی پھر مجھ سے کہا تم علی کو بلا لاؤ میں انہیں بھی بلا لیا عبدالرحمٰن کی ان سے بھی سرگوشی ہوئی یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان کہدی. جب سب لوگ صبح کی نماز پڑھ چکے تو ممبر کے پاس جمع ہو گئے. عبدالرحمن نے مہاجرین وانصار کو بھی بلا یا اور فوجی افسروں کے پاس بھی آدمی بھیج دئے. جب سب جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن نے خطبہ پڑھا اور پھر علی سے مخاطب ہو کر یہ کہا. اے علی بیشک میں لوگوں کے اِس اختلاف میں خوب غور کر چکا ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ لوگ تمہیں عثمان کی برابر نہیں سمجھتے لہٰذا تم اپنی طرف سے کوئی بات نہ کرنا۔ پھر کہا اے عثمان حضور انور کی نسبت اور آپ کے دونوں خلفا کے طریقہ کے موافق میں تم سے بیعت کرتا ہوں یہ کہہ کے عبدالرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی عبدالرحمٰن کے بعد کل مہاجرین وانصار فوجی افسر عثمان کے ہاتھ بیعت ہوئے. (یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

رافضیوں نے جو حدیث حضرت علی کے متعلق نقل کی ہے کہ اُنہوں نے اپنے بھائی اپنی بیوی اور اپنے چچا سے حجت پکڑی اور اُن کے ذریعہ سے اپنی فضیلت بیان کی واللہ باللہ ثم باللہ یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے حضرت علی پر یہ بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے اور حضرت علی اِس سے بالکل مبرا ہیں. حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی ان سب سے افضل تھے. حضرت علی خود بھی جانتے تھے کہ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزت دار وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے ایک نا سمجھ بچہ بھی اس بات کو جان سکتا ہے کہ کوئی شریف آدمی کبھی اپنی فضیلت کا اظہار اپنی بی بی اپنے بچوں یا اپنے بھائی کا نام لیکر نہیں کر سکتا خیال تو کیجئے اسی طرح اگر حضرت عباس یہ کہنے لگیں کہ مسلمانوں میں میرے بھائی حمزہ کی طرح اور میرے بھتیجوں، محمد، علی اور جعفر کی طرح کوئی شخص نہیں ہے تو کیا اس سے یا اس قسم کی حجت سے حضرت عباس کی کوئی فضیلت بڑھ سکتی ہے. اسی طرح اگر

حضرت عثمان یہ کہنے لگیں کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے نبی کی دو صاحبزادیوں سے شادی کی ہوا
اس قسم کی حجتیں اپنی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے ایک اولوالعزم اور شریف الطبع انسان کبھی پیش نہیں
کرسکتا جس وقت حضرت علی کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جسکی بی بی فاطمہؓ کی
سی ہو تو تماشہ کی بات یہ ہے کہ اس سے کہیں پہلے بی بی فاطمہ کا انتقال ہو چکا تھا بھلا ایک غیر موجود
چیز پر اک انسان کیونکر فخر کرسکتا ہے۔ اسی طرح جتنے قول اس روایت میں حضرت حسنین وغیرہ کی
نسبت ہیں وہ سب جھوٹے اور بناوٹی ہیں. پھر رافضیوں کا یہ کہنا حضور انور نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ
میری طرف سے سوائے اہلبیت کے اور کوئی پیغام نہیں پہنچا سکتا یہ بھی محض غلط اور بالکل لغو ہے۔
یہ قول جسے کہ حضور انور کی طرف سے نسبت دیا گیا ہے کہ میرے احکام کو میرے اہلبیت
ہی میں سے کوئی شخص پہنچا سکتا ہے. یہ اہل کوفہ نے زید بن مثیع سے نقل کیا ہے اور یہ شخص یعنی زید مثیع
بڑا پکا چھٹا رافضی تھا. اسکی پوری کیفیت خطابی نے اپنی کتاب شعار الدین میں لکھی ہے. کون نہیں جانتا
کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے احکام جن لوگوں نے اقوام عرب کو پہنچائے اس میں اس بات کا
مشکل سے پتہ لگتا ہے کہ کوئی شخص اہلبیت کا ہو چنانچہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے
لئے حضور نے اسد بن زرارہ کو مدینہ بھیجا تھا وہی انصار کو قرآن مجید پڑھاتے اور دین کے احکام
سمجھاتے تھے. علاء بن حضرمی کو بحرین بھیجا تھا. اس طرح معاذ اور ابی موسیٰ کو یمن اور عقاب بن
اسید کو مکہ تلقین احکام قرآنی کے لئے بھیجا تھا تو اب یہ قول صاف طور پر مردود ہو گیا کہ سوائے اہلبیت
کے پیغمبر اور اللہ کے احکام اور کوئی نہیں پہنچا سکتا۔
اب رہی ابن عباس کی حدیث تو اس میں بھی کذب محض کی آمیزش ہوگئی ہے مثلاً اس
حدیث کا یہ جملہ کہ ہر لڑائی میں جھنڈا حضرت علی کو دیا گیا ایسا صریح جھوٹ لغو اور خلاف واقعہ ہے کہ
کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ سنیے! جنگ احد میں حضور انور کا جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں
تھا اور فتح مکہ میں آپ کا جھنڈا زبیر بن عوام کے پاس تھا حضور نے انہیں حکم دیا تھا کہ اپنا جھنڈا حجون
میں گاڑو اس پر حضرت عباس نے زبیر بن عوام سے پوچھا کہ کیا یہاں جھنڈا گاڑنے کا حکم حضور نے
تمھیں دیا ہے اس روایت کو بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے. پھر اسی طرح رافضیوں کا یہ کہنا کہ

جنگ حنین میں حضور کے ساتھ فقط حضرت علی ہی تھے اور سب کے پیر اُکھڑ گئے تھے۔ یہ بھی محض غلط لغو اور چانڈو خانہ کی گپ کے برابر ہے واقعات شاہد ہیں کہ عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور انور کے بالکل دوش بدوش تھے حضرت علی کا وہاں پتہ بھی نہ تھا عباس آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ اور ابوسفیان بن حارث آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھا۔
پھر حضور نے ارشاد کیا کہ اصحاب سمرہ کو آواز دو ابوسفیان بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی میری آواز سنتے ہی وہ لوگ اِس آمادگی اور جوش محبت سے دوڑے جیسے گائے اپنے بچے کو دیکھ کر دوڑتی ہے۔ اور کہتے جاتے تھے یا لبیک یا لبیک اس پر حضور نے بڑے جوش سے فرمایا۔
انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں پھر آپ اپنے خچر سے اُترے اور کنکروں کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں پر پھینک دی اور فرمایا۔
انهزموا ورب الكعبة یعنی قسم ہے رب کعبہ کی تم سب بھاگ جاؤ۔ حضرت عباس کی روایت کے بموجب خصم میں بھاگڑ پڑ گئی۔ یہاں تک کہ ایک شخص بھی میدان میں دکھائی نہ دیا۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ بخاری روایت کرتا ہے کہ ابوسیفان حضور کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور اِسی حدیث میں عباس کا قول یہ نقل کیا ہے کہ میں اور ابوسفیان حضور کے دوش بدوش رہے اور ایک لمحہ کے لیے علیحدہ نہیں ہوئے۔

پھر حضور انور کو غسل دینے اور قبر میں اُتارنے کا قصہ اِس میں بھی بہت سی من گھڑت باتیں رافضیوں نے ملا دی ہیں صرف اتنی بات ضرور ہے کہ غسل حضرت علی نے دیا تھا اور وہ، اوروں سے زیادہ اِسکے مستحق تھے ہاں قبر میں اُتارنے کے متعلق اہلبیت کے علاوہ اور لوگ بھی شریک تھے مثلاً عباس اور اُن کی اولاد اور ان کے مولا شقران اور بعض انصار۔ پھر رافضیوں کا مذکور الصدر روایت میں یہ نقل کرنا کہ حضرت علی نے عربیوں اور عجمیوں میں سب سے پہلے نماز پڑھی ہے۔ یہ بھی محض غلط اور لغو ہے۔ ابن عباس کی روایت سے اسکی بالکل تردید ہوتی ہے۔ پھر معراج کا قصہ کہ حضرت علی کی صورت پر تمام ملائکہ عاشق ہیں اور حضور کا یہ فرمانا کہ میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے اس پر فرشتہ کو علی کی صورت بنا کر آسمان پر بٹھا دیا اور فرشتوں سے کہا کہ اسکی پرستش کیا کرو یہ اُن

بے وقوفوں جاہلوں نادانوں بلکہ مجانین کا جھوٹ ہے جنہیں جھوٹ بولنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ یہ قصہ کہانیاں یہ چانڈو خانہ کی گپیں کچھ ایران کے قہوہ خانوں حماموں ہی کے لئے زیادہ موزوں تھیں انہیں کتابوں میں درج کرنا اور حق کے مقابلہ میں ان سے استدلال لانا سراسر جہل مرکب ہے کون نہیں جانتا اور اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ معراج ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝ (سورۃ الاسراء آیت : ۱) یعنی پاکی (بیان کرو) اُس اللہ کی جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد الحرام (یعنی کعبہ سے مسجدِ اقصا (بیت المقدس) کی طرف لے گیا) جسکے گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) بعض نشانیاں دکھائیں. بیشک وہی سننے والا بینا ہے۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں موجود ہے کہ حضور کی روانگی مسجد حرام سے ہوئی تھی جیسا کہ فرمایا ہے. وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ۝ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ۝ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی. (سورۃ النجم آیت ۱ تا ۴) تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں. اب بتایئے کہ فرشتوں کا علی کو پرستش کرنے کا قصہ کتنا لغو اور بے ہودہ ہے. پھر حضور کا یہ فرمانا کہ تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ میرے لئے ایسے ہو جیسے کہ موسیٰ کے لئے ہارون تھے یہ آپ نے غزوہ تبوک میں فرمایا تھا. اور یہ غزوہ سب غزووں سے آخری غزوہ ہے. جو ۹ ہجری میں ہوا تھا. پھر یہ کیونکر کوئی کہ سکتا ہے کہ شب معراج میں فرشتوں نے حضور کا قول سُن لیا تھا. اِس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضرت علی کو خلیفہ بنانا مشترک امر ہے اِس میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ دیکھا جائے تو اُن کی کم وقعتی ہے. کیونکہ وہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مریضوں کے اوپر خلیفہ بنا کے چھوڑے گئے تھے اِسکے علاوہ اور جتنے غزوے ہوئے اُن سب میں مدینہ میں خلیفہ دوسرے شخص تھے غزوہ تبوک میں بھی ایسا ہی ہوتا کہ خلیفہ دوسرا شخص بنایا جاتا مگر اِس غزوہ میں ایک تندرست مسلمان اور ایک بالغ لڑکے کو بھی مدینہ میں رہنے کا حکم نہ تھا بلکہ یہ عام حکم دیدیا تھا سب حملہ آور فوج کے ساتھ میدان کارزار میں روانہ ہو جائیں اب اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جتنے خلیفہ اب تک مدینہ میں بن چکے تھے ان

سب سے حضرت علی کا درجہ گھٹا ہوا رہا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضور انور نے مدینہ سے تیس کے قریب سفر کئے اور ہر سفر میں مدینہ میں ایک خلیفہ مقرر ہوا تھا کرتا تھا جسے آپ چاہتے خلیفہ بنا دیتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ ابواء میں آپ نے سعد بن عبادہ کو اور غزوہ بواط میں سعد بن معاذ کو اور پھر جب وہاں سے آئے اور کرز بن جابر فہری کی تلاش میں نکلے تو زید بن حارثہ کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا غزوہ عشیرہ میں ابو سلمہ بن عبدالاشہل کو خلیفہ بنایا تھا۔ جنگ بدر میں ابن ام مکتوم کو غزوہ قرقرۃ الکدر میں بھی انہیں کو خلفیہ کیا تھا۔ بلکہ بنی سلیم پر چڑھ کر جانے اور غزوہ حمراء لاسد غزوہ بنی نضیر اور غزوہ بنی قریظہ میں بھی یہی خلیفہ بنائے گئے تھے۔ اور جب حضور اُن اُنٹوں کو تلاش کرنے لئے نکلے جنہیں عیینہ بن حصین لے بھاگا تھا تب بھی اور غزوہ حدیبیہ میں بھی آپ نے اُنہی کو خلیفہ کیا تھا اور فتح مکہ میں بھی یہی خلیفہ بنائے گئے تھے اور غزوہ بنی قنیقاع اور غزوہ سویق میں ابولبابہ کو خلیفہ کیا تھا اور غزوہ غطفان میں جسے غزوہ انمار بھی کہتے ہیں آپ نے حضرت عثمان بن عفان کو خلیفہ مقرر کر کیا تھا اور غزوہ بدر الموحد میں ابن رواحہ کو اور غزوہ ذومتہ الجندل اور غزوہ خیبر میں سباع بن عرفطہ غفاری اور غزوہ مریسیع میں زید بن حارثہ اور عمرۃ القضا میں ابورہم کو حضور انور ﷺ نے خلیفہ بنایا تھا۔ جتنے مذکور الصدر اصحاب خلیفہ ہوئے تھے وہ حضور انور کے آگے ایسے ہی تھے جیسے موسیٰ کے آگے ہارون کیونکہ مقصود اصل خلیفہ کرنے میں تشیح دینی ہے اگر کسی رافضی کی یہ جھنجھناتی ہوئی آواز نکلے کہ تبوک کا سفر چونکہ دور دراز کا تھا لہٰذا ایسے وقت میں علی کو خلیفہ بنانا افضل ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ اسوقت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس بالکل امن وامان تھا۔ کیونکہ قریب قریب سب مسلمان ہو گئے تھے اور جو نہیں ہوئے تھے وہ بھاگ گئے تھے۔ اور اس جنگ کے سوا اور غزوؤں میں دشمن مدینہ کے پاس ہی لگا ہوا تھا اور اہل مدینہ کو بہت ہی سخت اندیشہ تھا تو اِن اوقات میں حضور نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو زبردست اجتہادی قوت رکھتے تھے۔ اور جن میں جنگ مدافعت لڑنے کی پوری طاقت تھی چونکہ یہ اوقات زیادہ مہتم بالشان اور نازک تھے اِس لئے ان میں حضرت علی کو خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ پھر ملاحظہ ہو کہ رافضیوں نے "لا فتے اِلا علی لا سیف الا ذوالفقار" کی جو کہانی گھڑی ہے اور جس کہانی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ بھی چانڈو خانہ کی گپ سے کسی طرح کم نہیں ہی جبرئیل کا جنگ بدر کے بعد آسمان پر اُڑتے ہوئے لا فتے الا علی

پکارنا ایسا عجیب وغریب ڈھکوسلا اور بوستان خیال کی کہانی ہے جسکا نظیر نہیں ملنے کا. تاہم محدثین کے نزدیک یہ محض جھوٹی اور بنائی ہوئی حدیث ہے اسکا جھوٹ سند کی جہت کے علاوہ اور بھی کئی طرح سے صاف ظاہر ہے مثلاً قرآن مجید حدیث اور لغت عرب میں فتے کا لفظ جیسا کہ اسمائے ذم سے نہیں ہے. اسی طرح اسمائے مدح سے بھی نہیں ہے یعنی اِسکے کہنے سے نہ کسی کی تعریف مراد ہوتی ہے ہو اور نہ کسی کی بُرائی مقصود ہوتی ہے. قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی نسبت جو یہ کہا گیا تھا. سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ اِسکے قائل کفار تھے اس لفظ سے ان کا مقصود صرف ابراہیم کی تعریف کرنا نہ تھا. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ نبی نے اپنے دادا ابراہیم یا اپنے چچا کے بیٹے علی کے ساتھ فخر ظاہر کیا. ایک ایسا لفظ اور بیہودہ استدلال جو بے ادبی سے گزر کے کفر کے قرب وجوار میں پہنچ جاتا ہے آپ کی شان ابراہیم وعلی سے ارفع واعلیٰ تھی. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ حضور نے علی سے بھائی بندی کی اور ابوبکر وعمر میں بھائی بندی کرائی محض غلط اور لغو ہے. ہاں مہاجرین وانصار میں آپ نے بھائی بندی کرائی اور مہاجر سے مہاجر کی اور انصار سے انصار کی بھائی بندی نہیں ہوئی۔ بدر کی لڑائی میں جبرئیل کی آواز بھی ایک عجیب وغریب حکایت ہے جو بھنگڑ خانہ میں بیان کرنے کے قابل ہے اب رہا ذوالفقار کا معاملہ یہ بھی عجیب دلچسپ کہانی ہے. ذوالفقار ابوجہل کی تلوار کا نام تھا جو بدر کی لڑائی کے ختم ہونے پر لوٹ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھی. زمانہ جنگ بدر میں وہ تلوار مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف چلی تھی. پھر جبرئیل کتنا ناواقف ونادان تھا کہ اُس نے ذوالفقار کا راگ گایا۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ذوالفقار جنگ بدر میں غنیمت کے مال کے ساتھ آئی تھی. پھر ابوذر کی حدیث کو خیال کیا جاتا ہے جس میں حضرت علی کی محبت کا راگ گایا گیا ہے وہ حدیث بھی بالکل جھوٹی اور سراسر بناوٹی ہے اور اگر اُسے تھوڑی دیر کے لئے صحیح بھی مان لیں تو بھی وہ قابل حجت نہیں ہے. جس طرح علی سے محبت رکھنی واجب ہے اسی طرح ابوبکر اور تمام انصار سے محبت رکھنی واجب ہے. صحیح میں حضور سے مروی ہے آپ نے فرمایا آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار. یعنی انصار سے محبت ہونی ایمان کی نشانی ہے اور اُن سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے. صحیح مسلم میں حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور نے مجھ سے یہ عہد

لیا تھا کہ مجھ سے وہی محبت رکھے گا۔ جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا۔ رافضی کہتے ہیں کہ منجملہ محبت والی حدیثوں کے ایک وہ حدیث ہے جو فردوس نامی کتاب کے مصنف نے اپنی کتاب میں معاذ بن جبل سے نقل کی ہے اسکا مضمون یہ ہے کہ علی سے محبت ہونی ایسی نیکی ہے جسکے ہوتے کوئی گناہ نقصان نہیں دے سکتا۔ اور علی سے بغض رکھنا ایسا گناہ ہے کہ اسکے ہوتے کوئی نیک فائدہ نہیں دے سکتی۔

جواب: کتاب الفردوس کے مصنف کو ہم جانتے ہیں اگر چہ یہ حدیث کے طلباء اور روایوں میں سے تھا۔ مگر اس نے اناپ شناپ بلا سمجھے بوجھے اندھا دھند جو کچھ ملا اپنی کتاب میں لکھدیا مصنف کا نام شیرویہ بن شہریار دیلمی ہے۔ اسکی کتاب ملا باقر مجلسی کی کتاب بحار الانوار سے کچھ کم نہیں دنیا بھر کی جھوٹی کہانیں اس نے جمع کردی ہیں۔ کون مسلمان یہ شہادت دے سکتا ہے کہ حضور انور نے علی کی نسبت ایسا فرمایا خوب سمجھ لو اور اچھی طرح خیال کرلو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت رکھنی علی کی محبت رکھنے سے بدرجہ بہتر ہے اس پر بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی موجودگی میں یا اُسکے ہوتے ہوئے گناہ نقصان دیتے اور مضر پڑتے ہیں چنانچہ شراب پینے پر حضور انور نے عبد اللہ بن حمار کو مارا اور مارنے میں آپ یہ برابر فرماتے جاتے تھے کہ یقیناً یہ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ شرک مشرک کو نقصان پہنچائے گا چاہے وہ علی سے کیسی ہی محبت کیوں نہ رکھتا ہو مثلاً غالیہ فرقہ کے لوگوں کی محبت حضرت علی سے موجودہ رافضیوں کی محبت سے بدرجہ بڑھی ہوئی ہے مگر ان کے کفر پر سب کا اتفاق ہے۔ اور کافر کی دائمی جائے قیام دوزخ ہے تو پھر حضرت علی کے محب یعنی غالیہ یعنی غالیہ لوگ دوزخی ہوئے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ **لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا**، یعنی اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی میں اسکا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالوں گا۔ اسکے علاوہ اسلام اس بات کا فیصلہ کر چکا ہے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور زانی کے لئے زنا کی حد لگائی جائے گی۔ اگر چہ وہ علی سے کتنی ہی محبت کیوں نہ رکھتا ہو قاتل سے مقتول کا ضرور قصاص لیا جائیگا۔ خواہ وہ حضرت علی کا عاشق زار ہی کیوں نہ ہو۔ علی کو جانے دو حضور انور رسول اللہ ﷺ کو لو آپ سے محبت کرنی علی سے محبت رکھنے سے بدرجہ بڑی ہی ہوئی

ہے۔ اس پر بھی حضور انور کا سچا عاشق اگر نماز اور زکوۃ کو ترک کر دے اور کبیرہ گناہ کرنے لگے۔ تو وہ اُسی سزا کا مستحق قرار پایا جاتا ہے جسکا شریعت فیصلہ کرے۔ جو لوگ حضرت علی کی محبت کا دم بھرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے حضرت علی کو دیکھا جنگ میں آپ کے ساتھ رہے اور ایک بعد میں آنے والی نسلیں جنہوں نے سوائے سننے کے حضرت علی کو دیکھا نہیں تو پہلی جماعت جس نے حضرت علی کی محبت کا دعویٰ کیا۔ بالکل جھوٹی ہے۔ اس لئے کہ نہج البلاغۃ اِس سے بھری پڑی ہے کہ حضرت علی ان سے سخت نالاں تھے انہیں گالیاں دیتے تھے ان پر لعنت بھیجتے تھے اور کہتے تھے۔ خدا کے لئے تم میرے پاس سے چلے جاؤ یہ لوگ اُن رافضیوں کے بزرگ اور جدامجد ہیں جو آج کل حضرت علی کی محبت کا دم بھر رہے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ قول جو حضور انور کی طرف نسبت دیا گیا ہے۔ یہ تو ایک نا قابل معافی جرم ہے باقی نفس قول ایک کفر علی ہے جسکے قائل کو توبہ کرنی چاہیے۔ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ اُسکا ایمان اللہ اور آخرت پر ہے اُسے کبھی ایسا کہنا جائز نہیں ہے۔ پھر اِس جھوٹی روایت کا دوسرا ٹکڑہ کہ علی سے بغض رکھنا کفر ہے اور ایسا گناہ ہے کہ اسکے ہوتے کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی محض غلط اور لغو ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ بغض رکھنے والا کافر ہے۔ تو اُسکا کفر ہی اسکی بدنصیبی کے لئے کافی ہے اگر وہ مومن ہے تو اُسکا ایمان ضرور اسے فائدہ دے گا اگرچہ وہ علی سے کتنا ہی بغض رکھے۔ پھر رافضی ابن مسعود کی زبانی کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ **حب ال محمد یوماً خیر عبادة سنة ومن مات علیها دخل الجنة** یعنی آل محمد سے ایک دن محبت رکھنی سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اسی پر مر گیا وہ جنت میں جائیگا۔ اس طرح رافضیوں کا یہ کہنا **انا وھذہ حجة الله علی خلقه**۔ یعنی حضور نے فرمایا کہ میں اور یہ یعنی علی اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں۔

جواب: یہ دونوں حدیثیں کل محدثین کے نزدیک بالکل جھوٹی ہیں اتنا لغو جھک مارا گیا ہے کہ سارے دن محبت رکھنی جسکے کچھ معنی نہیں ہیں سال بھر کی عبادت سے زیادہ ہے سال بھر کی عبادت میں پانچوں وقت کی نماز رمضان کے روزے اور زکوۃ وغیرہ سب آ گئی۔ سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ آل محمد سے ایک مہینہ محبت رکھنی بھی اسکے قائم مقام نہیں ہو سکتی چہ جائے کہ فقط ایک

دن کی محبت اِسکے قائم مقام ہو جائے. آل محمد تو ایک طرف رہی خدا کی محبت بھی ایک سال کی عبادت کیا ایک دن کی عبادت کے قائم مقام نہیں بن سکتی. محبت کا معیار کیا ہے محبت کسے کہتے ہیں. زندگی میں تو محبت کی یہ علامتیں ہیں کہ روپے سے، رائے سے ہاتھ پیروں سے، دوسرے شخص کو مدد دی جائے اور اُسکے مرنے کے اُس سے محبت رکھنی یہ ہے کہ اُسکی حمیدہ خصائل اور پسندیدہ اوصاف کا تتبع کیا جائے. اور یہ تتبع دائمی ہو عارضی پیروی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی. علی یا آل محمد کی محبت کا جوراگ گایا گیا ہے یہ ایسا لغو اور مہمل ہے کہ اسلام میں اسکی کوئی وقعت نہیں۔ لوگ زبانی طور پر خدا اور رسول یا علی کی محبت کا دم بھرنے والے ہیں مگر اُن کے احکام اور روشن ہدایتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے وہ ہمارے خیال میں اِس شخص سے بدتر ہیں جو نہ محبت کا دم بھرے نہ حضور کے اقوال کو تسلیم کرے. سچے مسلمان کو اللہ اور رسول کی عملی محبت فائدہ دے سکتی ہے. اور غیراز اللہ کو رسول مسلمانوں کو دوسرے کی محبت ضروری نہیں ہے. جو دل کہ گذرگاہ جلیل اکبر بن چکا ہو جس دماغ میں کہ حضور انور حضور انور رسول اللہ ﷺ کی محبت سماگئی ہو وہاں تو کسی دوسرے شخص کی محبت کا گزر نہیں ہو سکتا خواہ وہ علی ہو یا علی سے بھی بڑھ چڑھ کے اب رہا مخلوق پر اللہ کی حجت فقط پیغمبروں ہی کی ذات سے قائم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالے فرماتے ہے. لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ یعنی تا کہ پیغمبروں کے پہنچ جانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں فرمایا کہ بعد الرسل ولا ئمۃ والا وصیاء وغیر ذلک بلکہ خاص پیغمبروں ہی کے لئے حجت ہونے کو بیان کیا ہے. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ اگر تمام عالم حضرت علی کی محبت پر متفق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوزخ ہی کو نہ پیدا کرتا ایسا صریح جھوٹ اور من گھڑت حکایت ہے کہ جو خود اپنے کذب محض ہونے کی شہادت دیتی ہے اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اگر تمام دنیا حضرت علی کی محبت پر متفق ہو جائے مگر جب تک وہ اللہ اِسکے فرشتوں اسکی کتابوں اسکے پیغمبروں اور روز قیامت پر ایمان نہ لائے اور نیک عمل نہ کرے علی کی محبت اُسکے لئے محض بے کار ہے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے. بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ . (سورۃ البقرہ آیت ۱۱۲) یعنی ہاں جس نے خدا کے آگے اپنا سر جھکایا اور وہ اچھے کام کرتا ہے تو اس کے رب کے ہاں اسکو اجر ملے گا نہ اُس اجر نہ اُسکو کسی قسم کا ڈر ہوگا نہ غم ہوگا اور فرمایا۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا .(سورۃ النساء آیت نمبر ۶۹) یعنی اور جو کوئی اللہ کی اور (اُس کے) رسول کی اطاعت کرے تو یہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ (ہونگے) اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔ اور فرمایا۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ. اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ.o اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ. وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ o اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ .o (سورہ آل عمران آیت ۱۳۲ تا ۱۳۶) یعنی اور اپنے پروردگار سے مغفرت اور جنت کی طرف دوڑ وجسکا عرض آسمان اور زمین (کے برابر) ہے اور اُن پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگدستی میں (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں. اور غصے کو روکتے ہیں. اور لوگوں سے (اگر خطا ہو جائے تو) درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (اور اُن کے لئے بھی) جو جب بھی کوئی فحش کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کسی (برے کام) کئے ہوئے پر اڑ نہیں بیٹھتے ہیں. یہی لوگ ہیں جنکی جزا ان کے پروردگار کی طرف ہے اور (نیز جنت کے) گھنے باغات ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ ابدالآباد تک اُن میں رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا یہ بہت اچھا بدلہ ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ جنتی

ہیں اوران پرعلی کی محبت کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی جیسے رافضیوں نے بیان کی ہے۔اس طرح اللہ کا یہ حکم اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا سے فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُوْنَ تک۔اسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں حب علی کی کہیں شرط نہیں لگائی گئی۔یہ کون نہیں جانتا کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں بہت لوگ آئے اور ایمان لائے۔اور پھر ایسے بھی لوگ ایمان لائے جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا نہ اُنہوں نے علی کا ذکر سُنا اور نہ کبھی علی کو پہچانا۔حالانکہ اِن کے متقی مومن ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ ہاں یہ ہم جانتے ہیں کہ علی کی محبت پر رافضیوں،نصیریوں،اسماعلیوں کا اجماع ہوا ہے۔مگر یہ متفق علیہ کافر ہیں۔رافضیوں اوران کے چھوٹے بھائی بعض صوفیوں کا یہ خیال کیا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ہادیان اسلام کے پیشرو،اوراولیاء اکرام کے امام ہیں۔اس روایت یا حدیث کا غلغلہ اِس قدر مچا اور ایسا شور بر پا ہوا کہ مسلمان بھی ایک حد تک اِسکے قائل ہو گئے۔اور اب وہ حضرت علی کو امام الاولیاء تسلیم کرتے ہیں۔اور اگر کوئی اس سے انکار کرتو اُسے خارجی اور ناصبی کے نام سے پکارتے ہیں۔اِس روایت کی اصل پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ روایت کتنی جھوٹی اور ایجاد دہندہ ہے۔تمام محدثوں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مذکورہ روایت محض غلط اور بے بنیاد ہے یہ بیشک ہم مانتے ہیں کہ صاحب حلیہ نے اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے مگر خالی اسکا درج کر دینا اسکی صحت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ صاحب حلیہ نے ابوبکر،عمر،عثمان،علی اور ساتھ ہی اور اولیاء وغیرہ کے فضائل بہت سی ضعیف حدیثیں نقل کر دی ہیں جن کے موضوع ہونے پر کل علماء کا اتفاق ہے۔یہ بیشک صحیح ہے کہ صاحب حلیہ حفاظ حدیث اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں یہ قاعدہ ہے کہ محدثین اپنے استادوں سے حدیث نقل کرنے میں ثقہ ہی ہوتے ہیں۔لیکن اگر کوئی مصیبت آتی ہے اور رواتیوں میں نئی پیچیدگی آکر پڑتی ہے تو وہ صرف اِس وجہ سے ہے کہ اوپر کے درجہ والوں سے آنکھ بند کر کے روایت کر دی جاتی ہے۔شاگرد استاد سے روایت کرتے میں جھوٹ نہیں بولتا مگر جس شخص کی یہ روایت ہے کہ اُسکے لئے کوئی سند پیش نہیں کرتا جیسا سنتا ہے ویسا ہی بیان کر دیتا ہے۔ رواتیوں کی ایک قسم غریب بھی ہے۔محض شہرت دینے کے لئے غریب روایتیں زیادہ نقل کر دیتے

ہیں. حالانکہ غریب روایتیں اکثر ضعیف ہوتی ہیں جیسا کہ امام احمد نے فرمایا اتقوا ھذا الغرائب فان عامتھا ضعیفۃ یعنی بچو غریب روایتوں سے کیونکہ اکثر ضعیف ہوتی ہیں. اسکے علاوہ اس حدیث میں حضرت علی کو کلمۃ التقویٰ کہا گیا ہے. یہ بھی صریح جھوٹ اور حضرت علی پر بہتان عظیم ہے. اس پر ہم زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ دیکھ کے حضرت علی کو کلمۃ التقویٰ بنا دیا ہے اور کچھ نہیں اسکے بعد عمار اور عباس کی بھی دونوں حدیثیں موضوع ہیں۔ رافضی کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے عیبوں کا کیا پوچھنا ہے اُن میں سے بہت سے عیب جمہور نے نقل کئے ہیں. یہاں تک کہ صحابہ کے عیبوں میں کلبی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے لیکن اِس کتاب میں کہیں بھی اہلبیت میں کوئی نقص نہیں نکالا گیا۔

جواب: صحابہ کی شان اقدس واطہر جو عیب بیان کئے جاتے ہیں ان کے مفصل جواب دینے سے پہلے ایک ضروری بات بیان کرنی ہے جو غور سے دیکھنے کے قابل ہے یعنی صحابہ کے جتنے عیب نقل کئے گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو جھوٹ ہے. یا اِس میں تحریف کردی گئی ہے یعنی کمی زیادتی کرنے سے برائیاں اور نقصان نکل آئے ہیں اور اِسکے ناقل وہ لوگ ہیں جو لاثانی کذاب شریر دغاباز فریبی اور کذب میں مشہور معروف ہیں جیسے ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ھشام بن محمد بن سائب کلبی اسی طرح اور بھی بہت سے کذاب ہیں جنکا کذب روز روشن کی طرح چمکا اور چمک رہا ہے. رافضیوں نے جو کلبی کو پیش کیا ہے یہ اُن کی نری ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی ہے. اس لئے کہ خود ہی مدعی اور خود شاہد اور خود ہی جج بننا یہ عقل کے سخت منافی ہے. رافضی مدعی کلبی جو سب سے بڑا پکا چھٹا رافضی تھا وہ شاہد پھر فرمایئے کہ روایت کی تصدیق کیونکر ہو. ابن ھشام کلبی نے اپنی کتاب میں دو شخصوں سے روایتیں نقل کی ہیں. ایک ابو مخنف لوط سے اور اپنے باپ سے. دونوں کے رافضی ہونے میں کلام نہیں ہے امام احمد کلبی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں ہے کہ کوئی شخص اس سے حدیث نقل کرے. یہ تو قصہ گو رافضی ہے حدیث سے اسے بالکل مس نہیں ہے. دار قطنی نے اِسے متروک لکھا ہے. اور ابن عدی نے اسکی نسبت تحریر کیا ہے. کہ اس رافضی پر قصہ گوئی غالب ہے سند میں

بھی اسکی کوئی روایت معلوم نہیں ہوئی اسکا باپ بھی ایسا ہی کذاب ہے۔ پھر زائدہ، لیث سلیمان تیمی نے بھی اِسے کذاب کہا ہے یحییٰ کہتے ہیں اسکا ذکر ہی کیا کرنا یہ تو ساقط الاعتبار ہے کبھی بھولے سے بھی اِسکی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے ابن حبان کہتے ہیں کہ اسکا جھوٹ تو اِس قدر ظاہر وباہر ہے کہ اسکے دیکھنے اور تحقیق کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسری قسم صحابہ کے عیبوں کی وہ ہے جو سچ ہے۔ اور ان میں اکثر امور ایسے ہیں جن میں انکا عذر اور مجبوریاں موجود ہیں۔ اور مجبوریاں، یہ عذر انہیں گنہگار بننے سے بری کر دیتے ہیں۔ خلفاء راشدین سے جو امور اس بارے میں منقول ہیں اُن میں اکثر اس قسم کے ہیں کہ ان امور میں کسی سے بھی گناہ محقق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کے فضائل اور اُن کا جنتی ہونا اِس بات کی کافی دلیل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ آخرت میں محقق گناہ کا عذاب بھی چند اسباب سے معاف ہوجاتا ہے۔ اور سبھوں میں سب سے بڑا سبب تو یہ ہے رافضیوں کے امام بھی نقل کرتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے اُن گناہوں سے توبہ کرلی جو اِن سے صادر ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں اس بات کا فیصلہ کر چکا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اور اِسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ۔ یعنی اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔ تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو بخشدیں گے اِسی طرح وہ مصیبتیں ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں۔ پھر مسلمانوں کی دعاء ہے جو ایک دوسرے کے لئے کی جاتی ہے۔ اور اسکے بعد حضور انور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ ان اسباب میں ایک سبب سے بھی امت میں سے کسی ایک کا عذاب ساقط ہوجائے۔ یعنی معاف کردیا جائے تو صحابہ اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں۔ غرض صحابہ کے بعد جنتی امت ہے ہر تعریف اور ہر گناہ کے نفی ہونے میں صحابہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ مسلمانوں کے جو عیب بالتفصیل رافضیوں نے بیان کئے ہیں ان پر ہم کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں رافضی اپنی سند میں کبھی اپنے حقیقی بھائی کلبی کو پیش کرتے ہیں اور کبھی اس کے دوسرے بھائیوں کو ہم بھی ان سب کا تار تار الگ کر کے رکھدیتے ہیں اور دکھا دیتے ہیں کہ

رافضیوں کے پیشواؤں نے جھوٹ بول کر نفس دروغ کو بھی شرما دیا ہے. رافضی کہتے ہیں کہ جب ابو بکر ممبر پر کھڑے ہوئے تو یہ فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو وحی کی وجہ سے محفوظ رہتے تھے لیکن میرے پیچھے ایک ایسا شیطان لگا ہوا ہے جو ہر وقت میرے سر رہتا ہے. پس اگر میں راہ راست پر ہوں تو تم میری مدد کرو اگر میں اس سے ہٹوں تو مجھے سیدھا کرو پھر رافضی یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا امام ہونا کیونکہ درست ہو سکتا ہے جو اپنے راہ راست پر رہنے میں رعیت سے مدد مانگے باوجود یہ کہ رعیت خود اسکی محتاج ہوتی ہے۔

جواب: یہ حدیث صحیح ہے اس میں بالکل کلام نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر نے ممبر پر کھڑے ہو کے یہ فرمایا ہم اس حدیث کو صدیق اکبر کے بہت بڑے فضائل میں سے سمجھتے ہیں. اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں بڑا بننا اور فساد پھیلانا صدیق اکبر ہرگز نہیں چاہتے تھے. بلکہ ریاست کے بھی خواہاں نہ تھے. نہ وہ ظالم تھے. ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے تھے. اس لئے اُن سے کہدیا اور کھلے لفظوں میں کہدیا کہ اگر میں راہِ راست پر ہوں یعنی حکم خداوندی پر قائم رہوں تو تم اِس میں میری مدد کرو اور اگر میں اِس سے ہٹوں اور کجرو ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کرو. اسی طرح اور بھی ایک موقع پر آپ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو تم میری اطاعت جب ہی تک کرو کہ میں اللہ کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ کی نافرنی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت کرنی ہرگز لازم نہیں ہے. اب رہا شیطان کا قصہ اگر اِسے فلسفیانہ نظر سے دیکھا جائے تو کوئی انسان ایسا نہیں نکلے گا جس میں دو صفتیں ایک نفس مطمئنہ اور ایک نفس امارہ کی نہ ہوں۔ صدیقین اور غیر صدیقین میں فرق یہی ہے کہ صدیقین کا نفس مطمئنہ نفسِ امارہ پر غالب رہتا ہے اور اگر اسے مذہبی پہلو سے لیا جائے جسکا نتیجہ اخیر میں یہی نکلے گا تو صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کا قول ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں **مامن احد الا وقد وکل اللہ بہ قرینۃ من الملائکۃ و قرینۃ من الجن،** یعنی کوئی بچا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ نے ہر ایک کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان مقرر کر دیا کسی نے اسی وقت عرض کیا. یا رسول اللہ اور آپکے ساتھ بھی. آپ نے

ارشاد فرمایا۔ وانا الا ان اللہ اعاننی فاسلم فلایا مرنی الا خیرا۔ یعنی میرے ساتھ بھی۔
مگر اسکے مقابلہ میں اللہ نے میری مدد کی کہ وہ مسلمان ہو گیا اور مجھے اچھی ہی بات کراتا ہے۔ جسکا
مطلب فلسفیانہ نظر سے یہ ہوا کہ میرا نفس امارہ نفس مطمئنہ بن گیا ہے۔ پھر حضور سے صحیح میں مروی ہے
کہ آپ ایک دن رات کو صفیہ سے کچھ باتیں کر رہے تھے اُس وقت چند انصاری جو آپ کے پاس
سے نکلنے لگے تو آپ نے فرمایا تم ذرا ٹھہرے رہنا جب وہ ٹھہر گئے تو آپ نے یہ فرمایا۔ انھا نصفیۃ
بنت حی انی خشیت ان یقذف الشیطان فی قلوبکما شیئاً الشیطان یجری من
ابن آدم مجری الدم یعنی یہ صفیہ بنت حی ہے (تمہیں اس لئے سناتا ہوں) مجھے یہ ڈر رہا کہ کہیں
شیطان تمہارے دلوں میں تہمت کا شبہ نہ ڈالدے کیونکہ شیطان تو اولاد آدم کے بدن میں خون کی
طرح پھرتا ہے صدیق اکبر کا اس قول سے مقصود یہ تھا کہ مثل رسول مقبول ﷺ کہ میں معصوم نہیں ہوں
اور یہی حق بھی ہے اس پر رافضیوں کا یہ کہنا کہ ایسا شخص کیونکر امام ہو سکتا ہے جو اپنے راہ راست پر
رہنے میں رعیت سے مدد مانگے۔ یہ ایسا جاہلانہ اعتراض ہے اور ایسے بیوقوف کی زبان سے نکلا ہوا
ہے جو امامت اور اسکی حقیقت کو بالکل نہیں جانتا ہے کیونکہ امام یعنی حاکم رعیت کا خدا نہیں ہوتا۔ نہ وہ
اللہ کا سفیر اور رسول ہوتا ہے تاکہ رعیت اور اللہ کے درمیان میں وہ واسطہ رہے بلکہ وہ اور رعیت کے
لوگ برابر ہوتے ہیں سب آپس میں ایک دوسرے سے مدد لیتے ہیں امام ان کے دین و دنیا کی خیر
خواہی کا ذمہ دار ہوتا ہے لہٰذا اُسے رعیت سے مدد لینی ضرور ہے اور رعیت کو اس سے مدد لینی ضروری
ہے جیسا کہ افسر قافلہ جو قافلہ کو ٹھیک راستہ پر چلاتا ہے اگر وہ ٹھیک راستہ پر جا رہا ہے تو سب اس کے
پیچھے ہو لیں گے اور اگر سالار قافلہ بھٹک گیا ہے تو قافلہ والے اُسے ٹھیک راستہ بتادینگے اور اگر کوئی
اُس قافلہ پر حملہ آور ہو گا تو اُس کے رفع کرنے پر سالار قافلہ قافلہ والوں کی مدد کرے گا اور قافلہ
والے سالار قافلہ کی۔ جب رعیت کا افسر یا امام علم قدرت اور مہربانی میں سب سے کامل ہو گا تو یہ اُس
کے احوال کو سب سے زیادہ درست رکھے گا اسی واسطے نماز پڑھانے والا اگر ٹھیک ٹھیک پڑھائے تو
مقتدی اس کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور اگر وہ بھول جاتا ہے تو سبحان اللہ کہ کر اُسکو آگاہ کرتے

ہیں یعنی جب وہ کجرو ہو جاتا تو مقتدی اُسے سیدھا کر لیتے ہیں یہی حال حاجیوں کے معلم کا ہے اگر وہ انہیں شریعت کے راستہ پر چلاتا ہے تو یہ اُس کے پیچھے چلتے ہیں اور اگر وہ غلطی کرتا ہے تو یہ اُسے سیدھا کر لیتے ہیں. اب رہا تعلیم دین کا معاملہ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگ دین کو امام یعنی حکم سے نہیں سیکھتے بلکہ ائمہ اور امت کے سب لوگ دین کو اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث سے سیکھتے ہیں اسی لئے اللہ تعالے نے صاف طور پر یہ فرمایا کہ جب تم میں کوئی اختلاف پڑے تو ائمہ کی طرف رجوع نہ کرو بلکہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو چنانچہ وہ ارشاد یہ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُو اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں. پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اُسے اللہ اور اُس کے رسول کے پاس لیجاؤ. اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اختلاف ہونے پر اماموں اور حاکموں کے پاس نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے پاس لیجانے کا حکم دیا ہے. اور حاکموں کی اطاعت کرنے کا حکم بھی محض رسول کا اطاعت کے تابع ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے. اسی وجہ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنما الطاعة فی للحروف یعنی اطاعت نیک ہی کام میں ہے اور ارشاد فرمایا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق یعنی خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنا چاہیے اور پھر فرمایا من امرکم معصیة اللہ فلا تطیعوہ یعنی جو تمہیں اللہ کی معصیت کرنے کا حکم دے اسکی اطاعت مت کرو۔ اب رافضیوں کے اس قول پر غور کیا جائے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا حاکم ہونا کیونکر درست ہو سکتا ہے جو اپنے راہ راست پر رہنے میں رعیت سے مدد مانگے باوجودیکہ رعیت اسکی محتاج ہوتی ہے یہ قول ایسا لغو خلاف واقعہ اور خلاف مشاہدہ ہے کہ اسکی تردید کے لئے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں ہے. دنیا کے چھوٹے بڑے کارخانوں میں خواہ وہ تجارت سے تعلق رکھتے ہوں یا صنعت وحرفت سے جنگ سے تعلق رکھتے ہوں. یا صلح وامن سے سب میں حاکم رعیت کا محتاج ہوتا ہے اور رعیت حاکم کی افسر اپنے محکوم کا محتاج ہوتا ہے اور محکوم اپنے

افسر کا انسان فطری طور پر مدنی الطبع پیدا کیا ہے خواہ وہ انسان بادشاہ ہو جلا ہا اور اس کا مدنی الطبع ہونا اُسکی احتیاج کی کامل شہادت ہے نماز کے امام کو دیکھئے کہ سب مقتدی اس کے محتاج ہوتے ہیں مگر جب اُن میں سے اسکی کوئی سہو بتا تا ہے تو امام مان لیتا ہے اور جمہور کے نزدیک ایک اسی طرح قرامت ہے جس وقت بھول جاتا ہے تو اپنے مقتدیوں سے مدد لیتا ہے وہ اُسے اُسکی بھول سے آگاہ کرتے ہیں اگر وہ اُسے شرعی نماز سے منحرف پاتے ہیں تو اُسکی پیروی نہیں کرتے اسکی مثالیں اور ہزاروں ہیں جنکے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں. اب حضرت علی کو دیکھا جائے کہ آپ کا اپنی رعیت سے مدد مانگنا اور اپنی حاجت اُنکے آگے بیان کرنا صدیق اکبر کے مدد مانگنے سے کہیں زیادہ ہے. اسی طرح صدیق کا اپنی رعیت کو درست کرنا اور رعیت کا اُن کی اطاعت کر لینا حضرت علی کو اپنی رعیت کے درست کرنے سے اور رعیت کو انکی اطاعت کرنے سے بدرجہ بڑھ کر ہے کیونکہ صدیق کے لوگ جب اُن کے خلاف کچھ کرتے تو صدیق اُن پر حجت قائم کرتے کہ انہیں آپ کی بات ماننی پڑتی جیسا کہ زکوۃ نہ دینے والوں وغیرہ سے جنگ کرنے کی بابت صدیق نے فاروق اعظم پر حجت قائم کی تھی۔ اُن لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ابوبکر جب انہیں کوئی حکم دیتے تھے تو وہ فوراً اُن کی اطاعت کر لیتے تھے بالکل اسکی ضد حضرت علی کی رعیت تھی فوج نے اور رعیت نے جس طرح حضرت علی کی مخالفت اور نافرمانی کی ہے رافضیوں کی مسلمہ کتاب نہج البلاغہ اُس سے بھری پڑی ہے. اس کے علاوہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت علی اپنی رعیت یا مصاحبوں کو کسی بات کا حکم دیتے تھے اور وہ اُس کے ماننے سے انکار کرتے تھے اور حضرت علی کو سمجھاتے تھے کہ آپ ایسا نہ کریں مصلحت کے خلاف ہے مگر حضرت علی اپنی ضد پر تلے رہتے تھے اور اخیر حضرت علی کو معلوم ہو جاتا تھا کہ میرا خیال یا رائے غلط تھی اور یہی لوگ سچے تھے اسکی مثال یہ ہے کہ آپ کے بڑے صاحبزادے امام حسن نے آپ کو سمجھایا تھا کہ آپ بغیر لوگوں سے بعیت لئے مدینہ منورہ سے نہ نکلیں نہ کوفہ جائیں اور نہ صفین پر جنگ کریں اور یہ بھی رائے دی تھی کہ امیر معاویہ کو معزول کرنا مصلحت نہیں ہے مگر آپ نے ایک بات نہ مانی پیچھے نقصان اُٹھایا اور نقصان اُٹھانے کے بعد امام حسن کی رائے کی قدر کی۔ اگرچہ

جنگ صفین کا افسانہ بالکل بے بنیاد اور گھڑا ہوا ہے جس کو ہم وضاحت سے بیان کریں گے مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جتنی باتیں حضرت علی نے کیں وہ سب مصلحت کے خلاف تھیں ان کے بڑے صاحبزادے اور اُن کے احباب اُنکی رائے کے سخت مخالف تھے۔ اِس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ صدیق، فاروق اور عثمان کے زمانہ میں سیاست کا جو انتظام تھا اور بڑی روشن ضمیری اور عالی دماغی اور کوشش سے قائم کیا گیا تھا حضرت علی نے اسکا بالکل ستیاناس کر دیا صحابہ اور مسلمانوں کی وہ تلوار جو مشرکین اور کفار کے مقابلہ میں اُٹھی تھی اُسکا رخ یکا یک مسلمانوں کی طرف پھر گیا اور مسلمان ایک دوسرے کو آپس میں قتل کرنے لگے۔ اب دیکھنا فقط یہ ہے کہ اصحاب ثلاثہ کا یہ انتظام متولی اور رعیت دونوں کے کمال کی وجہ سے تھا تو وہ اور ان کی رعیت دونوں افضل ہوئے اور اگر اکیلے متولی ہی کے کمال کی وجہ سے تھا تو فضیلت میں یہ متولی سب سے بڑھا ہوا ہوگا۔ اب حضرت علی پر خیال کیجئے کہ اگر یہ بے انتظامی اس وجہ سے ہوئی تھی کہ آپ کی رعیت میں بہت ہی زیادہ نقص تھا تو ظاہر ہے کہ صدیق، فاروق اور عثمان غنی کی رعیت سے علی کی رعیت میں بالکل بعد المشرقین ہے۔ تماشا تو یہ ہے کہ حضرت علی کی رعیت یا فوج زبانی تو انہیں مانتی رہی مگر عملی طور پر ان کے احکام کی بجا آوری نہیں کی برخلاف اصحاب ثلاثہ کی رعیتوں کے کہ انہوں نے زبان سے بھی اقرار کیا اور عملی طور پر سر تسلیم خم کیا اور یہ تسلیم سرخم کرنے والے علی کی امامت کے اقرار کرنے والوں سے بدرجہ افضل ہوئے تو اس سے لازم آیا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک حضرت علی سے افضل تھا۔ اسکے علاوہ سیاست کی شان شوکت سلطنت کی عظمت حکومت کی جبروت جو امیر معاویہ کے وقت میں تھی حضرت علی کو اسکا سواں حصہ بھی میسر نہیں آیا۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ امیر معاویہ کی فوج و رعیت حضرت علی کی فوج و رعیت سے افضل تھی جیسا کہ خود نہج البلاغۃ میں مذکور رہی کہ حضرت علی نے بارہا اپنی فوج کو مخاطب کر کے آرزومند اور پرشوق لہجہ میں یہ کہا ہے کاش امیر معاویہ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ اپنا ایک سپاہی میرے دس دس سپاہیوں سے بدل لیں تو میں فوراً اُن کے ایک سپاہی کے بدلہ میں اپنے دس سپاہی دے دوں یہ سب جانتے ہیں کہ معاویہ کی رعیت کے لوگ حضرت عثمان کے شیعہ تھے اور ان

میں وہ فرقے بھی تھے جو حضرت علی سے بغض رکھتے تھے بس اس بنا پر حضرت علی کے شیعہ اور وہ بغض رکھنے والے فرقے حضرت علی کو شیعوں سے افضل ہوں گے غرض ہر تقدیر پر یہ لازم آئے گا کہ یا تو تینوں خلفا علی سے افضل ہوں اور یا عثمان کے شیعہ اور علی سے بغض رکھنے والے فرقے علی کے شیعوں اور رافضیوں سے افضل ہوں. ان میں سے چاہے جونسی صورت لے لی جائے اُسی سے رافضیوں کے مذہب کا باطل ہونا لازم آتا ہے. کیونکہ اُنکا یہ دعویٰ ہے کہ علی تینوں خلفاء سے افضل ہیں. اب سوال یہ ہے کہ حضرت علی کے وقت میں انتظام سلطنت کیوں نہیں ہوا۔ جب رافضیوں کے قول کے مطابق امام بھی کامل اور رعیت بھی کامل پھر انتظام نہ ہونے کی کیا وجہ ہے. اور وہ اصحاب ثلاثہ کو بھی ناقص سمجھتے ہیں. اور اُن کی رعیت کو بھی یہاں تک کہ ان کی بیہودگی میں اتنا غلو ہوا ہے کہ وہ اپنے خیال میں صحابہ کو کافر اور فاسق بھی سمجھتے ہیں پھر انتظام میں یہ خامی کیوں ہوئی. خود حضرت علی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میرے اصحاب جاہل مطلق بد دین نامرد اور کنجوس ہیں. پھر ان کا صحابہ ثلاثہ کی رعیت سے کیونکر مقابلہ ہوسکتا ہے. اور رافضیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی سے بڑھ کر ان کا کوئی امام معصوم صاحب وجاہت اور ذی شان سلطان نہیں ہے تو اب خیال کرنے کی بات ہے کہ جب حضرت علی ان کو راہ راست پر نہ لا سکے تو اب صدہا برس کے بعد ان کے مجتہد کیا تیر مار سکتے ہیں. پس معلوم ہوا کہ ان میں سب سے زیادہ نقصان ہے۔ اب رہی معصوم کی عصمت جسے رافضی واجب بتاتے ہیں کیونکہ اس میں مکلفین کی مصلحت اور بھلائی ہے مگر جب معلوم ہوگیا کہ ہر زمانہ میں شیعہ کی مصلحت سے اوروں کی مصلحت اور اُن کی بھلائی سے اور اوروں کی بھلائی بدرجہ بڑھی ہوئی ہے۔ تو اس سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ جس صورت سے یہ عصمت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ صورت بالکل باطل ہے اور اس وقت امت ائمہ کی ضرورت ہونی بھی ظاہر ہوگی۔ اور یہ بھی صاف کھل گیا کہ صدیق ہی نے حق کہا اور انہوں نے ہی انصاف قائم کیا. رافضیوں کا اعتراض، رافضی کہتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا تھا کہ علی کے ہوتے ہوئے میں تمہارے حق میں بہترین نہیں اس لئے میں تم سے معافی چاہتا ہوں اب اگر اسکی امامت حق تھی تو اس کا اس سے معافی چاہنا معصیت ہے اور اگر باطل

تھی تو وہی طعنہ لازم آئے گا۔

جواب: بالکل غلط محض غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی اسکا پتہ نہیں کہیں اسکی سند نہیں ملتی ہے صدیق اکبر نے کہیں ایسا نہیں فرمایا کہ تم نے علی کے ہوتے ہوئے میرے ہاتھ پر بیعت کیوں کی بلکہ وہ حدیث جو صحیح میں ان سے ثابت ہوئی ہے یہ ہے کہ آپ نے سقیفہ کے دن لوگوں سے فرمایا تھا کہ ان دونوں یعنی عمر بن الخطاب اور عبیدہ بن جراح میں سے کسی ایک سے بیعت کرلو اس پر فاروق نے کہا ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور حضور انور آپ سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔ پھر کہا خدا کی قسم ہے کہ اگر میں اس امر میں پیش قدمی کروں اور تم میری گردن اُڑا دو تو یہ مجھے اُس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے کہ میں ایسے لوگوں پر حکومت کروں جن میں ابوبکر ہوں مجھ یہ سے یہ کبھی نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر ابوبکر ایسا کہتے بھی تو سب سے مقدم بات یہ تھی کہ وہ عمر کی جگہ علی کو خلیفہ بناتے اور یہ اُن کے لئے آسان تھا کیونکہ ان کے ہر حکم پر مسلمان سر تسلیم خم کرتے تھے۔ پھر رافضی کا یہ کہنا کہ اگر ابوبکر کی امامت حق تھی تو اُس سے اُس کا معافی چاہنا گناہ تھا اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ ابوبکر نے واقعی ایسا کہا تھا تو حق کے معنی اگر جائز کے لئے جائیں تو جائز فعل کو ترک کرنا جائز ہے اور اگر اس کے معنی واجب ہونے کے لئے جائیں اور یہ ماننا پڑے گا تو اسی لئے لوگوں نے انہیں اس امر سے معافی نہیں دی نہ انکے علاوہ کسی کو اپنا حاکم سمجھا اور اگر وہ اُنہیں معافی دے دیتے اور کسی کو حاکم کر لیتے تو یہ اُن پر واجب نہ ہوتا اسکی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خرید و فروخت یا اجارہ کا کوئی معاملہ کیا اور وہ معاملہ حق ہے لیکن پھر وہ اس معاملہ کو فسخ کر دیتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے حق سے روگردانی کی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض اپنی انکساری اور کسی کام کو بوجہ ناگوار معلوم ہونے کی وجہ سے کسی معاملہ کو لوٹایا جاتا ہے اگرچہ اُس کے مقابلہ میں کوئی اس سے زیادہ اُس چیز کا حقدار نہیں ہوتا۔ کسی کی نفس انکساری اس کا حق ساقط ہونے کی کبھی سفارش نہیں کرتی۔ یہ ایک ایسی معمولی بات ہے کہ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے شک رسول مقبول کی جانشینی خاص صدیق اکبر کے لئے ایک امر اہم تھا آپ جیسے خدا کے عاشق تھے رسول مقبول کے فدائی۔ تھے ایسے فدائی کا

ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ اپنے آقائے نامدار کے حکم کے خلاف کہیں ذرہ برابر مجھ سے بات نہ ہو جائے ایسا خوف آپ کی اعلیٰ درجہ کی محبت فرمانبرداری اور صداقت پر دلالت کرتا ہے. حاسد اور کور چشم اسے دوسرے پہلو سے دیکھتے ہیں حالانکہ یہ اُن کی خام خیالی ہے۔

رافضی بڑی بغلیں بجا بجا کے یہ کہتے ہیں کہ عمر نے کہا تھا کہ ابوبکر کی بیعت تو ناگہانی ہوگئی تھی اللہ نے اسکی بُرائی سے بچالیا اور اگر پھر کوئی ایسا کرے تو اُسے قتل کردینا. اب اعتراض یہ ہے کہ اگر ابوبکر کی بیعت حق تھی تو اس کا کرنے والا قتل کا مستحق نہیں ہوتا اس سے عمر پر اعتراض لازم آتا ہے اور اگر باطل تھی تو یہ اعتراض دونوں پر لازم آتا ہے۔

جواب: ہم اس پر مفصل بحث کرنے سے پہلے فاروق اعظم کے اس خطبہ کی طرف نظر کو توجہ دلاتے ہیں جو آپ نے اپنے آخری حج کے بعد پڑھا تھا اور وہ خطبہ بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے نقل کیا ابن عباس کہتے ہیں کہ میں جن مہاجرین کی مہمانداری کر رہا تھا اُن میں ایک عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے منا میں میرا خیمہ نصب تھا میں اُس میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک عبدالرحمٰن بن عوف میرے پاس آئے اور کہنے لگے کاش تم بھی اُس وقت ہوتے جس وقت ایک آدمی امیر المومنین فاروق اعظم کے پاس آیا تھا اور اس نے یہ بیان کیا تھا اے امیر المومنین آپ کے مرجانے کے بعد کیا میں فلاں آدمی سے بیعت ہو جاؤں مجھے خیال ہوتا ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابوبکر کی بیعت تو ناگہانی ہوگئی تھی اسکے بعد اسکی مستقل صورت پیدا ہوگئی اور وہ جم گئی یہ سنکر فاروق اعظم کو سخت غصہ آیا آپ نے فرمایا انشاءاللہ میں شام کو اسکی بابت کروں گا عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے کہا اے امیر المومنین آپ ایسا نہ کیجئے آج کل حج کے دن ہیں سب قسم کے لوگ یہاں جمع ہو رہے ہیں جس وقت وہ آپ سے کوئی بات سنیں گے تو وہ بات ہوا کی طرح سب میں اُڑ جائیگی ممکن ہے کہ آپ کچھ فرمائیں اور انہیں کچھ یاد رہے اور وہ لوگ اسکے موقع محل نہ سمجھیں اور بطور خود اس سے کوئی نتیجہ پیدا کرلیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ توقف کریں اور پہلے مدینہ پہنچ جائیں کیونکہ وہ دار ہجرت اور قیام گاہ رسول مقبول ہے. وہاں سب لوگ فہمیدہ اور شرفا ہی ہوں گے پھر

آپ خوب اطمینان سے ارشاد فرمائے۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے اہل علم اُس کو سمجھ لیں گے۔ اور اس کے موقع محل پر اسے یاد رکھیں گے یہ بات فاروق اعظم کی سمجھ میں آ گئی آپ نے فرمایا بہتر ہے خدا کی قسم میں مدینہ میں جا پہنچتے ہی اسے بیان کر دوں گا ابن عباس کہتے ہیں ماہ ذالحجہ کے بعد ہم مدینہ آئے اور جب جمعہ کا دن آیا تو آفتاب ڈھلنے سے پہلی ہی میں مسجد میں پہنچ گیا دیکھتا کیا ہوں کہ سعید بن زید بن عمر بن نفیل رکن ممبر کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی انکے پاس بیٹھ گیا میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے لگا ہوا تھا۔ میں بیٹھا ہی تھا کہ عمر بن الخطاب تشریف لائے میں نے اُنہیں دیکھتے ہی سعید بن زید سے کہا کہ آج امیر المومنین ایسی باتیں کہیں گے کہ خلیفہ ہونے سے اس وقت تک نہیں کہیں ہوں گی سعید ابن زید کو میرا یہ کہنا ناگوار گزرا اُسنے کہا مجھے امید نہیں کہ ایسی کوئی بات کہیں گے کہ اس سے پہلے کبھی کہی نہ ہو۔ پھر امیر المومنین عمر فاروق ممبر پر بیٹھ گئے جب موذن خطبہ کی اذان کہہ چکا تو آپ کھڑے ہوئے پہلے خدا کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا میں تم سے ایک ایسی بات کہتا ہوں جسکا کہنا مجھے ضروری ہو گیا ہے میں نہیں جانتا شاید یہ بات میری موت کے قریب ہو یعنی پھر اس کے بعد تم مجھ سے ایسی بات نہ سُن سکو اس لئے جو شخص اسے سمجھ لے اور خوب یاد کر لے اُسے چاہیے کہ جہاں تک اُسکی سواری پہنچ سکے اُسے پہنچا دے اور جسے میرے کلام سمجھنے میں شبہ ہو تو میں کبھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ مجھ پر جھوٹ باندھے یاد رکھو اللہ تعالے نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا تھا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تھی۔ اس کتاب میں رجم کی آیت بھی ہے ہم نے اُسے پڑھا اور سمجھا اور خوب یاد کیا رسول اللہ نے بھی رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا اب میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں پر زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد شاید کوئی یہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ میں رجم کی آیت ہمیں نہیں ملتی اور پھر سب لوگ اس فرض کے ترک کرنے سے گمراہ ہو جائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ کتاب اللہ میں رجم ایسے شخص پر فرض ہے جو محصن ہو گی زمانہ کرے خواہ مرد ہو یا عورت ہاں گواہوں سے ثابت ہونا شرط ہے اس کے علاوہ کتاب اللہ میں ہم یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ **لا ترغبوا عن آبائکم فانه کفر بکم ان ترغبوا عن آبائکم** یعنی تم اپنے باپ دادا سے روگردانی مت کرو

کیونکہ یہ تمہارے حق میں کفر ہے۔ یاد کھو ایک دن حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے تم اسطرح نہ بڑھادینا جیسے نصاری نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھادیا بلکہ میری نسبت یہ ہی عقیدہ رکھنا کہ محمد اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ اب سُنو تم میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر عمر مر جائے تو قسم ہے اللہ کی میں فلاں شخص سے بیعت ہو جاوں گا تم کبھی اس کہنے سے دھوکے میں نہ آنا ابوبکر کی بیعت تو اچانک ہوگئی تھی پھر پوری ہوگئی لیکن اللہ نے اُسکی بُرائی سے بچالیا۔ یاد رکھو مثل ابوبکر کے تم میں اور کوئی نہیں ہے کہ سب کی گردنیں اُسکی طرف جھک جائیں مسلمانوں میں سے جو شخص بغیر مشورہ کسی کی بیعت کرے گا اسکی بیعت نہ ہوگی اور جس سے بیعت کی ہوگی وہ امام شمار نہ ہوگا بلکہ دونوں قتل کر دیے جائیں گے۔ سُنو اسکی کیفیت یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد انصار میں اور ہم میں اختلاف خیال پیدا ہو گیا تھا اور وہ سب بنی ساعدہ کے سقیفہ میں جمع ہوئے علی اور زبیر اُن کے ہمراہی بھی ہمارے مخالف تھے مگر مقابلہ میں مہاجر سب ابوبکر کی طرف تھے میں نے ابوبکر سے کہا آپ ہمارے ساتھ ہمارے ان انصار بھائیوں کے پاس چلیں چنانچہ ہم دونوں جب وہاں پہنچے تو دو بڑے نیک آدمی ہمیں ملے اُنہوں نے لوگوں کا میلان ہم سے بیان کیا اور ہم سے دریافت کیا کہ تم کہاں جاتے ہو ہم نے کہا کہ ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس جاتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا اُن کے پاس جانے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ہم نے کہا خدا کی قسم ہے ہم ضرور اُن کے پاس جائیں گے۔ چنانچہ ہم بنی ساعدہ کے سقیفہ میں پہنچے ہم نے کیا دیکھا کہ وہاں ایک شخص چادر لپیٹے ہوئے اُن کے سامنے پڑا تھا میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں میں نے کہا انہیں کیا ہو گیا جواب دیا گیا کہ انہیں بخار آتا ہے ہم بیٹھے ہی تھے کہ اُن کا خطیب کھڑا ہوا اس نے حسب دستور پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہنے لگا کہ ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور تمام مہاجر ہو تمہاری قوم کے لوگ ہم پر دباؤ ڈال کر یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیں اور اس کام سے ہمیں بالکل علیحدہ کر دیں یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا میں نے کچھ بولنا چاہا اور بولنے سے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ جو کچھ میرے خیال میں آیا ہے پہلے ابوبکر سے بیان کر

دو۔ لیکن ایک خاص وجہ سے میں تاخیر کر رہا تھا۔ پھر میں کچھ بولنا چاہا تو ابوبکر نے مجھے ٹھہرا دیا میں اُن کے روکنے سے اُن پر ناراض نہیں ہوا ابوبکر نے آگے بڑھ کر یہ بیان کیا اُن کا بیان نہایت کامل اور باثر تھا وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار آدمی تھے جو باتیں میں نے سوچی تھیں اس سے بھی زیادہ انہوں نے فرمایا اُن کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اے انصار جو کچھ تم نے اپنی نسبت بیان کیا بے شک تم ایسے ہی ہو مگر یہ خلافت کا کام تو خاندان قریش ہی کے لئے ہے کیونکہ باعتبار نسب اور وطن کے یہ سارے عرب سے بڑھ کے ہیں اس وقت وہ آدمی تمہارے پیش ہیں اُن میں سے جس پر تمہارا دل لگے اُس سے بیعت کرلو یہ کہہ کے آپ نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑ لیا ابوعبیدہ ہمارے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اس پر انصار خاموش ہوئے اور چند لمحہ کے بعد ایک انصاری نے کہا اے قریشیو مناسب ہے ایک خلیفہ تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہو پھر شور و شغب ہونے لگا اُس وقت میں نے کہا کہ اے ابوبکر آپ اپنا ہاتھ بڑھایا میں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی میرے بیعت کرتے ہی کل مہاجرین نے بیعت کر لی انصار پر اس کا بہت بڑا اثر ہوا انہوں نے شور و غل کو چھوڑ کے شوق اور جوش کے ساتھ بیعت کرنی شروع کی خدا کی قسم اُس وقت ہمیں ابوبکر بیعت سے بڑا کوئی کام نظر نہ آتا تھا۔ ہمیں یہ ڈر تھا کہ اگر ہم یہاں سے اسوقت چلے گئے تو انصار اپنے ہی آدمیوں میں سے کسی سے بیعت ہو جائیں گے اور پھر ہمیں بھی اُس سے بیعت ہونا پڑے گا ممکن ہے کہ یہ بیعت ہماری مرضی کے خلاف ہو اور خواہ مخواہ کی ہمیں مخالفت کرنی پڑے جس سے ہمیں فساد کا اندیشہ ہے ابوبکر کی بیعت کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایسے نازک موقع پر بیعت کی یہ کارروائی مستحسن تھی ہاں یہ میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ اگر کسی مسلمان نے بغیر مشورہ کے اب کسی سے بیعت کر لی تو وہ بیعت نہ ہوگی اور جس سے بیعت کرے گا وہ اُسکا مستحق نہیں ہونے کا. امام مالک کہتے ہیں مجھ سے ابن شہاب نے بیان کیا اور وہ عروہ بن زبیر سے نقل کرتے تھے کہ یہ شخص جو ابوبکر اور عمر سے ملے تھے عویم بن ساعدہ اور معان بن عدی تھے اور یہ دونوں اُن لوگوں میں سے ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے۔
صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جس وقت حضور انور رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو

ابوبکر کی موجودگی میں عمر کھڑے ہوکر کہنے لگے اللہ کی قسم رسول اللہ کی وفات نہیں ہوئی اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے دل میں اس کے سوا کوئی بات نہیں آتی کہ حضور ﷺ کو اللہ ضرور اٹھائے گا اتنے میں ابوبکر آ گئے انہوں نے آنحضرت کے رُخ مبارک کی چادر سرکائی اور بوسہ دے کے یہ عرض کیا رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں زندگی میں بھی مبارک ہے اور زندگی کے بعد موت میں بھی آپ کی دونوں حالتیں اچھی رہیں قسم ہے اُس ذات کی جس کے فیصلہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت کی تکلیف کبھی نہ دے گا۔ پھر آپ باہر آئے اور عمر سے کہا اے قسم کھانے والے ذرا صبر کر یہ سنتے ہی عمر بیٹھ گئے ابوبکر نے اول اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر کہا یاد رکھو جو کوئی محمد کی عبادت کرتا تھا وہ اس بات کو سُن لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اس بات کو سمجھ لے کہ اللہ بیشک زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اور اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ یعنی تم بھی مرتے ہو اور یہ بھی مرنے والے ہیں اور فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (سورۃ آل عمران آیت:۱۴۴) یعنی محمد رسول اللہ ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو اب یہ اگر مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنی اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی اپنے اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑنے کا شکر کرنے والوں کو اللہ ثواب دے گا یہ سنتے ہی سب رونے لگے۔ اس کے بعد اس روایت میں کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بنی ساعدہ کے سقیفہ کا ذکر ہے جو اوپر ہو چکا ہے اس لئے ہم اُس حصہ روایت کو قلم انداز کرتے ہیں مگر اسی قصہ میں عائشہ صدیقہ سے صحیح بخاری میں یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ابوبکر عمر کے خطبوں سے اللہ نے بہت ہی نفع دیا کیونکہ اس وقت لوگوں کی طبیعتیں مذبذب تھیں جب عمر نے انہیں ڈرایا اور ہدایت کی تو اللہ نے اُن کا تذبذب کھو دیا پھر ابوبکر کی روشن ہدایتیں ایسی بااثر ثابت ہوئیں کہ کسی قسم کا وہم وگمان لوگوں کے دلوں میں نہیں رہا۔ صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے فاروق اعظم کا وہ اخیر خطبہ سُنا جو انہوں نے ممبر

پر بیٹھ کے پڑھا تھا اور یہ رسول اللہ کے وصال سے اگلے روز کا قصہ ہے اوّل عمر نے کلمہ شہادت پڑھا ابوبکر خاموش بیٹھے سنتے تھے پھر کہا مجھے خیال تھا کہ رسول مقبول زندہ رہیں گے اور ہم سب ان ہی کے آگے مر جائیں گے میرا وہ خیال غلط تھا حضور انور کی وفات ہو چکی ہے مگر ساتھ ہی اسکے اللہ نے ہمارے سامنے ایک نور قائم کر دیا ہے اس سے تم ہدایت پا سکتے ہو اسی سے اللہ نے حضور کو ہی ہدایت کی تھی ابوبکر حضور کے وقت کے ساتھ ہی والے ثانی اثنین ہیں اور یہ تمہارے کاموں کے لئے سب مسلمانوں سے اولے ہیں پس تم کھڑے ہو اور اُن سے بیعت ہو. کچھ لوگ اس سے پہلے بھی بنی ساعدہ کے سقیفہ میں ان سے بیعت ہو چکے تھے مگر عام بیعت اس وقت ہوئی فقط پھر رافضیوں کا ایک اور اعتراض سنیے وہ کہتے ہیں ابوبکر نے مرتے وقت کہا تھا کاش میں رسول اللہ سے دریافت کر لیتا کہ اس خلافت کے کام میں انصار کا بھی کچھ حق ہے یا نہیں پھر رافضیوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ابوبکر کو اپنے امام ہونے میں شک تھا. یقین نہیں ہوا تھا

جواب: محض غلط اور بالکل غلط صدیق اکبر نے کبھی ایسا نہیں بیان کیا رافضی ادھر اُدھر کی جھوٹی روایتیں اور قصے نقل کر دیئے ہیں اور بغیر کسی اسناد کے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ان قصوں کو نقل کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت ملا باقر مجلسی کے تراشیدہ قصوں کی طرح ایک بے بنیاد قصہ کی مثل ہے. جس پر ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے. پھر رافضی صدیق اکبر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے مرتے وقت کہا تھا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو اچھا ہوتا اور کاش میں کسی اینٹ میں تنکا ہو کے لگا رہتا. حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ جب کوئی شخص مرنے لگتا ہے تو اُسے اُس کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں دکھا دیا جاتا ہے۔

جواب: یہ بھی محض جھوٹ ہے صدیق اکبر نے مرتے وقت کبھی ایسا نہیں کہا رافضی سر ٹیک کے بھی رہ جائیں تو اسکی کوئی قابل اعتبار سند پیش نہیں کر سکتے، بات صرف اتنی ہے کہ جب آپ کا زمانہ قریب آیا تو عائشہ صدیقہ رنج ظاہر کرنے لگیں آپ نے اس پر منہ کھولا اور فرمایا کہ اس طرح رنج نہ کرو بلکہ یہ کہو وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (آیت نمبر ۱۹ سورۃ ق) یعنی موت کی سختی یقیناً آئے گی (پر اُس سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا

تھا رافضی جو یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر نے مرتے وقت کہا تھا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو اچھا ہوتا، مرتے وقت نہیں بلکہ تندرستی کی حالت میں کہا تھا اور اُس میں یہی شرط ہے کہ آپ کا یہ کہنا تندرستی کی حالت میں بھی ثابت ہو جائے۔ اگر فرض کرو کہ ثابت ہو جائے تو آپ نے محض خود خدا کی وجہ سے ایسا فرمایا تھا ایسے اقوال تو بہت سے لوگوں کے منقول ہیں جو اُنہوں نے محض احوال قیامت کے خوف کی وجہ سے کہے ہیں۔ یہاں تک ایک صاحب باطن کا ذکر ہے جیسا کہ اُسنے کہا کہ اگر مجھے ان دو باتوں میں اختیار دے دیا جائے۔ ایک تو یہ کہ میرا حساب کتاب ہو کر جنت میں داخل کر دیا جاؤں۔ دوسرے یہ کہ میں مٹی کیا جاؤں تو میں اپنے مٹی ہی کئے جانے کو اختیار کروں گا اسی طرح امام احمد نے ابوذر سے روایت کی ہے۔ اُنہوں نے قسم کھا کر کہا تھا کاش میں ایک درخت ہو کر کاٹ دیا جاتا تو بہتر تھا ابو نعیم نے حلیہ میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتے تھے اگر میں جنت و دوزخ کے بیچ میں کھڑا کیا جاؤں اور مجھے حکم ہو کہ یا تو ان دونوں میں سے کسی کو پسند کر یا اپنے خاک ہونے کو اختیار کر میں اپنے خاک ہی ہونے کو اختیار کر لوں گا پھر امام احمد نے مسروق سے سند کے ساتھ روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ایک آدمی عبداللہ بن مسعود سے کہنے لگا مجھے اپنا اصحاب یمین میں ہونا نہیں بھاتا۔ بلکہ میں تو مقربین میں سے ہونا پسند کرتا ہوں اس پر عبداللہ بن مسعود نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا یہاں تو ایک ایسا آدمی ہے جو یہ چاہتا بھی ہے اور پسندی بھی کرتا ہے کہ مرنے کے بعد اُسے اُٹھایا نہ جائے۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کہنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ اور بات ہے اور اس کا دوسرا موقع ہے مگر یہ ضرور سمجھ لو کہ محض اللہ کے خوف کی وجہ سے جو بات بندے سے صادر ہو وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا اللہ پر ایمان ہے اور اللہ یقیناً اُسکی مغفرت کرے گا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کر دی تھی کہ مجھے مرنے کے بعد آگ میں جلا دینا اور میری راکھ نصف دریا میں بہا دینا اور نصف ہوا میں اُڑا دینا اس شخص نے کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا اور یہی وجہ اسکے خوف کی تھی مگر جب حکم خدا سے اسکے ذرے ذرے جمع کئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُس سے دریافت کیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا اُس نے کہا محض تیرے خوف سے کیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسکی مغفرت کر دی اس حدیث کو صحیحین میں نقل کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے

حالانکہ اس شخص کو اللہ کی قدرت اور معاد میں شک تھا یعنی وہ جانتا تھا کہ جب میرے ریزے ریزے برباد ہو جائیں گے تو میں عذاب سے بچ جاؤں گا اور کوئی قوت میرے پریشان ذروں کو جمع کر کے مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتی لیکن باوجود اس شک کے جو اُس نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ محض اس وجہ سے کہ وہ اُس سے خوف کھاتا تھا اسکی مغفرت کردی اب یہ نتیجہ اس سے آسانی سے نکل آیا کہ اللہ کا خوف کرنا امور حقیقیہ کے لئے اسباب مغفرت ہونے میں اعلیٰ درجہ کا سبب ہے اور یہ بھی اُس وقت کہ یہ مان لیا جائے کہ وہ امور حقیقیہ گناہ ہیں. فقط۔ رافضی اعتراض کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا تھا کاش بنی ساعدہ کے خیمہ میں اپنا ہاتھ اُن دو آدمیوں میں سے کسی کے ہاتھ پر مار دیتا یعنی میں اُن میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا تو بہتر تھا تا کہ وہ خلیفہ ہو جاتا اور میں وزیر رہتا تو رافضی یوں منہ آتے ہیں کہ ابوبکر اپنے خلیفہ ہونے پر راضی نہ تھے. پھر اُن کا خلیفہ بن جانا اور لوگوں کا انہیں خلیفہ تسلیم کرنا یعنی چہ۔

جواب: یہ اعتراض یا طعنہ مثل اور مطاعن کے بہت ہی سبک کم وزن اور لغو ہے اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ صدیق اکبر نے ایسا کہا تو اس سے صدیق اکبر کی انتہائی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف اُن کے دل میں کتنا تھا اور وہ خلافت کو کتنا اہم اور عظیم الشان کام سمجھتے تھے اُنہیں خوف تھا کہ کہیں ہم سے حق خلافت ضائع نہ ہو جائے اور یقیناً اسی خوف نے اخیر تک اُن کی رہبری کی اور حق خلافت اُن سے ضائع نہ ہوا۔ ہاں اگر دوسرا شخص خلیفہ ہو جاتا تو وہ اس گرانقدر بار سے سبکدوش ہو جاتے اور اسی سبکدوشی کی آپ نے آرزو کی اور یہ آرزو کرنی گناہ نہیں ہے. نہج البلاغتہ میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت عثمان کے شہید ہونے پر حضرت علی سے خلیفہ ہونے کی درخواست کی گئی تو آپ نے صریح طور پر یہ فرمایا کہ مجھے تو وزیر ہی رہنے دو میں تو وزیر بنتا چلا آیا ہوں اور وزارت کے فرائض ادا کرنے خوب جانتا ہوں خلافت مجھ سے نہیں ہو سکے گی. اس یقین اور اعتقاد پر بھی حضرت علی خلیفہ بن گئے جو جواب اس کا رافضی حضرت علی کی طرف سے دیں گے وہی صدیق اکبر کی طرف سے سمجھ لینا چاہیے. رافضی یہ بھی طعنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ اُسامہ کے لشکر کو روانہ کردو الا اس پر لعنت کرے جو اُسامہ کے

لشکر سے رہ جائے اور یہ تینوں یعنی ابوبکر عمر، عثمان، اُسامہ کے ساتھ تھے پھر ابوبکر نہ خو گئے نہ عمر کو جانے دیا.

جواب: یہ قصہ ہم مدت سے سنتے چلے آئے ہیں رافضی جواب پاتے ہیں اگر پھر ڈھٹائی سے یہ من گھڑت قصے قریب قریب اپنی ہر تصنیف میں درج کر دیتے ہیں جو لوگ سیر سے واقف ہیں اس روایت کے غلط ہونے پر سب کا اتفاق ہے. علماء میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا ہے. کہ حضور انور نے ابوبکر یا عثمان کے لشکر میں بھیجا تھا. ہاں فاروق اعظم کے بارے میں یہ بے شک مروی ہے بھلا ابوبکر اُسامہ کے لشکر میں کیونکر پہنچ جاتے جبکہ حضور انور نے اپنے زمانہ مرض میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لئے ابوبکر کو اپنا خلفیہ کر دیا تھا. حضور جمعرات کے دن سے بیمار ہوئے تھے اور اگلی جمعرات کے بعد پیر تک بارہ روز بیمار رہے متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ نماز پڑھانے میں سوائے ابوبکر کے اور کسی کو آگے نہیں کیا. حضور کی بیماری میں جو نمازیں ابوبکر نے پڑھائیں وہ ایک یا دو نمازیں یا ایک دن یا دو دن کی نمازیں نہ تھیں تا کہ کسی کے دل میں شک پیدا ہو جائے جس کا رافضیوں نے بارہا گیت گایا ہے یعنی رافضی یہ دعوے کرتے ہیں کہ عائشہ نے بغیر حضور کی اجازت کے ابوبکر کو امام کر دیا تھا لہٰذا بیہودہ اعتراض کی اس سے تردید ہوگئی کہ آپ بارہ روز تک برابر حضور کے زمانہ مرض میں پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے رہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے. ہاں ایک آواز ایسی بھی آتی ہے کہ ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں تھیں اور جمعہ کے روز خطبہ بھی اُنہوں ہی نے پڑھایا تھا. اس خطبہ کی تمام صحیح حدیثیں متواتر شاہد ہیں. آپ خطبہ کے بعد پیر تک بھی نمازیں پڑھاتے رہے. پیر کے دن صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور نے پردہ اٹھا کے دیکھا کہ سب ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں. جو لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضور ہمیں دیکھ رہے ہیں تو قریب تھا کہ وہ اپنی نماز کو خراب کر دیں آپ نے فوراً پردہ چھوڑ دیا اور یہ آپ کا آخری وقت تھا اسی روز عین دوپہر میں زوال کے وقت آپ کی وفات ہوگئی بعض کا قول یہ بھی ہے کہ حضور کی آخری نماز وہی تھی جو آپ نے صدیق اکبر کے پیچھے پڑھی پھر کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ حضور انہیں جنگ میں جانے کا حکم

دے دیتے. حالانکہ آپ صدیق کو لوگوں کے نماز پڑھانے کا حکم دے چکے تھے. اب رہا اُسامہ کا لشکر اُسکی کیفیت یہ ہے کہ حضور نے اپنے بیمار ہونے سے پہلے اُسکی تیاری کر دی تھی. اور اُسامہ اس لشکر پر افسر کیا تھا اس لشکر میں اکثر مہاجر تھے جس میں عمر بن خطاب بھی تھے. یہ سب تین ہزار آدمی تھے. حضور نے اُسامہ کو حکم دے دیا تھا کہ اہل مؤتہ اور فلسطین کی حدود پر حملہ کیا جائے جہاں زید جعفر اور ابن رواحہ شہید ہوئے تھے حکم ہوتے ہی اُسامہ زید جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا اور اپنا سب سامان حرب لے کے جوش میں چلا گیا اور حضور کی بیماری کی وجہ سے کئی روز تک تک وہاں ٹھیرا رہا اسی اثناء میں حضور نے ایک دن اُسامہ کو بلایا اور کہا کہ کل صبح کو تم ضرور یہاں سے کوچ کر جاؤ اُسامہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے زیادہ کمزور معلوم ہوتے ہیں. میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالے حضور کو صحت عطا فرمائے اُس وقت میں یہاں سے روانہ ہوں. اس لئے میں اجازت چاہتا ہوں کہ جب تک حضور تندرست ہوں میں یہاں ٹھیرا رہوں گا. اگر اسی حالت میں چلا گیا تو سخت پریشان رہوں گا. اور مجھے حضور کے مزاج کی کیفیت معلوم نہ ہو سکے گی. اور یہ مجھے کچھ ناگوار سا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا حال میں دوسرے لوگوں سے پوچھوں یہ سُن کے حضور خاموش ہو رہے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ کی وفات ہو گئی. جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اُسامہ کو اس لشکر کے ساتھ روانہ کیا. ہاں اس سے یہ درخواست کی عمر بن حطاب کو مدینہ میں رہنے کی اجازت مل جائے کیونکہ ان کی اسوقت بوجہ اعلیٰ تدبر کے بہت سخت ضرور ہے اُسامہ نے ابوبکر انور کی ہدایت کے بموجب حدود فلسطین اور موتہ پر حملہ کیا اپنے باپ زید کے قاتل کو مار ڈالا اور مظفر و منصور مدینہ میں واپس آ گئے. اصل یہ ہے کہ حضور انور کی وفات کے بعد یہ ابوبکر کا دم تھا کہ اُسامہ کا لشکر حضور انور کی ہدایت کے بموجب روانہ ہوا حالانکہ کئی صحابہ کا اس میں اختلاف تھا اور وہ لشکر کی روانگی کو مصلحت وقت نہیں سمجھتے تھے مگر صدیق نے بہت زور سے یہ کہا کہ جس جھنڈے کی گرہ حضور انور نے دے دی میں اُسے نہیں کھولتا اور آپ نے فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا. بوشمن سے دشمن اور کوتاہ میں سے کوتاہ میں اور حاسد سے حاسد شخص بشرطیکہ وہ آدمی ہو ان باتوں سے صدیق کی کمال معرفت اُن کے ایمان تدبر اور صائب رائی

کا قائل ہوجائے گا. اب رہے وہ دنی الطبع جن کے دماغ مثل اُن کی صورتوں کے مسخ ہوگئے ہیں وہ گاراپنی ہانک لگائے جائیں اور بیہودہ طور پر بدزبانی کئے جائیں تو اسکا جواب سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں. رافضیوں کا ایک اور طعنہ یہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ میں ابوبکر کو کبھی کسی کام پر حاکم نہیں بنایا. مگر کبھی عمرو بن عاص کو اور کبھی اُسامہ کو حضور حاکم مقرر کرتے رہے. ہاں ایک دفعہ جب ابوبکر کو سورۂ برأت دیکر روانہ کردیا تھا پھر تین روز کے بعد اللہ کی طرف سے وحی آنے پر پھر اُنہیں واپس بلالیا بھلا ایسے شخص کی امامت پر عاقل اور بالغ نظر کیونکر راضی ہوسکتا ہے فقط.

جواب: سورۂ برأت کی بحث گزشتہ صفوں میں پوری ہوچکی ہے. باقی صدیق کے حاکم ہونے سے انکار کرنا یہ رافضیوں کی ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی ہے. جنہیں تفسیر، معازی، سیر حدیث اور فقہ کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ ۹ ہجری میں حضور نے صدیق ہی کو حج پر حاکم مقرر کیا اور یہ حج اسلام میں سب سے پہلا حج تھا حضور انور نے مدینہ منورہ سے کیا. اس سے پہلے اسلام میں کوئی حج نہیں ہوا سوائے اُسکے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ نے مکہ میں کرلیا تھا کیونکہ مکہ ۸ ہجری میں فتح ہوا اور اُسی سال حضور نے عتاب بن اسید کو اہل مکہ پر حاکم مقرر کردیا تھا چونکہ وہاں موجود تھے انہوں نے اُسی سال مکہ میں حج کرلیا مگر حضور نے غزوہ تبوک سے آنے کے بعد ۹ ہجری میں حج کا حاکم صدیق کو مقرر کیا اور حضور نے حکم دیا کہ موسم حج میں یہ اعلان کرادینا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ پائیگا. اور نہ ہوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرسکے گا چونکہ یہ ایک عظیم الشان اور اہم معاملہ تھا حضور کی نظروں میں سوائے صدیق کے کوئی اس فرض کی تکمیل نہیں کرسکتا تھا. پس صدیق کی یہ ولایت ان کی خصوصیتوں میں سے ہوئی. اس شان اور اس نوعیت کا حاکم سوائے صدیق کے حضور نے کسی کو مقرر نہیں کیا اور نہ حضور نے نماز پر ایسا خلیفہ کو بنایا جیسا صدیق کو اسوقت علی بھی مثل اور لوگوں کے صدیق کی ماتحتی میں کام کرتے تھے جب علی وہاں پہنچے اور صدیق سے ملاقات ہوئی تو صدیق نے دریافت کیا کہ تم افسر ہوکر آئے ہو یا ماتحت ہوکر علی نے کہا میں ماتحت ہوکر آیا ہوں علی مثل اور مسلمانوں کے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور اُن کی تعمیل حکم اپنا فرض سمجھتے تھے جیسے کہ اُن کے ساتھی ابوبکر کی فرمانبرداری کرتے تھے علی نے جو کچھ اعلان کیا ابوبکر کے حکم سے کیا. اور

لوگوں کی ولایت صدیق اکبر کی سی خصوصیت نہیں رکھتی ورنہ اوروں کی ولایت میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں جیسے علی کی ولایت ویسی ہی اوروں کی بھی ولایت ہے کوئی خصوصیت مثل صدیق کے علی ولایت میں نہیں ہے. تمام تر تاریخیں اور روایتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ حضور نے صدیق پر کبھی حاکم مقرر نہیں کیا نہ اُسامہ بن زید کو نہ عمرو بن عاص کو اُسامہ کو صدیق پر حاکم مقرر کرنے کا قصہ چانڈو خانہ کی گپ سے بھی زیادہ کم وزن رکھتا ہے. تمام علما نے اس سرے سے اُس سرے تک اُس کے جھوٹ ہونے پر اتفاق کیا ہے. رہا عمرو بن عاص کا قصہ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات السلاسل کا ہے حضور نے ایک رسالہ پر عمرو کو افسر کر کے بھیج دیا تھا. اور رسالہ کو نبی عذرہ پر چڑھائی کا حکم دیا تھا نبی غذوہ والے عمرو کے رشتہ دار تھے حضور نے عمرو کو اس لئے افسر کیا تھا کہ اُسکی رشتہ داری ہونے کی وجہ سے نبی غذوہ کا مسلمان ہو جاتا قرین عقل معلوم ہوتا تھا. پھر حضور نے ابو عبیدہ یا اور اُن کے ساتھ ابو بکر عمر وغیرہ مہاجر بھی تھے ابو عبیدہ سے حضور نے فرمادیا تھا کہ تم اور عمرو آپس میں میں صلح رکھنا ایک دوسرے کے مخالف نہ بننا. جب ابو عبیدہ، عمرو سے ملے اور نماز کا وقت ہوا تو کہنے لگے میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاؤں گا تم اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاؤ عمرو بولے نہیں بلکہ تم سب میرے پیچھے نماز پڑھو کیونکہ تم میری کمک پر آئے ہو نہ کہ میرے افسر بنکے ابو عبیدہ نے کہا کہ حضور نے مجھے حکم دے دیا ہے کہ میں تم سے صلح رکھوں لہذا تم اگر یہی چاہتے ہو تو تمہاری اطاعت کئے لیتا ہوں. اس پر بھی تو تو میں میں ہے نہیں ہوئی. اخیر صدیق نے فرمایا عمرو ایسا نہ کرو جب یہ اطاعت کرتے ہیں پھر جھگڑا اہی کا ہے میں رہا غرض وہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سب نے عمرو بن العاص کے پیچھے نماز پڑھی. حالانکہ یہ سب جانتے تھے اور سب کو یقین تھا کہ صدیق، عمر فاروق اور ابو عبیدہ عمرو سے بدرجہا افضل ہیں. اس وقت عمرو کا دافسر ہونا ایک خاص وجہ سے تھا جسکو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں. کسی بڑی مصلحت کی وجہ سے ایک ادنے شخص کو افسر بنا دینا ہر قوم میں بارہا ہو چکا ہے اور تاریخیں اسکا پتہ دیتی ہیں. حضور کے غزوات میں بھی اسکی نظریں موجود ہیں جیسا کہ غزوہ موتہ میں جب زید بن حارثہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے اُن کے بیٹے اُسامہ کو افسر بنا کے بھیجا تا کہ وہ جوش کے ساتھ جنگ کر کے اپنے باپ کو خون کا عوض لے. متواتر حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ صدیق

زیادہ حضور کا کوئی مقرب نہ اُن سے زیادہ کوئی خاص تھا نہ کوئی رات دن حضور کی خدمت میں رہتا تھا صدیق کے سوا کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو حضور کے دربار میں صدیق سے پہلے بول سکے. صدیق ہی امرونہی کرتے اور فتوے دیتے تھے. حضور صدیق کی اس نصیحت فتوے اور امرونہی پر خوش ہوتے تھے اور اُسے ایسا ہی رہنے دیتے تھے. اور سب کام حضور کی اجازت سے ہوتا تھا. یہ درحقیقت حضور کی امداد اور آپکی اور سب سے زیادہ حضور سے چاہنے والے اور سب سے زیادہ آپ کی پیروی کرنے والے تھے باقی اس بہتان کا وہ حصہ جو سورۂ برات سے تعلق رکھتا ہے بحث میں آچکا اس لئے اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں. ایک اور نیا الزام سنئے رافضی کہتے ہیں کہ ابوبکر نے چور کا اُلٹا ہاتھ کاٹ دیا اور یہ نہ جانا کہ سیدھا ہاتھ کاٹنا چاہئے تھا. پھر بھلا ایسے ناواقف شخص کی امامت کیونکر صحیح ہوسکتی ہے.

جواب: یہ کہنا کہ صدیق اس بات کو جانتے نہ تھے صریح جھوٹ اور کذب محض ہے ہاں اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابوبکر اسے جائز کہتے تھے تو ان کا قول بے شک قابل اعتبار ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں کوئی لفظ صریح ایسا نہیں ہے جو سیدھے ہاتھ کی تعیّن پر دلالت کرے. ہاں ابن مسعود کی قرائت میں سیدھے ہاتھ کی طعیّن ضرور ہے جیسا کہ **فاقطعم ایمانهما** سے ظاہر ہے. بس اسی قرأت پر حکم شرعی جاری ہوگیا. اب یہ بات غور طلب ہے کہ آیا صدیق نے اُلٹا ہی ہاتھ کاٹا تھا. اس کی سند کہاں ہے اور صدیق سے کس جگہ منقول ہے آثار صحابہ کے بیان میں علماء کی جتنی کتابیں موجود ہیں اُن میں کہیں بھی اسکا ذکر نہیں نہ علما نے اختلاف ہونے کی بابت کوئی قول نقل کیا. ایسی اٹکل پچو باتیں واقعات پر ہرگز رپردہ نہیں ڈال سکتیں. پھر رافضیوں کا ایک اور خطرناک حملہ سنے جو وہ صدیق اکبر پر کرتے ہیں یعنی یہ کہ **فجاءۃ سلمی** کو ابوبکر نے آگ میں جلادیا حالانکہ حضور نے آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے.

جواب: زندہ آدمی کا آگ میں جلادینا جتنا حضرت علی کی طرف منسوب ہے شاید اور کسی کی طرف اتنا منسوب نہ ہوگا. منسوب ہی نہیں بلکہ صحیح ہے کہ حضرت علی نے زندہ آدمیوں کو آگ میں جلایا سُنے صحیح میں یہ ثابت ہوچکا ہے کہ **غلاۃ** شیعہ میں سے بددین لوگ علی کے پاس لائے گئے حضرت علی نے فوراً نہیں آگ میں جلوادیا جونہی ابن عباس نے یہ سُنا تو وہ سخت افسوس کرنے لگے اور انہوں

نے ٹھنڈا سانس بھر کے یہ کہا کاش میں اُس وقت علی کے پاس ہوتا تو کبھی اُن آدمیوں کو آگ میں نہ جلائے دیتا کیونکہ حضور انور نے اس وحشیانہ فعل کی سختی کہ ساتھ ممانعت کر دی ہے۔ ابن عباس کے اس کہنے کی خبر حضرت علی کے کان تک پہنچی اور وہ اپنی اس حرکت پر سخت پشیمان ہوئے۔اب دیکھئے کہ حضرت علی نے تو ایک جماعت کی جماعت کو آگ میں پھونک دیا۔اگر صدیق اکبر کا وہ فعل تسلیم کر لیا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ اُس فعل سے حضور انور کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو حضرت علی نے اس مقابلہ میں بدرجہ اولے خلاف ورزی کی اور اگر حضرت علی کا یہ فعل ایسا ہے کہ ائمہ کے اعتبار سے اُسے خلاف نہیں کہ سکتے تو صدیق اکبر کے اس فعل کو بدرجہ اولے خلاف نہ کہیں گے کیونکہ انہوں نے تو ایک ہی کو جلایا تھا اور حضرت علی نے جماعت کی جماعت کے اوپر ہاتھ صاف کر دیا۔رافضی صدیق اکبر پر ایک اور الزام لگاتے ہیں اور وہ یہ ہے جیسا کہ اُن کا بیان ہے کہ ابو بکر کو اکثر احکام شریعت معلوم نہ تھے اور نہ اُنہیں کلالہ کا حکم معلوم تھا اور اسکی بابت انہوں نے خود کہا تھا کہ میں اسکی بابت اپنی رائے سے فتوے دیتا ہوں اگر ٹھیک ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ پھر ابو بکر نے دادا کے وارث ہونے میں ستر حکم لائے اور یہ اُن کی علمی کی صاف دلیل ہے فقط۔

جواب: صدیق اکبر پر یہ سب سے بڑا بہتان ہے کہ انہیں احکام شریعت اکثر معلوم نہ تھے کم عقل سے کم عقل بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ صدیق جیسے شخص پر احکام شریعت کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ حضور انور کی موجودگی میں سوائے ابو بکر کے اور کوئی حکم دینے والا اور فتویٰ لگانے والا نہ تھا اور نہ رسول اللہ ابو بکر اور عمر کے سوا اور کسی صحابی سے زیادہ مشورہ لیتے تھے اور نہ اِن دونوں سے زیادہ کوئی صحابی حضور کی مبارک نظروں میں خصوصیت کا درجہ رکھتا تھا۔ بہت سے علما مثلاً منصور بن عبدالجبار سمعانی وغیرہ نے اس بار پر کہ ابو بکر اعلم الامتہ تھے یعنی اُمت میں سب سے بڑے عالم تھے۔اہل علم کا اجماع نقل کیا اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ اُن کی خلافت میں امت کا کسی ایسے مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوا جس کا انہوں نے تصفیہ نہ کر دیا ہو۔ صدیق اکبر ہر مسئلہ کو اپنے علم کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور قرآن وحدیث سے اُسکی دلیل فوراً ذکر کر دیتے تھے جیسا کہ

سب کے سامنے حضور کی وفات ہونے کو بیان کر دیا تھا اور اس اُسکی دلیل میں آیت پڑھ کے مسلمانوں کو سنادی تھی اس کے بعد حضور کے دفن ہونے کی جگہ بتائی اور زکوۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنا لوگوں سے بیان کیا حالانکہ اس میں فاروق اعظم کی بھی شک تھا اور نبی ساعدہ کے سیفکہ میں بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ خلافت غیر قریش میں بھی ہوسکتی ہے تو صدیق اکبر نے صاف بیان کر دیا کہ نہیں خلافت تو قریش ہی میں رہے گی۔اس کے علاوہ حج پر آپ کا حاکم بننا اور اُس کے بعد مسلمانوں کو احکام حج سکھانا جو عبادات میں سب سے زیادہ اوق اور مشکل احکام ہیں سوائے صدیق کے دوسرے کا کام نہ تھا اگر صدیق کو زیادہ علم نہ ہوتا تو حضور انور اُن کو ہرگز حاکم نہ کرتے اسی طرح نماز میں بھی آپ نے صدیق ہی کو خلیفہ بنایا اگر صدیق نماز کو پورے طور سے نہ جانتے ہوتے تو حضور انہیں ہرگز خلیفہ نہ بناتے حضور نے کبھی سوائے صدیق کے نہ نماز میں اور نہ حج میں کسی کو خلیفہ بنایا اور وہ زکوۃ نامہ جو حضور نے خود مرتب کیا تھا انس نے ابوبکر ہی سے لیا ہے اور وہی صحیح ہے تمام فقہا کا اس پر صاد ہے اور سب اسے معتبر سمجھتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں جس میں صدیق اکبر کی غلطی مشہور ہوئی ہو ہاں انکے اوروں کے لئے اس قسم کے بہت سے مسئلے ہیں جن کا اگر مناسب ہوا تو کسی موقع پر ذکر کر دیا جائے گا۔اس بات کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ صدیق اکبر کے بعد فرائض اور طلاق کے بہت سے مسئلوں میں صحابہ کا اختلاف ہو گیا تھا ان میں سے بعض مسائل کے اختلاف نے اتنا طول کھینچا کہ اسکا سلسلہ اخیر دور میں بھی ختم نہ ہوا فاروق اعظم کی خلافت میں یہ اختلاف محض اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا اور ہر صحابی ایک دوسرے کے اجتہاد کو مانتا اور اقرار کرتا تھا جیسے کہ فقہا اہل علم والدین کا اختلاف ہے ہاں عثمان غنی کی خلافت میں اس اختلاف نے بعض امور میں درشت اور کرخت صورت اختیار کر لی تھی یہاں تک کہ بعض صحابہ میں ی سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی مگر تلوار کے قبضے پر ہاتھ نہیں پڑا صرف زبانی تیزم تاز پر معاملہ ہو گیا۔ ہاں جب مسلمانوں کی بدقسمتی کا زمانہ شروع ہوا یعنی حضرت علی کی خلافت کا آغاز ہوا تو اس اختلاف سے خون ٹپکنے لگا ہزاروں بیگانہ صحابہ اسلامی شاہراہوں اور صحراؤں میں خاک وخون میں لوٹے اور مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں پر چل پڑیں اور وہ شمشیر ہائے بران جو کفار کی طرف اُٹھ رہی تھیں

یا یک اُلٹا رخ مسلمانوں کی طرف پھر گیا اب اس پرآشوب اور خون آلودہ زمانہ کا صدیق اکبر کے عہد محمود مسعود سے مقابلہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے. اب یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں ایک مسئلہ میں بھی اختلاف نہیں تھا. یہ صرف صدیق اکبر کے علمی کمال، انصاف، اور اُن دلیلوں کی معرفت کا نتیجہ تھا جنہوں نے اختلاف کی بیخ وبنیاد اکھیڑ کر پھینک دی. جب کبھی لوگوں میں کچھ اختلاف ہوتا تھا تو صدیق وہ فاصل حجت بیان کرتے تھے جس سے اختلاف بالکل رفع ہو جاتا تھا. ایسا فیصلہ کرنے والی حجتیں اور دلیلیں سب سے پہلے صدیق ہی نے بیان کی ہیں ایسی حجتیں بہت کم ہیں جو عمر یا علی نے بیان کی ہیں اور صدیق نے اُنہیں قائم رکھا ہو. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر اور ان کی رعیت عمر سے اور اُنکی رعیت سے عثمان سے اور اُن کی رعیت سے، علی سے اور اُن کی رعیت سے بدرجہ افضل تھی. کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر اور انکی رعیت کے لوگ تمام ائمہ اور ان کی رعیت سے افضل تھے. اب رہے وہ اقوال جن میں صدیق کے انتقال فرمانے کے بعد اختلاف بیان کیا گیا ہے اُن سب میں صدیق ہی کا قول اس شخص کے اقوال سے راجح ہے جس نے اُن کے انتقال کے بعد ان کے خلاف کیا اور اسی پر (میراث میں) دادا اور بھائی کے وارث ہونے کا مسئلہ مبنی ہے کیونکہ صدیق، جمہور، صحابہ، اور اُن کے اکابر کا یہ قول ہے کہ دادا کی موجودگی میں اسکا بھائی وارث نہیں ہوتا. یہی مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ امام شافعی اور حنبلی لوگوں میں سے بہت سوں کا ہے مثلاً شافعیوں میں سے ابوعباس بن صریح اور حنبلیوں میں سے ابوحفص بن کی کا یہی مذہب ہے امام احمد سے بھی اسی کی تائید میں ایک روایت آتی ہو. مگر جو لوگ دادا ہوتے بھائی کے وارث ہونے کے قائل ہیں. مثلاً علی، زید اور ابن مسعود یہ باہم سخت مختلف ہیں. اگر ان میں سے کوئی ایک بات کہتا تو دوسرا رد کر دیتا ہے اور اپنے قول میں تمام صحابہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے. اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صدیق اکبر اور جمہور صحابہ ہی کا قول ٹھیک ہے اور وہی قول راجح ہے. جس پر شرعی دلیلیں متعدد طریقہ سے دلالت کرتی ہیں. فی الحال ہم اس کی تفصیل یہاں نہیں لکھتے. اب صرف یہ دکھاتے ہیں کہ رافضی جو یہ کہتے ہیں ابوبکر کو کلالے کا حکم معلوم نہ تھا اس وجہ سے اُنہوں نے اپنی رائے سے

فتوے دیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی رائے سے فتوے دینا اُن کی اعلیٰ درجہ کی علمیت ثابت کرتا ہے کیونکہ جو رائے اُنھوں نے کلالہ کی بابت ظاہر کی تھی ان کے انتقال کے بعد تمام علما کا اسی پر اتفاق ہو گیا۔ اور کلالہ کے بارے میں ان سب نے ابو بکر کا قول اختیار کیا۔(کلالہ اُسے کہتے ہیں جس کے نہ اولاد ہو نہ باپ ہو) اب رہا یہ کہ اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا مسئلہ یہ حضور انور کی زندگی ہی میں صحابہ میں رائج تھا۔اور حضور انور کے خاص حکم کے بموجب ہوا کرتا تھا۔کیونکہ حضور انور جب دینی سفارت پر کسی کو بھیجتے تھے یا کسی کو صوبہ کا حاکم بنا کے روانہ فرماتے تھے تو یہ حکم دے دیا کرتے تھے کہ جب کوئی مسئلہ پیش ہو تو پہلے قرآن سے فیصلہ کرنا اگر قرآن میں اسکی بابت ذکر نہ ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا۔اور اگر حدیث بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے فیصلہ کر لینا۔ چنانچہ اسی بنا پر نہ صرف ابو بکر نے بلکہ عمر، عثمان، علی، ابن مسعود زید بن ثابت، معاذ بن جبل رضی اللہ عنھم نے کیا۔ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ قیس بن عباد نے علی سے کہا تھا کہ یہ حکم جو آپ لگا رہے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ رائے دے دی تھی یا محض آپ کی رائے ہے۔علی نے جواب دیا کہ حضور ﷺ نے حکم دیا تھا میں اپنی راوے سے کر رہا ہوں۔ اس روایت کو ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ غرض علی کی یہ راے جس سے بے شمار خونریزیاں ہوئیں اور بے گناہ صحابہ قتل ہوئے۔ پھر وہ رائے امام سے کیونکر روک سکتی ہے جسکی خیر خوبی پر تمام علما کا اتفاق ہو گیا ہو۔ پھر رافضیوں نے جو ابو بکر کی قضا کی بابت ذکر کیا ہے ابہوں نے دادا کے وارث ہونے میں ستر حکم لگائے یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ ابو بکر کا قول نہیں ہے نہ یہ اُن سے منقول ہے بلکہ جن رافضیوں نے ابو بکر سے یہ نقل کیا ہے وہ اوّل درجہ کے کذاب اور جاہل مطلق ہیں۔ستر حکم لگائے۔مگر یہ بھی بالکل غلط ہے۔حضرت فاروق پر بھی یہ بہتان محض ہے۔صدیق اکبر کا دادا کے بارے میں یہ مذہب تھا کہ وہ اُسے باپ کے قائم مقام کرتے تھے۔اور یہی قول صحابہ کا اکثر تھا اور یہی مذہب فقہا کا تھا اور دونوں قولوں میں دلیل سے ہی زیادہ یہی قول ہے اور اسی واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ ابو بکر کی غلطی فتوؤں میں کہیں نہیں معلوم دیتی۔جبکہ اور صحابہ کی غلطیاں اُن کے فتوؤں میں موجود ہیں۔اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ دادا کی میراث کے بارے میں ابو بکر کا فیصلہ بالکل صحیح اور سب سے افضل ہے۔رافضیوں نے حضرت علی کی ایک

فرضی فضیلت بیان کر کے صدیق اکبر سے اُسکا مقابلہ کیا ہے مثلاً رافضی یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر کو ایسے
شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جو کہتا ہے سلونی قبل ان تفقدونی سلونی عن طرق
السماء وانی اطرف بھا من طرق الارض. یعنی میرے مرنے سے پہلے جو کچھ مجھ سے
پوچھنا ہو تو پوچھ لو مجھ سے آسمان کے طریقے پوچھ لو کیونکہ میں اُن کو زمین کے طریقہ سے زیادہ جانتا
ہوں ابوالبختری کہتے ہیں میں نے کوفہ میں حضرت علی کو دیکھا کہ آپ منبر چڑھے اُس وقت رسول خدا
زرہ آپ کے بدن پر تھی۔ حضور ہی کی پہلو میں آویزاں نہیں۔ اور حضور ہی کا علماء سپر بندھا تھا.
اور حضور ہی کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے منبر بیٹھ کے اپنا پیٹ کھودیا.اور فرمایا کہ یہ
علم کی جھولی ہے پس مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہے میرے مرنے سے پہلے پوچھ لو.اور قسم ہے اللہ کی اگر
میرے لئے ایک غالیچہ بچھا دیا جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت کو اں کی توریت سے اور
اہل انجیل کو انجیل سے ایسے فتوے دوں کہ اگر اللہ تعالیٰ توریت اور انجیل کو گویا کر دے یعنی یہ دونوں
کتابیں بولنے لگیں تو وہ صاف طور پر یہ شہادت دیں کہ علی سچ کہتا ہے۔ اور بے شک علی نے وہی
فتوے دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم میں نازل کیا ہے اور تم کتاب پڑھتے ہو کیا سمجھتے نہیں.فقط

جواب: حضرت علی کا یہ قول کہ سلونی اس سے آپ اہل کوفہ کو خطاب کرتے تھے.تا کہ انہیں علم اور
دین سکھائیں کیونکہ اُن میں اکثر لوگ بالکل جاہل تھے.اُنہوں نے حضور انور کا زمانہ نہیں پایا تھا۔
حضرت علی کو اکثر ایسے ہی لوگوں سے خطاب کرنے کا اتفاق ہوا ہے.جن میں جہلا اور عوام زیادہ خواص
اور عالم کم پائے گئے.اب رہی صدیق اکبر کہ جو لوگ اُن کے منبر کے آس پاس ہوتے تھے وہ اکابر
صحابہ تھے اُنہوں نے علم اور دین خود حضور انور ﷺ ہی سے سیکھا۔ اس لئے ابوبکر کی رعیت کے لوگ
ساری امت سے دیندار اور سب سے بڑھ کر عالم تھے.اور جن لوگوں سے علی خطاب کرتے تھے.وہ ہم
لکھ چکے ہیں کہ عوام الناس میں سے تھے.اور بالکل جاہل مطلق تھے جنہیں حضرت علی اکثر اوقات
جھنجلا کر بددعا اور گالیاں دینے لگتے نہج البلاغت ان بددعاؤں اور گالیوں سے بھری پڑی ہے.اس کے
علاوہ لوگوں نے وہ فیصلے اور فتوے جمع کیے ہیں جو ابوبکر،عثمان،اور علی رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان

سب میں بہتر اور اپنے مفتی اور قاضی پر زیادہ دلالت کرنے والے ابوبکر ہی کے فتوے ہیں۔ اور ان کے بعد عمر کے اس وجہ سے عمر کے فتوؤں میں نص کے خلاف بہت ہی کم حکم ہے ہاں علی کے فتوں میں نص کے خلاف بہت سے حکم پائے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ابوبکر کا کوئی حکم یا فیصلہ ایسا نہیں ہے جس میں نص کے خلاف اشارہ بھی پایا جاتا ہو "ببیں تفاحت راہ از کجاست تا کجا" اب رہی اوپر والی حدیث جو حضرت علی سے نقل کی گئی ہے محض جھوٹی اور لغو ہے ایسی حدیث ایسی حدیث کو حضرت علی کی طرف منسوب کرنا سخت نازیبا بات ہے کیونکہ علی تو اللہ سے اور اللہ کے دین سے ایک حد تک واقف تھے وہ یہ کس طرح کر سکتے تھے کہ توریت اور انجیل سے حکم دینے کا ارادہ کرتے حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سوائے قرآن مجید کے کسی مسلمان کو اور کسی کتاب سے حکم دینا جائز نہیں اور اس پر ہی اتفاق ہے کہ جب یہود انصاری مسلمانوں سے اپنا کچھ فیصلہ کرانا چاہیں گے تو ان میں بھی اور کسی چیز سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے مگر اسی سے جو اللہ نے قرآن شریف میں نازل فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُو اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْ مِنْ قُلُوْبُھُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا السَّمّٰعُوْنَ الْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ الْاٰخِرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْکَ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَہ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ ح " یعنی اے رسول تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے منہ سے تو کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ ان کے دل بے ایمان ہیں اور وہ لوگ جو یہودی ہوگوے یہ جھوٹ کے بہت سننے والے ہیں اُن دوسرے گروہ کے لئے جو ابھی تک تمہارے پاس نہیں آئے۔ اور یہ توریت کے کلمات کی اُن کے اصلی معنی معلوم ہو جانے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔ پھر فرمایا فَاِنْ جَآؤُکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ ح وَ اِنْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئاً وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ یعنی اگر یہ لوگ تمہارے پاس (اپنا کوئی مقصد لیکر) آئیں تو (تمہیں اختیار ہے چاہو) تم اُن میں فیصلہ کر دیا کرو یا اُن سے اعراض کرو۔ اور اگر تم ان سے اعراض کرو گے تو یہ ہرگز تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں

انصاف سے فیصلہ کرو دو پھر فرمایا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ. وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ. (المائدہ:۴۸تا۴۹)

یعنی پس (اے نبی) تم اُن لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کیا کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور جو حق تمہارے پاس آ چکا ہے اُس (عدول کر کے) اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے۔اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت کر دیتا لیکن (جداگانہ شریعت) اس لئے (دی) کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے۔پس تم نیکیوں میں جلدی کرو اور (یقین کرلو کہ) تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ پس وہ تمہیں اس آمد سے خبردار کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور (اے نبی ہم تم سے کہتے ہیں کہ) ان لوگوں میں اللہ کے نازل کئی ہوئی احکام کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اور اُن کی خواہشوں کی ہرگز پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہو (ایسا نہ ہو) کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے۔ یہ لوگ تمہیں گمارہ کر دیں۔ پھر اگر یہ لوگ (تمہارے فیصلہ سے) اعراض کریں تو سمجھ لو کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انھیں اُن کے بعض گناہوں کے سبب سے عذاب کرے۔اور بے شک اکثر لوگ بدکار ہیں۔فقط۔ جب قرآن حدیث اور اجماع سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہود اور نصارے میں فیصلہ کرنے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ سوائے کلام خدا یعنی قرآن مجید کے کسی اور چیز سے فیصلہ کرے چاہے وہ فیصلہ اُن کی توریت اور انجیل کے موافق ہو یا نہ ہو۔تو اب جس شخص نے یہود اور نصاریٰ میں توریت اور انجیل سے فیصلہ کرنے کو یا ان سے فتوے دینے کو علی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس سے ان کی تعریف کرتا ہے یا تو وہ دین سے اور علی کی تعریف کرنے سے بالکل جاہل اور کندہ ناتراش اور

یا وہ بددین کافر اور مردود ہے جو ان باتوں سے اُن پر اعتراض کرانا چاہتا ہے جن کے کرنے والے کو ثواب اور تعریف حاصل ہونا تو درکنار بلکہ عذاب اور بُرائی اس کے حصہ میں آجاتی ہے. رافضی سب اس پر متفق ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا ہے اور اسکی سند (بیہقی سے لیتے ہیں) کہ جو شخص حضرات آدم کے علم حضرت نوح کے تقوے. حضرت ابراہیم کی بردباری. حضرت موسیٰ کی ہیبت حضرت عیسیٰ کی عبادت کو دیکھنا چاہے وہ علی بن ابوطالب کو دیکھے اور جو صفتیں ان سب پیغمبروں میں تھیں وہ حضور نے علی کے لئے ثابت کر دیں.

جواب: ہمیں اس حدیث کی کہیں سند نہیں ملی. اب رہا بیہقی کا معاملہ سو وہ بہت ہی مخدوش ہی بیہقی فضائل میں نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں نقل کر دینے میں پس وپیش نہیں کرتے ان کے بعض ہم عصروں کی بھی یہی عادت ہی اس طرح یہ حدیث بھی محض لغو اور جھوٹی ہے اس حدیث کے قائل یا راوی بہت بڑا بہتان باندھا ہے. محدثین نے اسی وجہ سے اُس حدیث کو ذکر نہیں کیا. اگر چہ وہ حضرت علی کے فضائل بیان کرنے کے بڑے شایق اور طامع تھے جیسے کہ نسائی کیونکہ انہوں نے قصد کیا تھا کہ علی کے تمام فضائل ایک کتاب میں جمع کر دیں جس کا نام اور بہنوں نے خصائص رکھا تھا اور ترمذی نے بھی علی کر فضائل میں متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض حدیثیں ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں اور باوجود اس جیسی اور حدیثوں کو انہوں نے ذکر نہیں کیا. شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے اپنے تحفہ میں لکھ دیا ہے کہ بیہقی میں یہ حدیث نہیں ملتی. اب معلوم نہیں کہ کہیں کاتب کی غلطی ہے یا کسی رافضی نے شاہ صاحب کی تحریر میں تحریف کر دی ہے. بہر حال رافضیوں نے اُسکا وہ ونڈ مچایا اور جس طرح کہ چوہا ہلدی کی گرہ لیکر پنساری بن بیٹھتا ہے پس انہوں نے آسمان کو سر پر اُٹھالیا یہاں تک کہ قلی کے بیٹے نے جو ہندوستان کے رافضیوں کا مجتہد اعظم ہے ایک کامل جلد اس پر لکھ دی مگر جو مختصر جواب ہم نے اسکا دیا ہے ہم اسے کافی سمجھتے ہیں. پھر رافضی ایک اور فضیلت حضرت علی کی بیان کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ابو عمر زاہد کا قول ہے کہ ابوالعباس کہتے تھے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد ہم نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جس نے یہ کہا ہو کہ شیث کے زمانہ سے لیکر محمد کے زمانہ تک کی باتیں مجھ سے

پوچھ لو یہ علی تھے جنہوں نے ایسا فرمایا تھا. چنانچہ اکابر صحابہ یعنی ابوبکر عمر وغیرہ نے اُن سے کچھ سوالات کیے. یہاں تک کہ سوال ہی ختم ہو گئے اور جواب دینے میں بس نہ ہوئی پھر اسکے بعد علی نے فرمایا کہ اے کمیل بن زیاد یہاں علم بہت ہے. کاش تمہیں اس علم کا کوئی حاصل کرنے والا ملجاتا.

جواب: یہ نقل اگر ثعلب سے ثابت ہو جائے تو ثعلب نے بھی اسکی کوئی سند ذکر نہیں کی. تا کہ یہ حجت کرنے کے قابل ہو جاتی. مگر جب ہم ثعلب کو دیکھتے ہیں تو وہ اُن ائمہ حدیث میں سے نہیں ہے جو صحیح اور ضعیف حدیث کو پہچانتے ہیں تا کہ یہ کہنے کا موقع مل سکے یہ ثعلب کے نزدیک صحیح ہے بعض فقہا بھی جو ثعلب سے کہیں زیادہ علم میں برتر ہیں اکثر ایسی حدیثیں ذکر کر دیتے ہیں. جن کی کوئی سند نہیں ہوتی. مگر اوپر کسی کا اعتبار نہیں ہوتا پھر ثعلب بیچارہ کس گنتی میں ہے. ثعلب نے جن لوگوں سے یہ حدیث سنی ہے وہ اپنے اقوال کو کسی سے منقول ہونا بیان نہیں کرتے حضرت علی نے مدینہ منورہ میں ایسا ہرگز نہیں فرمایا. نہ ابوبکر کی خلافت میں نہ عمر کی خلافت میں نہ عثمان کی خلافت میں بلکہ ممکن ہے کہ انہوں نے اس قسم کی باتیں کوذ میں بنائی ہوں. تا کہ اُن لوگوں کو تعلیم دیں جنہیں اتنی بھی خبر نہ تھی کہ ہمیں کس چیز کا علم ہونا ضروری ہے. حضرت علی اُنہیں علم سیکھنے کی بہت تاکید کیا کرتے تھے حضرت علی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ لوگ محض جاہل اور کندہ ناتراش ہیں کمیل بن زیاد کی حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے مگر حضرت علی کا خیال مہاجرین اور انصار کے بارے میں ایسا نہ تھا آپ ہمیشہ اُن کے ثنا گو رہتے تھے اب رہے تھے اب رہے حضرت صدیق اکبر انہوں نے علی سے کبھی کچھ نہیں پوچھا ہاں فاروق اعظم عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن مسعود، زید بن ثابت وغیرہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اس لحاظ سے علی اہل شورے میں داخل تھے. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اکابر صحابہ میں سے ابوبکر وعمر ایسے نہ تھے کہ وہ خاص علی سے کچھ سوال کرتے برخلاف اس کے یہ بات ثابت ہو چکی ہے. کہ جو کچھ علی نے سیکھا تھا ابوبکر ہی سے سیکھا تھا چنانچہ سنن میں حضرت علی سے مروی آپ فرماتے ہیں جب میں نبی ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تھا تو اللہ کو جس قدر مجھے نفع دینا منظور ہوتا تھا وہ اُس سے مجھے نفع دیتا تھا اور جب مجھ سے کوئی شخص حدیث بیان کرتا تھا تو پہلے میں اُس

سے خدا کی قسم لے لیتا تھا کہ آیا حدیث صحیح حدیث ہے یا نہیں جب وہ میرے آگے قسم کھا لیتا تھا تو میں تصدیق کر دیتا تھا ابوبکر نے ایک حدیث مجھ سے بیان کی اور واقعی میں گواہی دیتا ہوں کہ بالکل سچ کہا چنانچہ وہ حدیث یہ ہے ابوبکر کہتے ہیں میں نے حضور انور سے سُنا آپ فرماتے تھے. مــــن عبد مومن یذنب ذنبا فیحسن الطهور فیصلی ثم یستغفر الله الاغفر الله له یعنی جو مسلمان بندہ گناہ کر لیتا ہے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھتا ہے اور اللہ سے بخشش چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ضرور بخش دیتا ہے اسی طرح بھی بہت سی رواتیں ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ علی نے ابوبکر سے بہت کچھ سکھا نہج البلاغت میں بھی جابجا اس کے اشارے پائے جاتے ہیں جہاں آپ نے راشدین صحابہ کی تعریف کی ہے وہاں اُس نے اپنا مستفیض ہونا بھی بیان کیا ہے.

مالک بن نویرہ کا قصہ: خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تھا پھر سُنا گیا اُسکی جورو سے نکاح کر لیا خلافت حضرت ابوبکر کی تھی جب مدینہ میں یہ خبر ہوئی تو خالد جوابدہی کے لئے طلب کیا گیا سُنا ہے فاروق اعظم کی یہ رائے تھی اسے قتل کر دیا جائے مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جو الزام اس پر لگایا گیا ہے وہ غلط ہے لہذا چھوڑ دیا گیا. اس پر رافضی ابوبکر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا خدا کی مقرر کی ہوئی حدود سے کیوں تجاوز کیا.

جواب: یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں جن سے ایک خلیفہ اعظم یا ایک بڑے شہنشاہ پر کوئی الزام قائم نہیں ہو سکتا جو فیصلہ کہ دربار صدیقی میں ہو چکا اُس کے خلاف ہمیں اعتراض کرنے کا کیا مجاز ہے. اعتراض تو وہ کر سکتا ہے کہ اُس وقت موجود ہوتا بیانات سنتا اگر صدیق کوئی غلطی کرتے تو اُن کی غلطی سے انہیں آگاہ کرتا جب تو ایک بات بھی تھی اب سینکڑوں برس کے بعد مالک بن نویرہ کے گڈے کو نچاتے پھرتے ہیں اور بیکار اُلٹے سیدھے اعتراض کر کے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں. ابوبکر برحق اور مستقل خلیفہ تھے اور انہیں اس بات کا حق تھا کہ جس بات کو وہ اپنے خیال میں راست سمجھیں اُس پر اپنی رائے قائم کریں اس کے خلاف کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اتنے بڑے جج کے فیصلہ پر کچھ اعتراض کر سکے جبکہ روئداد مقدمہ اُسے مطلق معلوم نہیں. اس بیہودہ اعتراض کا جواب شاہ

عبدالعزیز اپنے تحفہ میں دے چکے ہیں مگر ہم دوسرے رنگ پر بحث کرتے ہیں وہ یہ کہ اگر مالک کے قاتل سے قصاص نہ لینے میں کوئی الزام ابوبکر پر قائم ہوسکتا ہے تو اُس سے بڑا الزام علی پر قائم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے عثمان کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ تمام دنیا اس بات کو تسلیم کرے گی کہ مالک سے عثمان بدرجہا افضل تھے اگر مالک جیسے اشخاص سے تمام زمین بھر جاتی تو عثمان کی ایک تہازات اُن سب سے زیادہ قیمتی ہوتی آپ خلیفۃ المسلمین تھے اور بلاشک اور لاریب ظلماً شہید کرڈالے گئے کوئی تاویل ایسی نہ تھی کہ جواُنکے قتل کرنے کا جواز ثابت کرتی علی نے اُن کے قاتلوں کو قتل نہیں کیا یہی وجہ تھی کہ عثمان کے شیعہ یعنی ساتھی علی سے بیعت نہیں ہوئے اگر عثمان کے قاتلوں کو قتل کرنے میں علی کے پاس کوئی شرعی عذر تھا تو مالک کے قاتل کو قتل نہ کرنے میں ابوبکر کے پاس اس سے بھی قوی عذر تھا اور اگر یہ بیان کیا جائے کہ ابوبکر کے پاس کوئی عذر نہ تھا تو عثمان کے قاتلوں کو قتل نہ کرنے میں علی کے پاس بدرجہ اولے کوئی عذر نہ تھا اب اگر کوئی آپ کہہ عثمان کے قاتلوں کے قتل نہ کرنے میں علی معذور اور مجبور تھے کیونکہ انتقام لینے کی شرطیں نہیں پائی گئیں تھیں یا تو اس وجہ سے کہ خاص قاتل معلوم نہ تھے یا وہ قوی ایسے تھے کہ علی اُن سے بدلہ نہ لے سکتے تھے۔ اسی طرح اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ مالک کے قاتل کو قتل نہ کرنے کی بھی شرطیں نہیں پائی گئیں تھیں یہ بات بڑے تعجب کی ہے کہ مصر کے چند باغی مدینہ میں گھس آئے اور جنہوں نے اپنے کو مسلمان بیاں کیا تین دن تک حضرت عثمان کے مکان یعنی بیت الخلافہ کا محاصرہ رکھا اور حضرت علی صرف اپنے بچوں کو دروازہ پر بھیج کے اپنے مکان میں بند بیٹھے رہے اور ایک منٹ کے لئے باہر نہ نکلے یہ مانا کہ مدینہ میں فوج نہیں تھی مگر تو بھی چند باغیوں کا پسپا کردینا حضرت علی کے آگے کوئی بات نہ تھی۔ حضرت علی نے ایسا کیوں نہیں کیا اس کی بابت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ مالک کے قاتل کردینے کے لئے عمر نے ابوبکر کو مشورہ دیا تھا اور اسی طرح عبداللہ بن عمر کو قتل کرنے کی بابت علی نے عثمان کو مشورہ دیا تھا مگر دونوں مشورے نہیں مانے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو قتل کرنے کی بابت طلحہ اور زبیر وغیرہ نے علی کو مشورہ دیا تھا لیکن علی نے اتنے آدمیوں کے مشورہ دینے پر بھی اُنہیں قتل نہیں کیا اسکے مقابل میں جن لوگوں نے ابوبکر کو قصاص لینے کا مشورہ دیا تھا ابوبکر نے ایسی حجت اُن پر قائم کی

کہ وہ ساکت ہو گئے اور ابوبکر کا حق پر ہونا تسلیم کر لیا گیا مگر علی کا معاملہ ایسا نہیں ہوا انہوں نے کوئی حجت اپنے مشیروں کو سات کرنے کی پیش نہیں کی جسکی وجہ سے باہم سخت فساد پیدا ہوا حضرت علی کے ہاتھ میں تھا اگر وہ چاہتے تو عثمان کے قاتلوں کو قتل کر دیتے اگر اُن میں کوئی اجتہادی صورت پائی جائے۔ابوبکر بدرجہ اولی بھی چاہیے اور اگر رافضی یہ کہیں کہ عثمان کا قتل کر دینا مباح تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں مالک بن نویرہ کا قتل کرنا اور بھی زیادہ مباح تھا۔ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے کہ عثمان کو قتل کر دینے کی نسبت مالک کو قتل کر دینا بہت ہی خفیف تھا کیونکہ مالک بن نوریہ کا معصوم الدم ہونا کہیں معلوم نہیں ہوتا اور نہ کسی کے نزدیک یہ ثابت ہے ہاں عثمان کی بابت تواتر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ بیشک معصوم الدم تھے۔انہیں قتل کرنا کسی طرح بھی روا نہ تھا ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص ہی اُس فرق کو جو عثمان اور مالک میں ہے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ عثمان مباح الدم تھے۔تو وہ علی اور حسنین کو کسی طرح بھی معصوم الدم نہیں ثابت کر سکتا۔کیونکہ عثمان کا معصوم الدم ہونا علی اور حسین کے معصوم الدم ہونے سے زیادہ ظاہر و ثابت ہے۔اُن لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو حسین کو کربلا میں کوفیوں کے ہاتھ سے قتل کرواتے ہیں علی اور حسین کی بہ نسبت عثمان سوحیات قتل سے،بہت دور تھے کیونکہ عثمان نے نہ تو کسی مسلمان کو قتل کیا نہ اپنی ولایت پر کسی سے لڑے اور نہ کبھی لڑنا چاہا۔اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو شخص اپنی ولایت پر مسلمانوں میں سے ایک کثیر مخلوق کو قتل کر دے تو وہ ضرور معصوم ہوتا ہے۔اور وہ اپنے اس فعل میں مجتہد شمار کیا جاتا ہے تو اس صورت سے بھی عثمان کو ضرور ہی معصوم الدم کہنا پڑے گا۔اس لئے کہ وہ اموال اور ولایت کی بابت اپنی حکمت عملیوں میں بدرجہ اولے مجتہد ہوں گے.

دوسرا جواب یہ ہے کہ مالک بن نویرہ کے قصے میں زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ معصوم الدم تھا اور خالد نے کسی تاویل سے اُسے قتل کر ڈالا تو اس سے خالد کا قتل کرنا مباح نہیں ہوسکتا۔اُسامہ بن زید نے اسی طرح ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا حضور نے تین مرتبہ فرمایا کہ اے اُسامہ کیا لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اسامہ کے قتل کر دینے کے خلاف تو سمجھا لیکن نہ اُسامہ پر قصاص واجب کیا نہ خون بہا اور نہ کفارہ۔

محمد بن جریر و طبری وغیرہ نے ابن عباس اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ آیت ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومناً ۔ اسکی شان میں نازل ہوئی ہے جو ایک غطفانی شخص تھا حضور نے اس کے قبیلہ پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک سریا بھیجا تھا اور اُس قوم کا سپہ سالار غالب لیثی تھا اُس کے سب ساتھی بھاگ گئے اور یہ اکیلا رہ گیا اس نے مسلمان ہونے کا اقرار کر لیا مگر اسلامی لشکر نے اُسے گرفتار کر لیا اُس نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے اُسے قتل کر دیا اور اُسکا سب مال لوٹ لیا اُس وقت اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ رسول کو یہ حکم دیا کہ اُسکا مال گھر والوں کے پاس پہنچادو اور آئندہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دو۔ اسی طرح جب خالد بن ولید تاویل کر کے بنی خزیمہ کو قتل کر دیا تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کی الٰہی جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے بالکل بری ہوں مگر باوجود اس کے حضور نے خالد کو قتل نہیں کیا کیونکہ اُن کے پاس تاویل تھی جب تاویل ہونے کی وجہ سے بنی خزیمہ کے اس قدر مسلمانوں کو قتل کر دینے پر بھی حضور نے خالد کو قتل نہیں کیا تو مالک بن نویرہ کو قتل کر دینے کی وجہ سے خالد کو ابو بکر کا نہ قتل کرنا بدرجہ اولے ہے۔ اب رافضیوں کا یہ کہنا کہ عمر نے خالد کے قتل کر دینے کو کہا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اخیر درجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ تھا۔ ابو بکر کی تو اس میں یہ رائے ہوئی خالد کو قتل نہ کیا جائے اور عمر کی یہ رائے ہوئی کہ قتل کر دیا جائے۔ عمر ابو بکر سے زیادہ عالم نہ تھے۔ نہ مسلمانوں کے نزدیک نہ رافضیوں کے نزدیک ابو بکر کو کچھ ضرور نہ تھا کہ وہ عمر کی رائے کی وجہ سے اپنی رائے کو ترک کر دیتے۔ اور نہ کسی شرعی دلیل سے ظاہر ہوا کہ عمر ہی کا قول رائج تھا۔ پھر کیونکر عقل میں آسکتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک بات ایجاد کر کے ابو بکر پر الزام لگا دیا جائے ہاں ایک جاہل مطلق اور کندہ ناتراش ایسا کر سکتا ہے کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ واقعہ حد تک آپہنچا تھا کہ خالد کا قتل کر دینا اُس سے واجب قرار پاجاتا۔ پھر رافضیوں کا یہ اعتراض کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اُسی روز اُسکی جورو سے خود نکاح کر لیا۔ اسکا ثبوت ہمیں کسی تاریخ سے نہیں ملتا۔ اب رہا عدّت کے متعلق اس میں فقہا کے دو قول ہیں کہ آیا کافر کے لئے عدت ہے یا نہیں اسی طرح اس میں بھی دو قول ہیں کہ ذمی عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں بخلاف طلاق کی عدت کے کیونکہ یہ عدت وطی کرنے کے سبب سے ہوتی

ہے اور مرنے کے بعد کی عدت محض عقد نکاح کی وجہ سے واجب ہوتی جب شوہر صحبت صحیحہ سے پہلے مرگیا اور وہ کافر تھا تو اس میں اختلاف ہے کہ اسکی عدت کرنی چاہیے یا نہیں اسی طرح اگر وہ اپنی بیوی سے صحت صحیحہ کر چکا ہو. اور اُس کے بعد ایام کی حالت اُس پر طاری ہوگئی ہو تو اس میں بھی ویسا ہی اختلاف ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ جب شوہر اصلی کافر ہو. لیکن اگر مرتد کو قتل کر دیا جائے یا وہ مرتد ہونے کی حالت میں مرجائے تو امام شافعی، امام احمد ابو یوسف، اور امام محمد کے مذہب میں اسکی عورت پر عدت نہیں ہے. کیونکہ شوہر کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح باطل ہو چکا ہے اور یہ جدائی امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک طلاق نہیں ہے ہاں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق ہے. اسی واسطہ وہ ائمہ ایسی عورت پر مرنے کی عدت واجب نہیں کرتے بلکہ جدائی کی عدت کو کہتے ہیں. پس اگر اُسنے اس عورت سے صحبت صحیحہ نہ کی ہو تو اُس کے ذمہ عدت نہیں ہے جیسا کہ اُس پر طلاق کی عدت نہیں ہے. یہ سب کو معلوم ہے کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو اسی وجہ سے قتل کیا تھا کہ انہوں نے اُسے مرتد ہوا دیکھا تھا اب اگر اُس نے اپنی عورت سے صحبت نہ کی تھی تو اکثر فقہا کے نزدیک اس عورت کے ذمہ عدت واجب نہ تھی اور اگر وہ کر چکا تھا تو بھی اُس پر فقط ایام سے رحم کو صاف کر لینا ضروری نہ تھا اور اگر مالک فی الحقیقت کافر تھا تو فقہا کے قول کے مطابق اسکی عورت کے ذمہ عدت وفات بالکل نہیں. غرض کسی طرح بھی یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ یہ قصہ اس طرح واقعہ ہوا ہو جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو. ایسی رکیک اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے طعن کرنا یہ علماء کا طریقہ نہیں ہے۔

فدک کا فسانہ: یہ کہانی بھی عجیب وغریب ہے ایسی معمولی بات کو اس قدر طول دیا ہے کہ پناہ بخدا کتابیں اس سے سیاہ ہوگئیں بعض نے تو جلدیں کی جلدیں اس پر لکھ دیں مگر رافضی پھر بھی مرغی کی ایک ٹانگ کیے جاتے ہیں تحفہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا آیات بینات نے بھی اس میں کمی نہیں کی غرض مسلمانوں کی طرف سے اس کے سینکڑوں جواب ہو چکے ہیں. تو بھی رافضی کے ہاں ہنوز وزاول ہے بہر حال ہم بھی اس پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں. ہمارا لکھنا جس قدر مختصر ہوگا اُسی قدر اسفطا گی فیصلہ ہوگا یقیناً اور لاریب تمام دنیا کے رافضی ملکر بھی اسکا جواب نہیں دے سکتے۔ طعنہ یہ ہے کہ ابو بکر

نے نبی کے حکم مخالفت کی اور اُن کی صاحبزادی کو فدک نہ دیا جو اُن کی میراث تھی. اور بغیر حضور انور رسول ﷺ کے خلیفہ کیئے اپنا نام خلیفہ رکھ لیا. اس کا جواب یہ ہے کہ میراث کے بارے میں سوائے بعض رافضیوں کے کل مسلمان ابوبکر کے ساتھ ہیں. میراث کا نہ ہونا حضور انور سے یقیناً ثابت ہے. فدک سے ابوبکر کو کچھ تعلق نہ تھا نہ اُن کے بعد عمر کو اُس سے کچھ تعلق رہا. کوئی رافضی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ ابوبکر نے یا اُس کے خاندان نے عمر نے یا اُس کے خاندان نے فدک کی ایک کھجور بھی کھائی ہو. اور نہ رافضی اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابوبکر کو کچھ تعلق نہ تھا نہ اُن کے بعد عمر کو اُس سے کچھ تعلق رہا. کیا رافضی اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابوبکر کو کچھ تعلق نہ تھا نہ اُن کے بعد عمر کو اُس سے کچھ تعلق رہا؟ کیا رافضی اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابوبکر و عمر فدک کے محاصل سے کہیں زیادہ بنی ہاشم کو اپنے ہاتھوں سے دیا کرتے تھے اسکے مقابلہ میں علی نے خلیفہ ہو کر سب سے پہلے اپنے بھائی ابن عباس پر ہاتھ صاف کیا اور اُن کا حصہ اُنہیں نہ دیا جب وہ مجبور ہو گئے تو اُنہوں نے بصرہ کا مال دبا لیا. اور اِدھر اُدھر رفو چکر ہو گئے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا. اس زیادتی کا علی کی طرف سے کوئی بھی جواب نہیں ہوسکتا. ہاں رافضی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ امام عادل تھے. اور حق پر تھے تو ابوبکر کا ان کے مقابلہ میں امام عادل ہونا اور حق پر ہونا بطریق اولے ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور اسکی شہادت تمام معتبر روایتیں اور تاریخیں دیتی ہیں کہ ابوبکر کو حضرت خاتون محشر یعنی بی بی فاطمہ سے بہت ہی محبت تھی اور ابوبکر جہاں تک اُن سے ہوسکتا تھا بی بی فاطمہ کی رعایت کرتے تھے مگر فرمان خدا رسول کے مقابلہ میں مجبور تھے ایسی حالت میں یہ خیال کر لینا کہ ابوبکر بی بی فاطمہ کے مخالف تھے کسی طرح بھی زیبا نہیں ہے ابوبکر کا علم بی بی فاطمہ سے کہیں زیادہ تھا اس لئے کہ آپ حضور انور ﷺ کے ساتھ ایسے معاملوں میں اکثر رہا کرتے تھے. نہ صرف ابوبکر بلکہ تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ مال میں انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوا کرتے ہیں لیکن جو بات اُنہیں حضور انور ﷺ سے معلوم ہوگئی اُسے وہ کسی ایک آدمی کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے اور نہ اُنہیں اللہ نے اللہ کے رسول نے یہ حکم دیا کہ حضور کے سواوہ کسی اور سے بھی اپنا دین حاصل کریں نہ آپ کے قرابت داروں سے

نہ غیر قرابت داروں سے بلکہ اللہ انہیں رسول کی اطاعت اور انہیں کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے صحیحین میں حضور انور سے یہ ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کس طرح فلاح کو پہنچ سکتے ہیں جو اپنا کارمختار ایک عورت کو بنادیں غرض یہ ہے کہ اُمت مرحومہ سے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ اُس بات کو چھوڑ دے جو حضور انور سے اُسے معلوم ہوگئی ہو اور اُس کے خلاف اُسے اختیار کرلے جو فاطمہ سے منقول ہو۔ اس بارہ میں کہ انہوں نے میراث مانگی تھی اس خیال سے کہ میں وارث ہوں۔اب رہی یہ بات کہ ابوبکر نے اپنا نام خلیفہ رسول اللہ کیوں رکھ لیا تھا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نام تو مسلمانوں نے ابوبکر کا رکھا تھا۔ ہاں اگر خلیفہ وہی ہوتا ہے جسے خود مالک تخت خلیفہ کردے جیسا کہ رافضیوں کا دعوے ہے تم ہم کہتے ہیں کہ حضور انور نے ابوبکر کو خلیفہ کر دیا تھا چنانچہ سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں اور اگر خلیفہ اُسے کہتے ہیں جو دوسرے کی جگہ مقرر ہوا گر اُس نے اپنی مرضی سے اُسے خلیفہ نہ بنایا تو ایسی حالت میں بھی وہ خلیفہ ہوسکتا ہے قرآن اور حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ خلیفہ وہی شخص ہے جو ایک کے بعد دوسرا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:۱۴) اور پھر فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ (انعام:۱۶۵) اور پھر فرمایا وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ. اور پھر فرمایا. وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ. اور دوسرے قصہ میں فرمایا ہے خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا اَخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ. پس ان سب آیتوں لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اور فرمایا اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یعنی رات کا خلیفہ ہوتی ہے اور دن رات کا خلیفہ ہے پس یہ دونوں یکے بعد دیگرے ہوتے رہتے ہیں۔حضرت موسیٰ نے فرمایا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور فرشتوں سے فرمایا اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً اور فرمایا يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً

فِی الْاَرْضِ. ان سب آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ دوسرا پہلے کا خلیفہ ہوتا ہے اگر چہ اُس نے خود اسکو خلیفہ نہ کیا ہو. خلیفہ کو خلیفہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ خلف کے معنی بعد کے ہیں اور وہ پہلے کے بعد ہوتا ہے اللہ تعالے اس کو خلیفہ کر دیتا ہے جیسا کہ اُس نے رات کو اور دن کو کر دیا ہے. کہ یہ ایک دوسرے کے خلیفہ ہوتے رہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اوروں کی طرف سے خلیفہ ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے. یہ عام قاعدہ ہے کہ لوگ مسلمانوں کے حاکموں کو خلفا کہتے ہیں خود حضور انور نے فرمایا ہے بسنتي وسنته الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي. اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عثمان نے علی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ فاروق اعظم نے کسی کو اپنا خلیفہ کیا تھا. آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ابوبکر نے خلیفہ کیا تھا. اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ ابوبکر نے خلیفہ کیا تھا. اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ حضور انور نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا تھا. باوجود اسکے آپ صدیق اکبر کو یا خلیفہ رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے. یہی کیفیت نبی اُمیہ اور نبی عباس کے خلفا کی ہے اُن میں بھی اکثر ایسے تھے کہ انہیں اُنکے پیشرو نے خلیفہ نہیں بنایا تھا اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ کسی کے جانشین کو خلیفہ کہتے ہیں. حدیث میں آیا ہے جیسا کہ حضور انور نے فرمایا رحمۃ اللہ علی خلفائی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے خلفا کون ہیں حضور نے ارشاد کیا الذين يحيون سنتي ويعلمونها الناس یعنی جو میری اس سنت کو زندہ کرتے ہیں اور لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس مسئلہ میں پوری حجت ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو کم سے کم اس سے یہ تو پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ اس بات کے عادی تھے کہ کسی کے جانشین کو خلیفہ کہکے پکاریں.

ایک اور سنگین اعتراض یا ناپاک طعنہ

رافضی کہتے ہیں حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں عمر سے روایت کی ہے کہ جب اُن کا اخیر وقت ہوا تو اُنھوں نے ٹھنڈا سانس بھر کے یہ کہا کہ کاش میں اپنی قوم کی بھیڑ ہوتا کہ اوّل وہ مجھے موٹا تازہ کرتے پھر اُن کا کوئی عزیز مہمان آتا تو اس کے لوے مجھے ذبح کر لیتے اور

میرے نصف گوشت کے کباب بناتے اور نصف کا قیمہ کر کے مجھے کھا لیتے وغیرہ. رافضی کہتے ہیں کہ یہ قول کیا کافر کے اس قول کے مطابق نہیں ہے جیسے کہ کہا ہے یا لیتنی کنت ترابا یعنی کاش میں مٹی ہوتا. پھر رافضی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے مرتے وقت ابن عباس سے کہا تھا کہ اگر میرے پاس زمین سونے کی بھری ہو اور اس کے برابر خزانہ بھی ہو تو میں قیامت کے خوف کی وجہ سے سب اپنی جان چھڑانے کے عوض میں دے ڈالوں پھر رافضی کہتے ہیں کہ یہ قول بعینہ اس قول کی طرح ہے وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (یعنی اور اگر ظالموں کو جو کچھ دنیا میں ہے سب مل جاوے اور اسکے مثل اُس کے ہمراہ اور بھی ہو تو بیشک یہ اُسے قیامت کے بڑے عذاب کا فدیہ دیدیں)

پھر رافضی کہتے ہیں بالغ نظر اس بات کو خیال کر سکتا ہے کہ ابو بکر اور عمر نے مرتے وقت کیا کہا صدیق اکبر کے متعلق طعنہ کا جواب گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے) اور علی نے کیا کہا علی کا قول یہ تھا کہ میرے دل میں سوائے اللہ کی محبت کے اور کچھ نہیں ہے محمد ہوں یا اُن کی اُمت جسکے دل میں یہ محبت ہو وہ شق کر کے کیونکر اُٹھایا جا سکتا ہے جس وقت آپ کو ابن ملجم نے مارا تو آپ نے یہ فرمایا تھا فزت ورب الکعبۃ یعنی قسم ہے کعبہ کی رب کی میں تو بامراد ہو گیا.

جواب: رافضیوں کا یہ طعنہ یا اعتراض اُن کے خیال میں تو بہت سنگین ہے مگر اصل میں ایسا لغو بیہودہ اور پُر از جہالت ہے کہ معترض اور طعنہ زن کی کامل حماقت اس سے معلوم ہوتی ہے اس نے علی کی طرف سے جو قول نقل کیا ہے ایسے ہی قول اُن لوگوں سے بھی منقول ہیں جو ابو بکر عمر، عثمان، اور علی سب سے کم درجہ پر ہیں بلکہ یہی قول بعض خوارج کا بھی مرتے وقت ثابت ہوا ہے جو علی بن ابو طالب کو کافر کہتے ہیں. ابو بکر کے آزاد کردہ بلال سے مروی ہے کہ اُن کے اخیر وقت ان کی بیوی بیان کر کے رو رہی تھیں وہ اس رونے کا یہ جواب دیتے تھے کہ اُسے خوش ہونا چاہیے جس کے دل میں سوائے اللہ کے اور کسی کی محبت نہ ہو اس میں خواہ محمد ہوں یا ان کی امت جس کتاب کا حوالہ رافضیوں نے دیا ہے اُسی کتاب یعنی حلیۃ الاولیا میں ابو نعیم نے حارث بن عمیر سے روایت کی ہے

کہ معاذ کے اس قدر کاری نیزہ لگا تھا کہ وہ اُسکی تکلیف سے بیہوشی میں بھی کہتے تھے اور جب انہیں ہوش آتا تھا تو بھی کہتے تھے کہ اے میرے پروردگار مجھ پر رحم فرما قسم ہے تیری عزت کی تو خوب جانتا ہے کہ تیری محبت میرے دل میں ہے. اب سُنئے ابوبکر کے دوسرے آزاد کردہ عامر بن فہیرہ جب بر معونہ کی جنگ میں شہید ہوئے اور شہادت سے پہلے جبار بن سلمی نے اُن کے نیزہ مارا اُس وقت عامر نے وہی کہا جو علی نے ابن ملجم کی کٹاری کھا کر کہا تھا یعنی فزت درب الکعبہ. عروہ بن زبیر کہتے ہیں لوگ کہا کرتے تھے کہ عامر کو فرشتوں نے دفن کیا تھا. اور سنئے یہ تو یہ شعیب خارجی کے جب نیزہ لگا تو وہ بار بار یہ کہتا تھا عجلت الیک رب لترضی ایسی مثالیں بہت سی ہیں لہٰذا حضرت علی کے صرف اتنے سے قول پر رافضیوں کی اکڑفوں بے سود ہے. اب حضرت عمر کے خوف کی طرف خیال کرنا چاہیے صحیح بخاری میں مسعود بن مخرمہ سے مروی ہے. وہ کہتے ہیں جب حضرت عمر کے نیزہ لگا اور اُنہیں تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ابن عباس اُنہیں تسلی دینے کے لئے کہنے لگے اے امیر المومنین اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو بھی گئی تو آپ رسول اللہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں خوب اچھی طرح اُنکا ساتھ دیا ہے حضور آپ سے بہت ہی خوش اس جہاں سے گئے ہیں پھر آپ ابوبکر کے ساتھ بھی ویسے ہی رہے اور اُن کا بھی جس وقت انتقال ہوا وہ آپ سے بہت خوش وخرم تھے پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ بھی ویسے ہی رہے اور اگر آپ اب ان سے مفارقت کریں گے تو یہ سب آپ سے راضی اور خوش ہیں. لہٰذا آپ کو اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے فاروق اعظم نے فرمایا کہ حضور انور کی صحبت میں رہنے اور حضور کے راضی رہنے کا جو تم نے ذکر کیا ہے تو یہ تو اللہ کی طرف کا احسان ہے کہ اُس نے مجھ پر بہت ہی بڑا احسان کیا. اسی طرح ابوبکر کی صحبت اور اُن کے راضی رہنے کا جو تم نے ذکر کیا یہ بھی مجھ پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے باقی میری یہ پریشانی جو تم دیکھتے ہو یہ تمہاری وجہ سے اور تمہارے ساتھیوں کیوجہ سے ہے کہ اب دیکھیے تم پر کس طرح اور کیا گزرے گی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر میرے پاس سونے کی بھری ہوئی زمین ہو تو میں اللہ کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے وہ سب اُس کے فدیہ میں دیدوں۔ پھر صحیح بخاری میں فاروق اعظم کے شہید ہونے کے متعلق ایک اور حدیث حسب ذیل نقل ہوئی ہے. عمر بن میمون سے مروی ہے فاروق اعظم نے ابن عباس

سے فرمایا تم تحقیق کرو کہ مجھے کس نے مارا ہے ابن عباس گئے اور تحقیق کر کے آئے. اور عرض کیا کہ مغیرہ کے غلام نے آپ نے فرمایا کہ صنع نے ابن عباس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اللہ اُسے غارت کرے میں نے تو اُس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا. پر نہایت ہی خوش ہو کے فرمایا اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے مجھے کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں کرایا. پھر فاروق اعظم کو اُٹھا کے ان کے گھر لے گئے راوی کا قول ہے کہ ہم اُن کے ساتھ ہی اُس وقت لوگوں کی پریشانی اور صدمہ کی یہ کیفیت تھی کہ گویا اس سے پہلے انہوں نے کوئی مصیبت دیکھی ہی نہ تھی کوئی کہتا تھا زیادہ اندیشہ کی بات نہیں ہے خدا نے چاہا تو اچھے ہو جائیں گے کوئی کہتا تھا ہمیں بہت اندیشہ ہے دیکھئے کیا ہوتا ہے. پھر شربت منگوا کر آپ کو پلایا تو زخم کے راستہ سے نکل گیا پھر دودھ منگوا کر پلایا تو وہ بھی اسی طرح نکل گیا. یہ دیکھ کے سب آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے بہت سے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے آپ کی تعریف کر رہے تھے اتنے میں ایک نوجوان شخص وہاں آیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین تمہیں اللہ سے خوشی کی امید رکھنا چاہیے کیونکہ حضور کی صحبت اُٹھا چکے ہو ابتدائی زمانہ کے مسلمان ہو اپنی حکومت کے زمانہ میں تم نے بڑا انصاف کیا اور اب تمہیں شہادت نصیب ہوئی. پھر پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے فاروق اعظم نے فرمایا کہ میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ اس سب کے عوض میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں نہ مجھے کوئی تکلیف ہو نہ عیش و آرام جب وہ پیٹ پھیر کے چلنے لگا تو اُسکا تہ بند زمین پر لگتا جاتا تھا فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ جب وہ آیا تو ارشاد کیا اے بھتیجے اپنا تہبند اوپر کر کیونکہ اوپر رکھنے میں کپڑا بھی پاک رہتا ہے اور یہ اللہ کی خوشنودی کا بھی سبب ہے. اپنے بیٹے عبداللہ کی طرف خطاب کر کے کہا دیکھو میرے ذمہ کتنا قرض ہے انہوں نے حساب لگا کے بتایا تو چھیاسی ہزار یا اس کے قریب قریب ہوا اس پر آپ نے فرمایا کہ عمر کے گھر کے سارے مال سے اسکا بھگتان ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ ناچار بنی عدی بن کعب سے سوال کرنا ان کے سوا اور کسی کے پاس مت جانا یہ سب مال لے کے میری طرف سے ادا کر دینا. اب تم ایک کام یہ کرو کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کے پاس جاؤ پہلے میرا سلام کہنا اور دیکھنا اس بات کا خیال رکھنا کہ امیر المومنین میرے نام کے ساتھ نہ کہنا کیونکہ اب میں امیر المومنین نہیں رہا صرف اتنا ہی کہنا کہ عمر بن خطاب یہ اجازت چاہتا ہے کہ وہ اپنے دونوں

دوستوں یعنی حضور انور ﷺ اور صدیق اکبر کے پاس دفن کیا جائے۔ یہ سن کے ابن عمر گئے اول اپنے والد کا سلام صدیقہ کی خدمت میں عرض کیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی اجازت ہونے پر صدیقہ کی خدمت میں پہنچے دیکھا کہ آپ بیٹھی رو رہی ہیں. عرض کیا کہ عمر بن خطاب سلام عرض کرتا ہے اور یہ اجازت چاہتا ہے کہ میں اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن کیا جاؤں صدیقہ نے ارشاد کیا کہ وہ جگہ تو میں نے اپنے لئے تجویز کر رکھی تھی لیکن آج عمر کو میں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں. پس یہ اجازت لیتے ہی ابن عمر واپس آئے جس وقت وہ اپنے باپ فاروق اعظم کے پاس پہنچے تو ایک شخص نے عرض کیا ابن عمر آ رہے ہیں فاروق اعظم نے فرمایا مجھے اُٹھاؤ ایک نے سہارا دیکر آپ کو اُٹھا کے بٹھایا بیٹے سے پوچھا کیا خبر لائے عرض کیا اے امیر المومنین وہی جو آپ چاہتے تھے اُنہوں نے اجازت دے دی ہے۔ فرمایا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مجھے تو اس سے زیادہ اور کوئی بات مشکل نہ معلوم ہوئی تھی اب میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں سنو جب میں مرجاؤں تو مجھے اُٹھا کے لے چلنا اور صدیقہ کی خدمت میں جا کے پھر سلام کہنا کہ اب عمر بن خطاب اجازت مانگتا ہے اگر وہ میرے لئے اجازت دے دیں تو وہیں دفن کرنا ورنہ وہاں سے واپس لے آنا اور مسلمانوں کے گورستان میں دفن کر دینا.

اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ فاروق اعظم سے کسی نے کہا کہ جس وقت حضور انور ﷺ نے وفات پائی تو وہ آپ سے بہت خوش تھے اور آپکی ساری رعیت بھی آپ سے راضی خوشی ہے کیونکہ اس میں آپ نے پورا پورا انصاف کیا ہے۔ صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد کیا ہے **خیار المتکم الذین تحبونھم ویبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائتمکم الذین تبغضو نھم ویبغضونکم وتلغونھم ویلعنونکم** یعنی بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں. وہ تمہارے لئے دعا کریں تم اُن کے لئے دعا کرو اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں کہ تمہیں اُن سے بغض ہو اور اُنہیں تم سے بغض ہو تم اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں. یہ بات بھی زیاد غور اور خوض کی ہے کہ فاروق اعظم کا قاتل ایک ایرانی مجوسی کافر تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے ممکن ہے کہ کوئی رافضی اس پر بگڑ کے اور فاروق اعظم کے حسد اور دشمنی میں اندھا ہو کے اُسے نہ صرف مسلمان بلکہ اپنے ائمہ سے بھی آگے بڑھادے یہ اُسے اختیار ہے۔

فاروق اعظم کا اللہ سے ڈرنا محض اُن کے علم کے کمال کی وجہ سے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا یعنی اللہ سے اُس کے عالم ہی بندے ڈرا کرتے ہیں اب حضور انور ﷺ کی طرف خیال کرو کہ جس وقت آپ نماز پڑھتے تھے تو رونے کی وجہ سے آپ کے مبارک سینہ میں سے شعلہ مارتی ہوئی آگ کی طرح آواز نکلا کرتی تھی ایک مرتبہ ابن مسعود نے آپ کو سورۂ نساء سنائی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا تو نے فرمایا کہ بس کافی ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ پھر غور کرو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ یعنی اے نبی تم کہدو کہ میں اور رسولوں سے کوئی علیحدہ رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا، کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا، کیا جائے گا صحیح مسلم میں ہے کہ جب عثمان بن مظعون قتل ہوئے تو حضور نے فرمایا قسم ہے اللہ کی باوجود یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا ترمذی وغیرہ میں ابوذر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں وہ آواز سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چر چراتا ہے اور اُسے چر چرانا ہی زیبا ہے کیونکہ اس میں چار انگل کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ نہ کر رہا ہو۔ خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر وہ تمہیں معلوم ہو جائے تو تم روؤ بہت اور ہنسو کم اور عورتوں سے مقاربت کرنا چھوڑ دو اور اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے جنگلوں میں بھاگ جاؤ میری یہ دلی آرزو ہے کہ میں ایک درخت ہو کر کاٹ دیا جاتا تو بہتر تھا اور بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ قول ابوذر کا ہے حضور کا نہیں) ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں میں نے حضور انور سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا مرد وہ ہے جو زنا کرے چوری کرے اور اللہ سے ڈرتا ہے حضور نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ مرد نہیں ہے بلکہ مرد، وہ ہے جو نماز پڑھے خیرات کرے اور اور پھر بھی اللہ سے ڈرے کہ یہ مجھ سے قبول ہوگی یا نہیں۔ اب، یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا کی طرف خیال کیجئے جو رافضی اپنے طعنہ بیان کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ کافر یہ قیامت کے دن کہے گا جس وقت اُس کی توبہ وغیرہ قبول نہ ہوگی اور نہ کوئی نیکی وغیرہ اُسے نفع دیگی اور جو شخص دنیا میں یہ کہتا ہے

تو اُسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ محض اللہ کے خوف سے کہتا ہے کیونکہ دنیا دار العمل ہے اور توبہ کے دراوزے کھلے ہوئے ہیں. حضرت بی بی مریم کی نسبت خال کیجئے قرآن مجید میں آپ کا قول اس طرح نقل ہوا ہے۔ "یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا" یعنی کاش میں اس (واقعہ) سے پہلے ہی مرجاتی اور (بالکل) بھولی بسری ہوجاتی. بی بی مریم کا یہ کہنا قیامت کے دن موت کی تمنا کرنے کی طرح نہ ہوگا اور نہ یہ دوزخیوں کے اُس قول کے مطابق کہا جاسکتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے اُن کی طرف سے بیان کیا ہے. پھر اللہ تعالیٰ دوسری جگہ دوزخیوں کا قول نقل کرتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ . یعنی جو کچھ دنیا میں ہے اگر سب ظالموں کو مل جائے اور اُس کی مثل اُس کے ہمراہ اور بھی ہو تو بے شک یہ اُسے قیامت کے بڑے عذاب کا فدیہ دے دیں اور اُن کے لئے اللہ کی طرف سے وہ بات پیش آئے گی جس کی یہ امید نہ رکھتے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کیفیت قیامت کے دن کی بیان کی ہے جس وقت کافروں کو نہ تو کچھ توبہ کرنے سے نفع ہوگا نہ خوف کرنے سے کیونکہ تمام حجتیں پوری ہوچکی ہوں گی. اور توبہ کے دروازے بند ہوچکے ہوں گے. اس مقابلہ میں اگر کوئی بندہ دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرے تو اُسے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے گا اور قیامت میں اُس ڈر سے اللہ اسے ضرور امن دے گا اور جو بے وقوف جاہل مطلق سچے مسلمان کے دنیا میں اللہ سے ڈرنے کو اُس ڈر کے مطابق کرے جو کافر کو آخرت میں ہوگا اُس سے زیادہ احمق اور کندہ ناتراش بلکہ راہ حق سے بھٹکا ہوا اور کون شخص ہوسکتا ہے. جس شخص نے مسلمانوں کا حاکم بنکے ایسا انصاف کیا کہ ساری مخلوق اُس کے انصاف کی شاہد ہے. اور وہ باوجود اس کے اللہ سے ڈرتا ہے کہ شاید کوئی ظلم نہ ہوگیا ہو تو وہ اُس شخص سے بدرجہ افضل ہے جس کی اکثر رعیت اُسے ظالم بتائے اور وہ اپنے جی میں عذاب سے بے خوف ہو کے بیٹھ جائے. وہ خوارج جو علی کو کافر کہتے ہیں. اور اُنکا عقیدہ ہے کہ بے شک علی ظالم اور قتل کردینے کے لائق تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے علاوہ فاروق اعظم سے راضی تھے اُن کی عادت اور اُن کے انصاف کی نہایت تعریف کرتے تھے تیرہ صدیاں گزر گئیں لیکن عمر کا انصاف ضرب المثل ہے چنانچہ سیرۃ العمرین مشہور ہے. عمرین سے مراد عمر بن خطاب اور عمر بن عبدالعزیز ہیں جیسا کہ اہل علم اور محدثین یعنی امام احمد

وغیرہ کا قول ہے مگر اہل لغت یعنی ابوعبیدہ کا قول ہے کہ عمرین سے مطلب ابوبکر صدیق اور عمر ہیں بہر حال کچھ ہو مگر یہ تو ثابت ہوگیا کہ عمر بن خطاب دونوں صورتوں میں داخل ہیں خوب سمجھ لیجئے کہ اپنے حاکم کے حق میں رعیت کی شہادت خود حاکم کے اپنے لئے شہادت دینے سے بدرجا افضل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذَالِكَ جَعَلْنَا كُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِتَكُوْنُوْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلَ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا. یعنی اوراسی طرح ہم نے تمہیں اوسط درجہ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنواور تم پر رسول گواہ بنیں. صحیحین میں حضور انور سے مروی ہے کہ ایک دن آپ کے پاس سے ایک جنازہ نکلا لوگوں نے جو وہاں موجود تھے اس کی بہت تعریف کی کہ یہ بڑا نیک آدمی تھا اس پر حضور انور نے فرمایا وجبت وجبت پھر ایک اور جنازہ نکلا اس کی لوگوں نے بُرائی کی کہ یہ شخص اپنی زندگی میں اچھا نہیں تھا. اس پر بھی حضور انور ﷺ نے وہی الفاظ دہرائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا جس کی تم نے تعریف کی تھی اُس کی نسبت میں نے کہا تھا کہ اس پر جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے بُرائی کی تھی اُس کی نسبت میں نے کہا تھا کہ اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی کیونکہ زمین میں تم اللہ کے گواہ ہو. مسند میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو تم آپ ہی معلوم کرلیا کرو گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کس طرح حضور نے ارشاد کیا کسی کی تعریف ہونے اور کسی کی برائی ہونے سے یعنی جس کی لوگ تعریف کریں وہ جنتی ہے. جس کی بُرائی کریں وہ دوزخی ہے. یہ سب جانتے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ فاروق اعظم کی رعیت شرق وغرب سارے میں پھیل گئی تھی. اُن کی رعیت علی سے بدرجہ بہتر تھی اور علی کی رعیت فاروق کی رعیت کا ایک حصہ تھا اور باوجود اس کے فاروق اعظم کے انصاف زہد اور سیاست کی سب تعریف و تعظیم کرتے ہیں اور اُمت مرحومہ میں یکے بعد دیگرے ہر زمانہ کے لوگ آپ کی انصاف شعاری آپ کی پاکبازی راستبازی، عدل و انصاف، رعب و داب جبروت انتظام جہانداری اور زہد و سیاست کی تعریف کرتے چلے آرہے ہیں یہ کہیں سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی نے اس بارہ میں طعن کیا ہو لطف تو یہ ہے کہ رافضیوں نے بھی فاروق اعظم کی ان صفات میں طعن نہیں کیا خود حضرت علی اور آپکی اولاد

فاروق اعظم کی بڑی مداح رہی مگر جو جو زمانہ گزرتا گیا اور حضرت علی کو انسانی دائرہ سے نکال کے پیغمبری بلکہ خدائی مرتبہ دینا شروع کیا تو زبردستی کے الزام فاروق اعظم کے سر پر چپک دیئے. بس اس تمام شوروشر کی یہ کہانی ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو لو وہ سب حضرت علی سے محبت رکھتے ہیں اُنکی ولایت کے قائل ہیں اور اس بات کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ علی بے شک خلفائے راشدین اور ائمہ مہدمین میں سے تھے لیکن اسکا کیا علاج ہے کہ اُن ہی کی فوج اور اُن ہی کی رعیت نہ اُن پر بھروسہ رکھتی تھی. نہ اعتقاد اور خارجی تو اُنہیں کھلم کھلا کافر ہی کہتے تھے خارجیوں پر کیا مقرر ہے خود اُن کے اہلبیت اور غیر اہلبیت بھی اس بات کو علی الاعلان بیان کرتے تھے کہ واقعی علی نے انصاف نہیں کیا عثمان کے طرف داروں کا یہ قول ہے کہ علی اُن لوگوں میں ہیں جنہوں نے عثمان پر ظلم کیا ہے. خلاصہ کلام یہ ہے کہ علی کے انصاف کی مطلق وہ شہرت نہیں ہوئی جو فاروق اعظم کے انصاف کو نصیب ہوئی. بلکہ اس کے قریب قریب بھی تصور میں نہیں آسکتی. اب ذرا انصاف سے غور کرنے کی بات ہے اور بغیر رورعایت اس کا فیصلہ کیجئے کہ فاروق اعظم نے اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو کہیں کی حکومت نہیں دی اس کے برخلاف حضرت علی نے اپنے رشتہ داروں کو مختلف صوبے دیدئے تھے جنہوں نے رعایا کو اپنے ظلم وستم سے پیس دیا بیت المال کا سرکاری روپیہ کھا گئے تعیش یہاں تک بڑھا کہ رعایا کی سیکڑوں دوشیزہ لڑکیاں اپنے تصرف میں لے آئے جس کا خود حضرت علی نے بڑا اواویلا مچایا ہے. نہج البلاغتہ میں عاقل تو عاقل بلکہ معمولی عقل کا آدمی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ علی کو عمر سے کچھ بھی نسبت نہیں تھی یہ نسبت علی کے عمر بہت بڑے عادل اور خدا سے ڈرنے والے تھے اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ عمر، علی، سے بیشک افضل تھے عمر کی رعیت حالانکہ اُن سے راضی تھی مگر پھر بھی آپ مارے خوف کے کانپے جاتے تھے کہ کہیں کسی پر ظلم نہ ہو جائے. اور علی اپنی رعیت کے شاکی تھے یہاں تک کہ اُسے ظالم کہتے تھے اُس کے حق میں بددعائیں کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں ان لوگوں کو دل سے بُرا جانتا ہوں اور یہ مجھے دل سے بُرا جانتے ہیں. میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں. آپ اکثر فرمایا کرتے تھے **الھم فابدلنی بھم خیرا مھنم وابدلھم بی شرا منی** یعنی الٰہی ان کے بدلہ مجھے ان سے بہتر

لوگ عطا کر اور میرے بدلہ انہیں مجھ سے بھی بُرا شخص دے۔

کاغذ، قلم، دوات کا قصہ: یہ قصہ کئی صدی سے تمام دنیا میں گشت لگا رہا ہے کہ حضور انور نے وفات کے وقت کاغذ قلم دوات مانگی اور فاروق اعظم نے یہ کہہ کے ٹال دیا کہ ہمیں اللہ کی کتاب بس ہے اسکا صاف اور صریح جواب بارہا ہو چکا ہے۔ مگر پھر بھی جواب سے لاجواب ہو کے جب کبھی موقع ہوتا ہے رافضی یہ قصہ لے بیٹھتے ہیں اور بیچارے ان پڑھ لوگوں کو ورغلاتے ہیں۔

جواب: فاروق اعظم کا علم و فضل اس قدر ثابت ہے کہ سوائے صدیق اکبر کے اور کسی کے لئے ثابت نہیں ہے چنانچہ صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتی ہیں آپ فرماتے تھے کہ تم سے پہلی امتوں میں محدث لوگ ہوئے ہیں مگر میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔ بن وہب کہتے ہیں کہ محدثین کے معنی ملہمین کے ہیں یعنی جن لوگوں کو الہام ہوتا ہو انہیں ملہمین کہتے ہیں پھر ملاحظہ ہو بخاری جس نے ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں حضور نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو اُمتیں گزر چکی ہیں اُن میں محدث لوگ تھے مگر میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو عمر بن خطاب یقیناً محدث ہے۔ پھر بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں بہت سے آدمی ہوئے ہیں جو بلا پیغمبر ہوئے لوگوں کو اس قسم کی باتیں بتلایا کرتے تھے جیسا کہ پیغمبر بتلاتے تھے مگر میری امت میں اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ عمر ہے۔ صحیح میں ابن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا حضور نے ایک دن فرمایا کہ میں سو رہا تھا یکا یک میں نے دیکھا کہ کوئی میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا میں نے اُس میں سے اتنا پیا کہ اسکی سیرابی اور تر و تازگی مجھے اپنے ناخنوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہونے لگی پھر بچا ہوا میں نے عمر بن خطاب کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اسکی تعبیر کیا لی فرمایا علم۔ صحیحین میں ابو سعید سے مروی ہے انہوں نے کہا حضور انور نے ارشاد فرمایا میں سو رہا تھا میں نے خواب دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں وہ سب قمیص پہنے ہوئے ہیں بعض کی قمیص سینا تک ہیں بعض کے اُسکے کسی قدر نیچی تھی مگر عمر جو آئے تو ان کی قمیص اس قدر نیچی تھی کہ وہ اُسے گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے صحابہ نے عرض کیا یا رسول آپ نے اسکی تعبیر کیا لی فرمایا دین۔ صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں فاروق اعظم

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی ہے پہلی مقام ابراہیم میں دوسری پردہ کے بارے میں اور تیسری بدر کے قیدیوں کے بارے میں. بخاری نے انس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں حضرت فاروق اعظم فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی ہے یا یہ فرمایا تھا کہ میرے پروردگار نے میری تین باتوں میں موافقت کی ہے کیونکہ میں نے حضور انور سے یہ عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنالیں تو اچھا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاتَّخِذُوْ مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّے اور میں نے کہا تھا یا رسول اللہ آپ کے پاس اچھے اور بُرے سب طرح کے آدمی آتے ہیں لہٰذا آپ امہات المومنین کو پردہ کرنے کا حکم دے دیں. تو اچھا ہے. اس پر اللہ نے پردہ کی آیت نازل فرمائی میں نے سنا تھا کہ حضور انور ﷺ کی بعض بیبیاں آپ کو کچھ ناراض رکھتی ہیں اُن کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ کیا تم اس عادت سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو تم سے بہتر بیبیاں عطا کردے گا. اس پر ایک بی بی نے مجھے یہ جواب دیا تھا کہ کیا رسول اللہ اپنی بیبیوں کو آپ نصیحت نہیں کرسکتے جو تم اُنہیں نصیحت کرنے آئے ہو اُس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اِنْ یُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجاً خَیْرًا مِّنْكُنَّ. کاغذ کے قصہ کے متعلق صحیحین میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور نے اپنی بیماری میں مجھ سے فرمایا تم اپنے باپ اور بھائی کو میرے پاس بلالاؤ کہ میں ایک تحریر لکھدوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کوئی اور کچھ تمنا نہ کرنے لگے اور کہے سب سے بہترین میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ اور سب مسلمان تو ابوبکر کے سوا اور کا فرانکار ضرور ہی کردیں گے۔ صحیح بخاری میں قاسم بن محمد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن عائشہ صدیقہ نے سخت تکلیف میں کہا وارا ساہ یعنی میرے سر میں بہت درد ہے. اس پر حضور نے فرمایا اگر میری زندگی میں وفات ہوجائے تو میں تمہارے لئے استغفار کروں اور تمہارے حق میں دعا کروں اس پر عائشہ صدیقہ نے (مسکرا کر بطور تمسخر کے) یہ عرض کیا کہ آپ تو میرا مرنا ہی چاہتے ہیں اگر میں مرگئی تو آپ کسی دوسری بی بی کو میری جگہ کرلیں گے. اس پر حضور نے فرمایا نہیں عائشہ صدیقہ یہ بات نہیں ہے مگر "وارساہ" بیماری میں تو میں خود گرفتار ہوں میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ ابوبکر اور اُن کے بیٹے کے پاس کس کو بھیجوں گا کہ نئی نئی آرزو رکھنے والے کچھ

اور نہ کر بیٹھیں اللہ تو انہیں دفع ہی کر دیگا اور سب مسلمان بھی اُن سے انکار کر دیں گے۔ صحیح مسلم میں ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عائشہ صدیقہ سے سُنا یہ اُسوقت کا ذکر ہے جب اُن سے کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ اگر رسول اللہ کسی کو خلیفہ کرتے تو کسے کرتے فرمایا ابو بکر کو اس نے پوچھا ابو بکر کے بعد فرمایا عمر کو اس نے کہا پھر عمر کے بعد فرمایا ابو عبیدہ عامر بن جراح پھر آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ رہا حضرت عمر کو شک پیدا ہو جانا کہ حضور بیماری کی گھبراہٹ میں فرما رہے ہیں یا واقعی آپ کا منشا یہ ہے کہ کچھ بڑی بات نہیں ہے مگر یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتی۔ نہ کسی کتاب سے نہ حاضرین کی شہادت سے یعنی وہ لوگ جو اُس وقت حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے متفق ہو کے یہ شہادت دی ہو کہ حضرت عمر نے دوات قلم کاغذ مانگنے پر یہ کہا ہو کہ ہمیں کتاب اللہ بس ہے تحریر کی کیا ضرورت ہے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ فاروق اعظم نے کہا تو اُس وقت علی کہاں گئے تھے جو فوراً دوات قلم کاغذ لے آتے اور حضور سے لکھوا لیتے بہر حال حدیوں کی روایتوں کے بموجب یہ بات ہر طرح ماننی پڑے گی کہ اگر حضور نے درحقیقت دوات قلم کاغذ مانگا تھا تو صرف وہی رقعہ لکھنے کے لئے مانگا تھا جسکا ذکر خود ہی آپ نے عائشہ صدیقہ سے کیا تھا جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کو شک پڑ گیا ہے تو آپ سمجھ گئے کہ اس رقعہ سے یہ شک رفع نہیں ہوگا لہٰذا اس کے تحریر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالے سب مسلمانوں کو اسی پر قائم کر دے گا جو میں نے ارادہ کیا ہے چنانچہ آپ نے صاف طور پر فرما بھی دیا تھا کہ اللہ اور سب مسلمان ابو بکر کے سوا سب کا انکار کر دیں گے۔ اس قصہ میں یہ بھی بیان ہے کہ ابن عباس جو اُس وقت ایک صغیر سن بچے تھے اور جس کی تنہا روایت پر جو خبر احاد کا مرتبہ رکھتی ہے تمام دنیا میں قلم کاغذ دوات کے قصے کا یہ شور و غوغا مچا ہوا ہے۔ وہی صاحبزادے کہتے ہیں کہ سب سے بڑی مصیبت ہم پر وہی تھی جو حضور انور اور آپ کے اس کتاب لکھنے کے درمیان میں حائل ہو گئی تھی۔ اُسکا جواب سُنیے! اگر صاحبزادے کی اس بات کو تسلیم کر لیں تو یہ مصیبت اُن لوگوں کے حق میں بیشک تھی جو صدیق کی خلافت میں شک رکھتے تھے بے شک اگر اس وقت وہ کتاب ہوتی تو یہ سارے شک اور شبہ بالکل جاتے رہتے۔ لیکن جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ ابو بکر کا خلیفہ ہونا بے شک حق ہے تو اُن کے لئے کچھ بھی

مصیبت نہ تھی وللہ الحمد. اب سنئے! اگر کوئی بیوقوف آدمی یہ وہم کرے کہ یہ تحریر علی کی خلافت کے بارے میں تھی تو یہ شخص باتفاق تمام لوگوں کے خواہ مسلمان علما ہوں خواہ رافضی علماء ہوں یقینی گمراہ ہے اہل سنت یعنی مسلمانوں کے نزدیک تو اس لئے کہ ابوبکر کی تفصیل اور تقدیم پر ان سب کا اتفاق ہے یعنی سب اہل سنت علی سے ابوبکر کو افضل اور مقدم سمجھتے ہیں. اب رہے شیعہ یا رافضی تو وہ اس بات کے سب قائل ہیں کہ امامت اور خلافت کے مستحق علی ہی تھے. اور کہتے ہیں کہ علی کی امامت پر اس سے پہلے ہی حضور انور نے نصِ جلی ظاہر و معروف فرمادی تھی تو جب یہ بات ہے تو اس تحریر کی علی کی خلافت کیا امامت کے لئے کچھ ضرورت نہ رہی. اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس معلوم و مشہور نص کا تو امت نے انکار کر دیا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ پھر اس تحریر کا چھپالینا تو نہایت ہی آسان بات تھی جو چند ہی آدمیوں کے سامنے لکھی جاتی ہے. اس کے علاوہ کسی ضروری بات کے بیان کرنے کو مرض موت تک مؤخر کرنا تو اُن کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے اور نہ کسی کے شک کرنے کی وجہ سے حضور انور کو اس تحریر کا چھوڑ دینا جائز تھا پس آپ جو کچھ اس کتاب میں لکھتے تھے اور وہ ایسا مضمون تھا کہ اُس کا بیان کرنا اور لکھ دینا واجب تھا تو حضور اُس کو ضرور بیان کرتے اور لکھدیتے اور کسی کے کہنے کی طرف آپ توجہ بھی نہ کرتے کیونکہ آپ اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ مطیع اور فرمانبردار تھے.

اب سنو! جب آپ نے اس کتاب یا تحریر کو چھوڑ دیا تو اُس سے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ کتاب ضروری نہ تھی اور نہ اس میں دین کی کوئی ایسی بات تھی کہ اس کا تحریر کرنا اس وقت ضروری تھا. کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ اُسے ضرور ہی کر گزرتے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ فاروق اعظم کو کسی بات میں شبہ ہوگیا پھر وہ بات آپ کو معلوم ہوگئی تو یہ اُن لوگوں سے بڑھ کر نہیں ہے جو اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیتے اور مقدمات کے ایسے فیصلے کرتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے اُن کے خلاف حکم دیا تھا مگر حضور انور کا حکم دینا انہیں معلوم نہ ہوا. کیونکہ حق میں شک اور شبہ ہونا اس سے بہت کم درجہ کا ہے. کہ اس کے خلاف پر کسی کو یقین ہو جائے. یہ سب اجتہادی امور میں اس کی انتہا صرف اس پر ختم ہوتی ہے کہ اسے ایک ایسی خطا قرار دے دی جائے کہ جس کا مواخذہ کرنا اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے. جیسا کہ علی نے اُس حاملہ عورت کے بارے میں جس کا شوہر مر گیا تھا یہ حکم لگا دیا تھا کہ وہ عورت اُس

عدت کو پوری کرے جو دونوں عدتوں میں زیادہ ہو حالانکہ صحاح میں ہے کہ حضور انور ﷺ سے یہ بیان کیا گیا کہ ابو سنابل بن بعلک نے سبیعہ اسلمیہ کی بابت یہ فتویٰ دیا (جو حضور کے بعد علی نے دیا) تو آپ نے فرمایا کہ ابو سنابل جھوٹا ہے اُس نے غلط فتویٰ دیا سبیعہ کی عدت پوری ہو چکی وہ جس سے چاہے نکاح کر لے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضور نے اُسے جھوٹا فرمایا جس نے یہ فتویٰ دیا تھا ابو سنابل کوئی مجتہد لوگوں میں سے نہ تھا اور نہ اُسے حضور انور کے ہوتے یہ فتویٰ دینا چاہیے تھا اب رہے علی اور ابن عباس یہ دونوں بھی یہی فتوے دیتے تھے لیکن یہ انکی اجتہادی غلطی اور حضور انور کی وفات کے بعد تھا۔ ان دونوں یعنی علی اور ابن عباس کو سبیعہ کے قصے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ صرف نیت کو دیکھنا چاہیے اور نیت ہی پر سارا مدار ہے علی اور ابن عباس بے شک بے خبر تھے مگر انہوں نے بد نیتی سے فتویٰ نہیں دیا تھا۔ لہٰذا اُن سے کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ علماء کا اختلاف فقط اس میں ہے کہ مصیب ہر مجتہد کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ مصیب کے اگر یہ معنی ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کا مطیع ہو تو ہر مجتہد اپنی طاقت کے موافق اللہ سے ڈرتا ہے لہٰذا وہ اللہ کا اور اللہ کے رسول کا مطیع ہے خود اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ ہر ایک نفس کی وسعت سے زیادہ اُسے تکلیف نہیں دیتا اور یہ مجتہد نفس الامری حق کے پہچاننے اور معلوم کرنے سے عاجز ہیں اس لئے یہ حکم اُن کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مصیب سے وہ عالم مراد ہے جو اللہ کے نفس الامری حکم کو جانتا ہو تو اس معنی کا مصیب بے شک ایک ہی ہوگا۔ کیونکہ نفس الامر میں حق ایک ہی ہے۔ اسی طرح علی کا مفوضہ کی بابت یہ حکم لگا دینا ہے کہ اس کا مہر مرنے سے جاتا رہتا ہے باوجود یہ کہ واشق کی بیٹی بروع کے بارے میں حضور انور نے یہ حکم دیا تھا کہ اسکو اور عورتوں کے مطابق ضرور مہر ملے گا۔ اور ایسا ہی علی کا ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دینا ہے یہاں تک کہ حضور انور اُن سے ناراض ہو گئے اور آپ کو بہت غصہ آ گیا تو علی اس سے رک گئے تھے پھر اسی طرح کا حضرت کو جواب دینا کہ جو آپ نے علی کو اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کہا تو علی نے تقدیر سے حجت کی قصہ یہ ہے کہ حضور انور نے یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں تہجد کی نماز پڑھتے ہو تو اس پر علی بولے کہ ہم تو ہر طرح سے اللہ کے قبضہ میں ہیں ہم خود کس طرح

انھیں جب وہ ہمیں اُٹھانا چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے حضور یہ سُن کے بہت ہی چیں بہ چیں ہوئے اور آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ اپنی رانوں پر دو ہتڑ امارتے ہوئے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور آپ فرماتے تھے وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۔ یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے. اِس قسم کی مثالوں سے حضرت علی پر جو کچھ اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مجتہد تھے جب انہیں حق ظاہر ہو گیا تو انہوں نے اپنے پہلے قول یا فتوے سے رجوع کر لیا. اسی طرح حضرت عمر کو بھی سمجھنا چاہیے. جس طرح حضرت علی پر اعتراض نہیں ہو سکتا. اسی طرح آپ پر بھی نہیں ہو سکتا. کیونکہ آپ بھی مجتہد تھے جب انہیں کسی امر میں حق معلوم ہو جاتا تھا وہ خود رجوع کر لیتے تھے. مگر یاد رکھو جن امور سے حضرت علی کو رجوع کر لینا ضروری تھا. وہ اُن امور سے بے شمار زیادہ ہیں جن سے فاروق اعظم کو رجوع کرنا چاہیے تھا. یہ بات صاف طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمر نے اکثر امور سے رجوع کر لیا تھا اُن کے مقابلہ میں حضرت علی نے فقط چند ہی امور سے رجوع کیا اور وہ امور جن پر حضرت علی مرتے دم تک قائم رہے. بہت ہیں. مثلاً انہوں نے یہ فتویٰ دے رکھا تھا کہ جس حاملہ کا خاوند مر جائے تو وہ دونوں عدتوں میں بڑی عدت گزارے. اسی طرح مفوضہ جب اس کا شوہر مر جائے تو مہر نہیں لے سکتی. عَلٰی هٰذَا القیاس نحیرہ. وہ عورت جس کو اس کے شوہر نے اختیار دے دیا ہو. کہ وہ خود اس کی زوجہ رہے یا نہ رہے) کی بابت حضرت علی کا یہ فتویٰ تھا کہ شوہر کے اختیار دینے سے اُسے طلاق ہو جاتی ہے۔ حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری بیبیوں کو اختیار دے دیا تھا. اور اس اختیار سے کسی کو بھی طلاق نہ ہوئی. غرض ایسے بہت سے مسئلے ہیں جن میں حضرت علی کی کھُلم کھُلا اجتہادی غلطی پائی جاتی ہے دیکھو امام شافعی کی کتاب ''اختلاف علی وعبد اللہ'' میں یہ ساری باتیں موجود ہیں اور وہی مسئلہ محمد بن نصر مروزی کتاب ''رفع الیدین فی الصلوۃ'' میں ذکر کئے ہیں. اور یہی مسائل اُن کتابوں میں بھی موجود ہیں جن میں صحابہ کے اقوال مع سند اور بلا سند کے درج ہوئے ہیں. مثلاً مصنف عبد الرزاق، سنن سعید بن منصور، مصنف وکیع، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، سنن اثرم، مسائل حرب عبد اللہ بن احمد وصالح. ان کے علاوہ ابن منذر، ابن جریر طبری، ابن نصر اور ابن حزم کی کتابیں موجود ہیں. جن میں اس قسم کے مسائل بہت سے پائے جاتے ہیں.

فاطمہ کی بددعا اور فدک کے پروانہ کا قصہ: رافضی کہتے ہیں کہ جب فاطمہ نے فدک کے معاملہ میں ابوبکر کو نصیحت کی اور قائل کیا تو ابوبکر نے ایک رقعہ لکھ کے انہیں دیدیا تھا وہ رقعہ لیکر باہر نکلی تھیں کہ عمر بن خطاب مل گئے اور انہوں نے وہ رقعہ لے کے چاک کر ڈالا. اس کے علاوہ عمر نے خدائی قانون کو چھوڑ دیا تھا مثلاً مغیرہ بن شعبہ پر حد جاری نہیں کی. حالانکہ وہ حد مارے جانے کے قابل تھا. اسکے علاوہ بیت المال سے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو ضرورت سے زیادہ دیتے تھے اور عائشہ وحفصہ کو دس ہزار درہم سالانہ دیتے تھے اور جلاوطنوں کے بارے میں حکم الٰہی کو بدل دیا تھا اور احکام سے بہت ہی کم واقف تھے. فقط

جواب: صدیق اکبر پر رقعہ لکھنے کا بہتان سخت شرمناک، غلط اور محض بے بنیاد ہے علمائے حدیث میں سے کسی نے بھی اسے ذکر نہیں کیا. اس رقعہ لکھنے کی کہیں سند معلوم ہوتی ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی خیالی اور انکل بچو باتوں سے ایسے جلیل القدر صحابی مثلاً صدیق اکبر پر کوئی الزام قائم نہیں ہوسکتا. ہم اس پر اس لئے بحث نہیں کرتے کہ اس چانڈوخانہ کی گپ کا جواب سوائے اسکے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے کہ وہ محض غلط ہے. اب رہا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بددعا دینا اور اس بددعا کے اثر سے ابولولو مجوسی کا فاروق اعظم کو قتل کرنا ایسا مضحکہ خیز اور بیہودہ استدلال ہے. جس کی نظیر نہیں مل سکتی. حضرت بی بی فاطمہ نے کبھی فاروق اعظم کو بددعا نہیں دی. اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ ابولولو مجوسی کا یہ فعل ابن ملجم کے اُس فعل سے جو اُس نے حضرت علی کے ساتھ کیا تھا کہیں افضل ہے. کیونکہ ابولولو مجوسی کافر مطلق تھا اس کا فاروق اعظم کو قتل کرنا ایسا تھا جیسا کوئی کافر مسلمان کو قتل کرتا ہے اور یہ شہادت اُس شہادت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے جو ایک مسلمان کے ہاتھ سے ہو کافر کے مقتول کا درجہ مسلمان کے مقتول سے بہت ہی بڑھا ہوا ہے. اور تماشا دیکھئے کہ ابولولو مجوسی نے فاروق اعظم کو حضرت بی بی فاطمہ کے انتقال کے ایک عرصہ کے بعد قتل کیا تھا. پھر یہ کیونکہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کا شہید ہونا اسی بددعا کی وجہ سے تھا اور یہ تو کوئی بددعا بھی نہیں ہوئی بلکہ دعا خیر سمجھنی چاہیے کہ ایک کافر مسلمان کو قتل کرے. اسی قسم کی بددعائیں حضور انور ﷺ نے اپنے صحابہ کے حق میں کی ہیں. مثلاً آپ فرمایا کرتے تھے یغفر اللہ الفلاں جب کسی کے لئے آپ ایسی دعا کرتے تو وہ شہید کر

ڈالا جایا کرتا تھا رافضیوں کی اس ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی کے مقابلہ میں اگر کوئی یہ کہے کہ اہل صفین اور خوارج پر چونکہ حضرت علی نے ظلم کیا تھا. اور اس سخت ظلم کو برداشت نہ کر کے انہوں نے حضرت علی کو بد دعا دی اس لئے ابن ملجم نے اُن کا کام تمام کر دیا تو کیسی بنے گی؟ فدک کے متعلق گزشتہ صفحات میں مفصل بحث ہو چکی ہے. یہاں صرف اسی قدر ہمیں دکھانا ہے کہ فاروق اعظم کی کوئی ذاتی غرض فدک میں نہ تھی. نہ اُنہوں نے اسے اپنے لئے لیا نہ اپنے کسی قرابت دار کے لئے نہ کسی اپنے دوست کے لئے نہ اہل بیت کو محروم رکھنے میں اُن کا کوئی مطلب تھا فاروق اعظم اہلبیت کی اتنی تعظیم کرتے تھے کہ عطا میں انہیں سب سے مقدم رکھتے تھے اور سب لوگوں سے افضل سمجھتے تھے یہاں تک کہ جب عطا کا محکمہ قائم ہوا اور لوگوں کے نام لکھے گئے تو محرروں نے فاروق اعظم سے کہا کہ اول ہم آپ کا نام لکھیں گے فرمایا ہرگز نہیں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے نام لکھو اور عمر کو تو وہیں رکھنا جہاں اُسے اللہ نے رکھا ہے چنانچہ اس رجسٹر میں اول بنی ہاشم کے نام درج کئے گئے اور اُن کے ساتھ ہی بنی عبدالمطلب کے نام لکھے گئے کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو ایک ہی سمجھنا چاہئے اس لئے کیونکہ انہوں نے نہ ہمارا ساتھ جاہلیت میں چھوڑا نہ اسلام میں پھر عباس، علی، حسن، حسین کو مقدم رکھا اور ان کا حصہ ان سب سے زیادہ رکھا جو اور تمام خاندانوں میں اتنا حصہ کسی کا نہ تھا اور نہ بات بھی زیادہ غور طلب ہے کہ اس عطا میں خود فاروق اعظم نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے اُسامہ بن زید کو مقدم رکھا اس پر عبداللہ کو غصہ آ گیا اُس نے خفا ہو کر اپنے باپ فاروق سے کہا کہ تم اسامہ بن زید کو مجھ پر کیوں مقدم رکھتے ہو اس کا جواب حضرت فاروق اعظم نے یہ دیا. بیٹا خفا ہونے کی بات نہیں ہے انصاف اسی کا مقتضی ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کو تم سے زیادہ اُسامہ سے محبت تھی اور تمہارے باپ کی نسبت اسکا باپ حضور انور کا زیادہ محبوب تھا. اب سمجھنے کی بات ہے کہ جو شخص رسول کے قرابت داروں اور آپ کے کنبہ والوں کی اس قدر رعایت کرتا ہو وہ آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کیوں زیادتی کرنے لگا اور وہ بھی ایک تھوڑے سے مال کے لئے اسکے مقابلہ میں غور کرو کہ عمر فاروق بی بی فاطمہ کی اولاد کو اس سے کئی گنا زیادہ دیتے تھے اور اُن لوگوں کو بھی دیتے تھے جو حضرت بی بی فاطمہ کی نسبت حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دور کے رشتہ دار تھے اور حضرت علی کا بھی ایک

معقول مشاہرہ مقرر کر رکھا تھا مغیرہ بن شعبہ پر حد نہ لگانے کا جو اعتراض رافضی نے کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے قصہ میں جو فاروق اعظم نے عمل کیا ہے اس پر سب علماء کا اتفاق ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس قصہ میں کوئی شہادت ایسی نہیں پہنچی جس سے خفیف سا ثبوت بھی ہوتا ہو فرض کرو کہ اگر کسی نے اس میں کچھ خلاف کہا ہے تو وہ بھی اخیر جا کے اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے لہٰذا اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا. ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عثمان کے قاتلوں سے علی کے قصاص نہ لینے اور ان پر حد نہ لگانے کی وجہ سے جو علی پر اعتراض ہوتا ہے وہ فاروق اعظم پر اعتراض ہونے سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے. پس جب علی پر اعتراض کرنے والا جھوٹا ہے تو فاروق اعظم پر اعتراض کرنے والا بدرجہ اولے جھوٹا ہوا. فاروق اعظم نے مغیرہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب صحابہ کی موجودگی میں کیا جن میں حضرت علی بھی حاضر تھے بلکہ اس معاملہ میں حضرت علی نے تو سب سے زیادہ حصہ لیا اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب مغیرہ کے تین دفعہ حد میں کوڑے لگ چکے تو ابوبکرہ نے اُس پر پھر تہمت لگائی اور کہا قسم ہے اللہ کی اُس نے زنا کیا ہے اسکے کہنے پر فاروق اعظم نے پھر کوڑے لگانے کا قصد کیا اس پر حضرت علی مزاحم ہوئے اور کہا اے امیر المومنین اگر آپ کا منشاء اسکو دوبارہ کوڑے لگانے کا ہو کہ اُس سے یہ بہتر ہوگا کہ آپ اسے سنگسار کرنے کا حکم دیں. حضرت علی کا اس سے صاف مطلب یہ تھا کہ اگر ابوبکرہ کا یہ کہنا پہلا ہی ہے تو مغیرہ پر حد لگ چکی ہے اب دوبارہ کیوں لگے اور اگر آپ اُسے دوسرا قول سمجھتے ہیں تو نصاب چار کا پورا ہو چکا تو اُسے سنگسار کر دینا واجب ہے یہ سنتے ہی فاروق اعظم نے مغیرہ کو چھوڑ دیا. لہٰذا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ فاروق اعظم کی پہلی حد لگانے پر حضرت علی راضی تھے دوسری حد لگانے پر راضی نہ تھے. فاروق اعظم کی تو یہ کیفیت تھی کہ اگر حضرت علی سے بھی کم درجہ کا شخص انہیں کسی بات پر ٹوکتا تھا اور قرآن و حدیث سے اُن پر حجت قائم کر دیتا تھا تو آپ فوراً اس کے قول کو مان لیتے تھے اور کبھی اپنے قول کو پچ نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ کو اللہ کی کتاب کا سب سے زیادہ علم تھا. بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آیا. یہ حر حضرت عمر کے مقرب مصاحبوں میں سے تھا) عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تمہاری اس امیر سے رسائی ہے. لہٰذا مجھے اُن کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دلوا دو اُس نے کہا اچھا میں تمہارے

لئے اجازت لے لوں گا۔ ابن عباس کہتے ہیں حر نے اپنے چچا کے لئے اجازت لے لی۔ چنانچہ عیینہ دربار فاروقی میں پہنچا اس نے (نہایت ہی کرختگی اور بدتہذیبی سے) فاروق اعظم سے کہا اے ابن خطاب اوہر دیکھو اللہ کی قسم تم ہمیں کچھ نہیں دیتے اور نہ تم ہم میں انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ اس پر فاروق اعظم کو غصہ آ گیا قریب تھا کہ اسکی گردن ماردیں اُسی وقت حر نے فاروق اعظم کی طرف خطاب کرکے کہا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق سے فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَامُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ یعنی تم درگزر کرنا اختیار کرو اور لوگوں کو اچھی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔ میرا یہ بدتہذیب چچا آپ نے خود اندازہ کر لیا ہوگا کہ وحشی آدمیوں میں سے ہے۔ حُر کی زبان سے قرآن مجید کی یہ آیت سُن کے حضرت عمر بالکل خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں کہا۔ بلاشک وشبہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے خوب واقف تھے اور متواتر یہ ثابت ہے کہ فاروق اللہ کے معاملہ میں کبھی کسی ملامت وغیرہ کا خیال نہ کرتے تھے۔ ایک نہایت عبرت انگیز قصہ آپ کی نسبت مشہور ہے کہ مصر میں آپ کے ایک صاحبزادہ نے شراب پی لی اس پر عمرو بن عاص نے قانون شریعت کے بموجب اس عظیم الشان خلیفہ کے بیٹے کو حد لگائی مگر جب فاروق اعظم کو خبر ہوئی تو آپ سخت غضبناک ہوئے اور نہایت دھمکی اور غصہ کا خط عمرو بن العاص کو مصر بھیجا کہ تم نے میرے بیٹے کے ساتھ کیوں رعایت کی کہ اُس کو گھر میں بند کر کے حد لگائی جبکہ ایسے جرائم میں اور مسلمان علی الاعلان پٹا کرتے ہیں چنانچہ اسی فرمان میں آپ نے اُسے لکھا کہ میرے بیٹے کو فوراً مدینہ بھیج دے۔ چنانچہ بیٹا مدینہ پہنچ گیا اور آپ نے دوسری دفعہ سب کے سامنے اُسے پٹوایا۔ لوگوں نے بلکہ بالخصوص رافضیوں نے جو یہ مشہور کر رکھا کہ فاروق اعظم نے اپنے مرے ہوئے بیٹے پر حد لگائی۔ یہ فاروق اعظم پر بہت بڑا الزام ہے کہیں سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی میت کو مارنا کسی طرح جائز نہیں۔ غرض حدود کو قائم رکھنے اور معاملات الٰہی میں کسی کے بُرا بھلا کہنے کی ذرہ برابر پروا، نہ کرنے کی بابت حضرت عمر کی اس قدر خبریں ہیں جو یہاں بیان نہیں ہو سکتیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مغیرہ بن شعبہ کے حد نہ لگانے میں فاروق اعظم کی کونسی غرض تھی کہ آپ اسکی وجہ سے رعایت کر جاتے حالانکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک فاروق اعظم مثل اُسی تُلی ہوئی ترازو کے ہیں جس کا پلڑہ نہ ادھر جھکتا ہو نہ اُدھر جھکتا ہو۔ پھر رافضیوں کا الزام کہ عمر حضور انور رسول

اللہ ﷺ کی ازواج و مطہرات کو بیت المال سے زیادہ دیتے تھے۔ اور فقط عائشہ اور حفصہ کے دس ہزار درہم سالانہ مقرر کر رکھے تھے یہ گویا بہت بڑی فضول خرچی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بی بی حفصہ کو تو بہت کم مشاہرہ ملا کرتا تھا اس وجہ سے کہ وہ آپ کی صاحبزادی تھیں۔ اسی طرح اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی کم دیتے تھے۔ انصاف اور خوف وغیرہ میں یہ آپ کی انتہا درجہ کی احتیاط تھی اور آپ اس دینے میں اُسی کو فضیلت دیتے تھے جس میں خود فضیلت ہوتی تھی۔ اس لئے مثل اور عورتوں کے ازواج و مطہرات کو زیادہ دیتے تھے۔ اسی طرح اور قبائل کے مقابلہ میں بنی ہاشم میں سے آل ابی طالب ہو اور آل عباس کو زیادہ دیا کرتے تھے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ فاروق اعظم نے کسی ایسے لوگوں کو کچھ نہیں دیا جنکی آپ سے کچھ بھی محبت ہو اور کچھ بھی قرابت داری ہو محض اس لئے کہ آپ پر کوئی تہمت نہ لگائے کہ اپنے محبتوں اور قرابت داروں کو یہ دیتے تھے۔ آپ اہبیت نبی کو سب سے مقدم سمجھتے تھے آپ کے بعد یہ طریقہ تو کسی نے بھی نہیں برتا حضرت عثمان نے نہ حضرت علی نے۔ اب اگر کوئی شخص حضور انور کی ازواج کے فضیلت دینے میں فاروق اعظم پر اعتراض کرے تو اُسے اس پر بھی ضرور اعتراض کرنا چاہئے کہ آپ بنی ہاشم میں سے آل ابی طالب اور آل عباس کو کیوں زیادہ دیتے تھے۔ حالانکہ رافضی یہاں ساکت ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے۔ پھر رافضیوں کا یہ الزام کہ فاروق اعظم نے جلاوطنوں کے بارے میں حکم الٰہی کو بدل دیا تھا اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو بدلنے کے تو یہ معنی ہیں کہ اُسکے خلاف کرے مثلاً جو بات اللہ نے واجب کی اسکو ساقط کر دے اور جو چیز اللہ نے حلال فرمائی اُسے حرام کر دے مگر جلاوطنوں کے بارے میں یہ معنی ہرگز نہیں چسپاں ہوتے کیونکہ شراب پینے پر جلاوطن کرنا اُس تعزیز میں داخل ہے۔ جس میں اجتہاد جاری ہوتا ہے اور اُسکی تفصیل یہ ہے کہ حضور انور نے شراب کی کوئی سزا مقرر نہیں کی نہ اُسکی کوئی صفت بیان فرمائی کبھی آپ نے شرابی کو لکڑی سے پٹوایا کبھی اُس کے جوتے لگوائے اور کبھی کھجور کی بیدوں سے پٹوایا۔ ہاں تہمت لگانے اور زنا کرنے کی حد میں آپ آدمیوں کو کوڑوں سے پٹوایا کرتے تھے۔ حضور کے ایک عرصہ کے بعد صحابہ اور فقہا نے تعداد مقرر کی مگر اس میں بھی بڑا اختلاف رہا کیونکہ صحابہ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے بھی مارے ہیں اور اسی بھی فقہا کے اس میں دو قول ہیں بعض کہتے ہیں چالیس سے زیادہ مارنا حد واجب ہے جیسا امام ابوحنیفہ

اور امام مالک کا قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے. بعض کہتے ہیں کہ یہ حاکم کا اختیاری امر تعزیر ہے (تعزیر اُسے کہتے ہیں جو حاکم موقع دیکھ کر کوئی جدید سزا تجویز کرے). چاہے حاکم اُسے جاری رکھے چاہے مصلحت دیکھ کے چھوڑ دے. یہ قول امام شافعی کا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے. فاروق اعظم نے کبھی شراب خوار کو سر منڈوانے کی سزا دی اور کبھی اُسے جلاوطن کر دیا جیسا آپ موقع دیکھتے تھے وہ کرتے تھے. یہ یقینی تعزیر ہی میں داخل ہے. حضور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ شراب خور کو تیسری یا چوتھی دفعہ شراب پینے پر حضور نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا. (یہ حدیث امام احمد و ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے) خلاصہ یہ ہے کہ جب جلاوطن کرنا خود حضور نے معیّن اور مقرر نہیں فرمایا بلکہ آپ حسب موقع مختلف سزائیں دیتے رہے پھر اسکی بابت یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ جلاوطن کرنے کے حکم کو عمر نے بدل دیا تھا. رافضی یہ بھی منہ آتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمر احکام سے بہت کم واقف تھے کہ انہوں نے حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تھا اس پر علی نے اُن سے کہا اس عورت کے مار ڈالنے کا تمہارے پاس اگر کوئی جواب ہو بھی تو اس بچہ کے مارنے کا جو اس کے پیٹ میں ہے تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا اس پر عمر اُس عورت کو سنگسار کرنے سے رُک گئے اور کہنے لگے کہ اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا. اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ کہانی سچی بھی ہو تو اس سے فقط سمجھ میں آتا ہے کہ فاروق اعظم کو اُس عورت کے حاملہ ہونے کا حال معلوم نہ تھا کیونکہ حاملہ کا لفظ سنتے ہی جب وہ رُک گئے اور یہ کہا کہ میں ہلاکت میں پڑنے سے بچ گیا تو عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آپ اُس حمل سے واقف نہ تھے لہٰذا احکام سے عدم واقفیت کا الزام آپ سے بالکل جاتا رہتا ہے. حضرت علی کا یہ بتانا مثل اُس شہادت کے ہے جو جج کے آگے پیش ہوتی ہے. جج چونکہ معاملات اصلی سے بالکل ناواقف ہوتا ہے لہٰذا وہ شہادتوں سے اصل معاملہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور اُسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اسی طرح بحیثیت ایک مجسٹریٹ کے حضرت عمر اُس عورت کے حمل سے ناواقف تھے حضرت علی نے اس امر کی شہادت دی کہ وہ عورت حمل سے ہے چنانچہ آپ نے فوراً اُس عورت کو سزا سے بری کر دیا اور ہاتھ تک نہیں لگایا. دوسری بات یہ ہے کہ یہ قیاس کیا جائے کہ یہ مسئلہ اُس وقت حضرت عمر کے ذہن سے نکل گیا تھا جب علی نے انہیں یاد دلایا تو یاد آ گیا اور اسی وجہ سے

وہ رُک بھی گئے یہ بھی ممکن ہے مگر اس سے حضرت عمر پر احکام کی ناواقفیت کا کوئی الزام نہیں قائم ہوتا تیسری بات یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ فرض کرلیں کہ فاروق کو یہ مسئلہ معلوم ہی نہیں تھا اور علی نے بتایا تو اس سے بھی کوئی نقص حضرت عمر کا ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ فاروق اعظم تمام مسلمانوں اور ذمیوں کا بندوبست رکھتے تھے۔ تمام حقوق ادا کرتے اور تمام حدود کو قائم رکھتے تھے۔ لوگوں میں فیصلے کرتے تھے اور اُن کے فیصلہ پر سب اپنی گردنیں جھکا دیتے تھے اُن کے زمانہ میں اسلام اس قدر پھیل گیا کہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ اُن کے احکام اور فیصلے تمام اسلامی سلطنت میں جاری تھے اگر انہیں زیادہ علم نہ ہوتا تو ایسا کبھی نہیں کرسکتے تھے پس اگر ایک لاکھ حکموں میں سے ایک حکم اُنہیں معلوم نہیں ہوا، اور پھر کسی نے معلوم کرادیا آپ بھول گئے اور کسی نے یاد دلایا تو اس میں بُرائی کی کونسی بات ہے۔ ان کے مقابلہ میں اگر ہم حضرت علی پر خیال کرتے ہیں تو یہ بات ہمیں علی الاعلان کہنی پڑتی ہے اور تواتر سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ہزارہا مسائل حضرت علی کو اپنی زندگی میں معلوم نہیں ہوئے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ حضرت عمر کے علم اور انصاف کا تو کیا کہنا آج تیرہ سو برس کے بعد نہ صرف ایشیاء کی پُرانی دنیا میں بلکہ ترقی یافتہ یورپ اور نئی دنیا یعنی امریکہ فاروق اعظم کے علم و انصاف کی اِس قدر شہرت ہے کہ کیا اور کسی کی بھی نہیں آپ کا علم اور انصاف یہاں تک تھا اور آپ بچوں پر اس قدر مہربان تھے پہلے آپ نے چھوٹے بچہ کے لئے حصہ نہیں مقرر فرمایا تھا جب تک وہ دودھ نہ چھوڑ دے اور فرماتے تھے اُسے اُس کا دودھ ہی کافی ہے۔ پھر آپ نے سنا کہ ایک عورت آپ نے بچہ کا زبردستی دودھ چھڑاتی ہے تاکہ اُسے حصہ مل جائے اس پر آپ نے لوگوں میں منادی کرادی کہ امیر المومنین نے سب بچوں کا حصہ مقرر کردیا ہے۔ خواہ وہ دودھ پیتے ہوں یا نہ پیتے ہوں۔ اب خیال کیجئے کہ اس بچہ کو ستانا اور پریشان کرنا اسکی ماں کا ایک لالچی اور وحشیانہ فعل تھا نہ کہ آپ کے فعل کی وجہ سے بچہ پر کوئی ظلم ہوا اس پر بھی آپ کی یہ رائے ہوئی کہ دودھ پیتے بچوں کیلئے حصہ مقرر کردیا جائے کہ اُن کی مائیں اُن کے ستانے سے باز آجائیں۔ پس آپ کا یہ احسان تمام مسلمانوں کی اولاد پر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب سزا سے مجرم کا بچنا ممکن نہ ہو تو مجرم کو سزا کا دینا واجب ہے اور جب مجرم کو سزا نہ دینے میں اس فساد سے بڑھ کر لازم آتا ہے جو غیر مجرم کو عقوبت

دینے میں آتا ہو تو ایسے موقع پر بڑے فساد کو رفع کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ بعض اہل طائف کو جب اُن کی سرکشی اور مظالم حد سے تجاوز کر چکے اور کسی طرح بھی وہ رستہ پر نہ آئے تو حضور انور ﷺ نے اپنے آدمیوں کو گوپے چلانے کا حکم دیا۔ وہ گوپیہ جس طرح مردوں کو لگتا تھا اُسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی لگتا تھا ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ گوپیہ ہجوم میں اس طرح مارا جائے کہ وہ مردوں کے تو لگے اور عورتیں اور بچے اُس سے بچ جائیں۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ صعب بن جثامہ نے حضور انور سے اُن مشرکوں کی بابت پوچھا جن پر شب خون مارنے کی تجویز ہو چکی تھی۔ عرض کیا گیا کہ اگر شب خون مارنے میں نادانستگی کی حالت میں بچوں اور عورتوں پر بھی زد آجائے تو اسکے متعلق کیا حکم ہے حضور نے فرمایا کہ ایسی حالت میں بچاؤ ممکن نہیں۔ اب یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت معصوم جانوں اور محفوظ مالوں پر حملہ کر بیٹھے اور اسکے حملہ کا دفعیہ سوائے اُس کے مار ڈالنے کے اور کچھ نہ ہو تو عقل انسانی اور کسی ملک کا کوئی قانون اُس کے مار ڈالنے کو نہیں روک سکتا۔ اگرچہ اُسکے پیٹ کے اندر کا بچہ کیوں نہ مر جائے۔ پس جب یہ مان لیا گیا کہ فاروق اعظم نے یہ خیال کیا تھا کہ حدود کا قائم کرنا اسی قسم کا ہے کہ اُس میں تاخیر نہ کرنی چاہئے اور پھر آپ کو معلوم ہوا کہ اس قسم کا نہیں ہے تو یہ اُس فساد سے بڑی ہوئی بات نہیں ہوئی جو حضرت علی کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدا ہوا۔ یقیناً یہ حضرت علی کی اجتہادی غلطی تھی اگر اُنہیں پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ فساد یہاں تک بڑھے گا تو کبھی نہ کرتے۔

ایک اور الزام: رافضی عام طور پر فاروق اعظم پر ایک یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ ایک دیوانی عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ جب تک اسکے ہوش وحواس درست نہ ہو جائیں۔ وہ مرفوع القلم ہے۔ اُس سے مواخذہ نہیں ہوسکتا۔ اس پر عمر رُک گئے اور یہ کہا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

جواب: رافضیوں نے حدیث میں کچھ زیادہ کتر بیونت کر کے یہ الزام فاروق اعظم پر لگایا ہے۔ یہ بات سمجھنے اور غور کرنے کی ہے کہ کیا تو فاروق اعظم کی اس عورت کا دیوانہ پن معلوم نہ ہوگا اور اس

لاعلمی سے جو اُنہیں احکام شریعت کی تھی کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اسے بھول گئے ہوں گے پھر آپ کو یاد آ گیا ہوگا یا آپکو یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ سب سزائیں دینی ضروری رفع کرنے کے ہوتی ہیں اور دیوانہ کو بھی اس لئے بھی سزا دیجاتی ہے تا کہ وہ اوروں پر زیادتی نہ کرے. زیادتی میں ضرور سزا دیجاتی ہے خواہ کوئی دیوانہ ہو یا نہ ہو زنا بھی زیادتی میں داخل ہے کیونکہ زنا اللہ کے اُن حدود میں سے ہے جو مکلف ہی پر قائم کی جاتی ہیں. اور شریعت میں نماز نہ پڑھنے پر بچوں کو سزا دینے کا حکم ہے چنانچہ حضور انور نے فرمایا ہے "**مروهم بالصلوة لسبع واضربوهم عليها لعشر فرقوا بينهم في المضاجع**" یعنی سات برس کی عمر میں اُنہیں نماز کے لئے کہو اور جب اُن کی دس برس کی عمر ہو جائے اور وہ نماز نہ پڑھیں تو) اُنہیں مارو اور علیحدہ علیحدہ سلانے لگو. اب سنو اگر دیوانہ کسی پر حملہ کرے اور وہ حملہ قاتلانہ ہو بغیر دیوانہ کے قتل کے اُسکا حملہ دفع نہ ہو سکے تو یقیناً وہ قتل کر دیا جائے گا. انسان تو انسان اگر کوئی چوپایہ بھی حملہ کرے اور بغیر اُسکے قتل کئے حملہ سے نجات نہ مل سکے تو اُسکے مارنے کی فوراً عقل شہادت دے دے گی. اگر چہ وہ جانور کسی کی ملکیت ہی کیوں نہ ہو. جمہور علماء کے نزدیک اس پر تاوان لازم نہیں آتا صرف امام اعظم رحمۃ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تاوان ضرور دینا پڑے گا. کیونکہ قاتل نے محض اپنے فائدہ کے لئے اُسے مارا ہے. اصل یہ ہے کہ غیر مکلف کو مار ڈالنا خواہ اُس میں دیوانہ ہو یا بچہ ہو یا چوپایہ ہو ایسی حالت میں کہ اسکا قاتلانہ حملہ ہو نص اور اجماع ہر طرح سے جائز ہے. اب رہی تین آدمیوں کے مرفوع القلم ہونے کی حدیث وہ تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ اُن کے ذمہ سے گناہ معاف کر دیا جاتا ہے. یہ بات نہیں ہے کہ ان پر حد بھی معاف ہو جائے ہاں ایک اور مقدمہ ملانے سے یہ معنی ہو جائیں گے اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ کہا جائے جس پر قلم نہیں ہے اس پر حد بھی نہیں ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو مرفوع القلم ہے اُس پر حد نہیں ہے لیکن یہ مقدمہ ملانا مشکل ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص پر قلم نہیں ہے کبھی حد اُسکے لگائی جاتی ہے اور کبھی نہیں لگائی جاتی اور ان دونوں میں فیصل حکم لگانا ایک علم خفی کا محتاج ہے اسکے علاوہ اگر کوئی دیوانہ ایک عورت سے زبردستی زنا کرنے لگے اور بغیر قتل ہوئے وہ عورت کو نہ چھوڑے تو اُس

عورت پر فرض ہے کہ وہ اُس کو قتل کر ڈالے تمام دنیا اس سے مخالفت نہیں کر سکتی۔ اب سنئے! حضرت علی نے ایک دفعہ امیر معاویہ کے چند سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ ان بیچاروں کو مطلق یہ نہیں معلوم تھا کہ ہمارا کیا قصور ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کس قانون نے حضرت علی کے اس فعل کو جائز قرار دے دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ خطا وار ہی تھے تو زیادہ سے زیادہ اُنکی خطا یہ ثابت ہو سکتی ہے کہ انہوں نے واجب اطاعت کو چھوڑ دیا تھا لیکن اُن میں اکثر ایسے آدمی تھے کہ اُنہیں بالکل یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علی کی اطاعت کرنی اُن پر واجب ہے یا نہیں بلکہ اسکے مقابلہ میں اُن کے پاس بہت سی تاویلیں اور شبہے ایسے تھے جو اس وجوہ کا اُنہیں علم ہونے سے صاف مانع تھے پس ایسے آدمیوں کا قتل کر دینا حضرت علی کے لئے کیونکر جائز ہوگا رافضی جبکہ حضرت علی کو معصوم مانتے ہیں۔ پھر بھی اُنکی ایسی باتوں سے کوئی نقص ان کی امامت میں تسلیم نہیں کرتے پھر فاروق کی امامت میں ایسی باتوں سے کیونکر نقص آ سکتا ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر کہ واجب کے ترک کرنے جنگ کرنا جیسا کہ حضرت علی نے کیا صرف اس صورت میں مشروع ہے کہ اُس واجب کے ترک کرنے کے فساد سے جنگ کرنے کا فساد بہت ہی کم ہو اور جنگ کرنے میں اس سے بہت ہی بڑی مصلحت ہو جو جنگ نہ کرنے میں ہے حالانکہ یہاں بالکل ہی اُلٹا قصہ ہے کیونکہ حضرت علی نے جو بعض اسلامی قبائل سے جنگ کی اُن جنگ سے وہ اطاعت بالکل حاصل نہیں ہوئی جو اس جنگ سے مطلوب تھی بلکہ ایسی لڑائیوں سے حضرت علی کے بہت سے مسلمان مخالف ہو گئے خود اُن کی فوج حضرت علی کی ایسی باتوں سے سخت نالاں تھی۔ اسی ناراضگی کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ اُن کی فوج سے علیحدہ ہو گیا جسکا نام بعد ازاں خارجی رکھا گیا۔ حالانکہ ان فسادوں سے پہلے یہی لوگ جنہیں خارجی کہہ کر پکارا جاتا ہے حضرت علی کے جان نثار اور فرمانبردار تھے۔ اور اگر رافضی یہ کہیں کہ حضرت علی اس بارے میں مجتہد تھے اور اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانے کے بعد اُن کا مطلب حاصل ہو جائے گا۔ پھر اس خوفناک فعل کے بعد یہ مطلب بھی حاصل نہ ہوا تو بتاؤ ایسا اجتہاد ناقابل معافی جرم کی حد تک پہنچتا ہے یا نہیں حضرت فاروق اعظم پر صرف ایک شخص کے قتل کرنے کے لئے تو اتنا واویلا مچایا جاتا ہے حالانکہ اُس کے قتل

کرنے کی بڑی مصلحت یہ تھی کہ بدافعالیوں سے لوگوں کو سرزنش ہوگی لطف یہ ہے فاروق اعظم نے اس مخص کو بھی قتل نہیں کیا بلکہ اس کے قتل کا ارادہ کر کے اُسے سلامت چھوڑ دیا۔ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر یہ اعتراض کرنا اور اُنہیں طول دینا محض لغو اور بیہودہ بات ہے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ حاکم کو حدود جزویہ کے احکام کے معلوم کرنے کی بہ نسبت سیاست کے اُن احکام کی زیادہ ضرورت ہے جو کلیہ ہوں فاروق اعظم پر یہ بات ہرگز پوشیدہ نہ تھی کہ مجنون مکلف نہیں ہوتا. ہاں بحث یہ تھی کہ جو مخص مکلف نہ ہو اُسے دفع فساد کے لئے سزا دے سکتے ہیں یا نہیں. سنئے! شریعت میں دفع فساد کے لئے بہت سی جگہ غیر مکلفوں کو سزا دی گئی ہے اور امن عامہ قائم رکھنے کے لئے عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ سزا دی جائے. وہ لڑکا جسے خضر نے مار ڈالا تھا بالغ نہیں تھا۔ اور اُسے خضر نے صرف اس لئے مارا تھا کہ وہ اپنے والدین پر حملہ نہ کرے اور حضور کا یہ فرمانا رَفَعَ الْقَلَمَ عن الصبی حتی یحتلم و المجنون حتی یفیق و النائم حتی یستیقظ یہی چاہتا ہے کہ اُن کے ذمہ سے گناہ تو مرفوع ہو جاتا ہے. ہاں تاوان کسی صورت سے نہیں ٹل سکتا۔ اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے. اب اگر یہ تینوں کسی آدمی کو مار ڈالیں یا کسی کا مال تلف کر دیں تو یہ قطعی اس کے ذمہ دار ہوں گے اور ان سے تاوان دلانا واجب رہے گا۔ اب دوسری صورت لیجئے کہ جب کوئی ان میں سے چوری یا زنا یا رہزنی کرے تو انہیں سزا دیجائے گی. یہ ایک اور دلیل سے معلوم ہوا ہے جو اس حدیث سے بالکل الگ ہے اسی واسطے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجنون اور اُس لڑکے پر جسے کچھ تمیز نہ ہو عبادت بدنیہ نہیں جیسے نماز، روزہ، حج، مگر ساتھ ہی اُس کے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اُن کے ذمہ مالی حقوق واجب ہیں جیسے نفقات اور جو چیزیں یہ خرید لیں اُن کی قیمتیں اُنہیں ادا کرنی لازمی ہیں. ہاں زکوۃ میں فقہا کا اختلاف ہے. مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ زکوۃ بھی مکلف ہی پر واجب ہوتی ہے۔ جیسے نماز مگر جمہور علما مثلاً امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ زکوۃ حقوق مالیہ میں سے ہے جیسے عشر اور عید الفطر کا صدقہ اس لئے بچوں پر زکوۃ دینی واجب ہے یہی قول جمہور صحابہ کا بھی ہے. اصل یہ ہے کہ جب غیر مکلف کے حق میں واجبات بھی مشتبہ ہوں اسی طرح بعض سزائیں بھی مشتبہ ہیں کہ وہ انہیں دیجائیں یا نہ

دیجائیں کیونکہ بعض واجبات تو ایسے ہیں جو اُن کے ذمہ بالاتفاق واجب ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اُن کے ذمہ بالاتفاق واجب نہیں. اور بعض مشتبہ میں بس اسی طرح سزاؤں کا بھی حال ہے کہ بعض موقعوں پر اُنہیں بالاتفاق سزا نہیں دی جاتی جیسا اسلام پر قتل کرنا کیونکہ مجنون اسلام کے لئے قتل نہیں کیا جاتا. اور بعض موقع میں اُنہیں سزا دی جاتی ہے. جیسے اُن کے حملہ اور ظلم سے بچنے کے لئے اُنہیں مارنا. یہ اچھی طرح سمجھ لو اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا کہ غیر مکلف مثل اُس لڑکے کے ہے جسے فحش فعل پر دھمکانے کی غرض سے سزا دی جائے اسی طرح مجنون بھی اگر کوئی کام ایسا قابل سزا کرے تو اُسے بھی دھمکانے کے طور پر سزا دینی چاہیے. یہ سب باتیں شریعت ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ امر ظاہر امور میں سے نہیں ہے. یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی مسئلہ کسی کو نہ معلوم ہوتو اس پر اعتراض ہونا اس لاعلم کی کسر شان نہیں ہو سکتی بہت سے مجنون ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ اُنہیں کسی وقت افاقہ بھی ہو جاتا ہے اور بالکل صحیح الدماغوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں. اُن کے کسی قول وفعل سے اُنہیں کوئی شخص دیوانہ نہیں سمجھ سکتا یہ ممکن اور قرین قیاس ہے کہ فاروق اعظم نے یہ خیال کیا ہو کہ اس عورت سے حالت صحت میں زنا کیا۔ مجنون کا لفظ عام ہے. جنون مطبق اور جنون خانق دونوں پر بولا جاتا ہے. جنون مطبق وہ ہے جسے کسی وقت بھی فاقہ نہ ہوتا ہو اور جنون خانق وہ ہے کہ کبھی افاقہ بھی ہو جاتا ہو اس لئے فقہا مجنون کی یہ دونوں قسمیں بیان کرتے ہیں. عملی تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنون مطبق بہت کم ہوتا ہے اور جنون خانق ہی زیادہ دیکھا گیا ہے. بات یہ ہے کہ رافضیوں نے جس قدر الزام فاروق اعظم پر لگائے ہیں اُن سے دو باتیں پائی جاتی ہیں. کہیں تو آپ کا علمی نقص ثابت کرنے کی غرض ہے اور کہیں دینی نقص. مثلاً حضرت بی بی فاطمہ کو فدک وغیرہ نہ دینے اور حدود وغیرہ کو چھوڑ دینے کی بابت جو بیان کیا ہے اُس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ فاروق اعظم منصف نہ تھے بلکہ ظالم تھے. حالانکہ آج تیرہ سو برس ہوئے دنیا کے مختلف قوموں کے لکھے پڑھے آدمی فاروق اعظم کے انصاف کے ایسے قائل ہیں کہ وہ اپنے کسی پیشوا کے انصاف کی بھی اتنی تعریف نہیں کرتے. آپ کے انصاف کا ڈنکہ تمام دنیا میں اب تک بج رہا ہے اور خود اُس زمانہ میں بھی بچہ بچہ

آپ کے انصاف پر آپ کا ثنا خواں. یہاں تک کہ آپ کا انصاف ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا تھا. کتاب سیرۃ العمرین میں یہ ساری باتیں مشرح طور پر مندرج ہیں. خیال تو کیجئے کہ خوارج جنہیں تعصب میں سب سے بڑھا ہوا مانا جاتا ہے. وہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دل و جان سے قربان تھے اور حضرت علی کے قرن اولی کے شیعہ صرف اتنا تو کرتے تھے کہ شیخین پر حضرت علی کو فضیلت دیتے ہیں ابوبکر بن عبدالرحمٰن عبداللہ عقبہ سلیمان بن یسار، خارجہ بن زید، سالم بن عبداللہ بن عمر وغیرہ اور ان کے بعد ابن شہاد زہری یحییٰ بن سعیدہ، ابوالزناد، ربیعہ، مالک بن انس ابن ابی ذئب عبدالعزیز ماحشبون وغیرہ. پھر طاؤس یمانی، مجاہد، عطار، سعید بن جبیر، عبید بن عمیر، عکرمہ بن عباس پھر عمر بن دینار، ابن جریح، ابن عینیہ. پھر حسن بصری محمد بن سیرین، جابر بن زید، ابی الشعثاء مطرف بن عبداللہ بن شخیر پھر ایوب سجتانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، قتادہ، سعید بن ابی عروبہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید اور ان کے امثال جیسے علقمہ، اسود، قاضی سریح اور ان کے امثال. پھر ابراہیم نخعی، عامر شبعی، حکیم بن عتیبہ، منصور بن معتمر، سفیان ثوری، ابوحنیفہ، ابن ابی لیلی شریک، وکیع بن جراح، ابویوسف، محمد بن حسن اور ان کے امثال پھر احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ، ابوعبیدہ قاسم بن سلام، حمیدی عبداللہ بن زبیر، ابوثور، محمد بن نصر مروزی، محمد بن جریر طبری، ابوبکر بن منذر ان کے علاوہ علمائے مسلمین اتنی بڑی تعداد ہے کہ انکے شمار کرنے کے لئے ضخیم کتابوں کی کئی جلدیں چاہیں یہ کل علماء متفق اللفظ حضرت فاروق اعظم کے انصاف اور علم کے دل و جان سے مقر اور ثنا خواں ہیں. ان میں سے بہت سے علما نے فاروق اعظم کے مناقب علیحدہ بھی بیان کئے ہیں کیونکہ آپ کے بعد ایسا انصاف اور علم پھر کبھی اسلامی دنیا میں نہیں دیکھا گیا. عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ تم اپنی مجالس عمر کے ذکر سے رونق دیا کرو اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اہل فراست تین آدمی ہیں ایک صاحب مدین کی صاحبزادی جس وقت انہوں نے یہ کہا یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجر القوی الامین اور ایک خدیجۃ الکبری اور ایک ابوبکر جنہوں نے حضرت عمر کو خلیفہ کیا. یہ علما جن کے نام اوپر ذکر ہوئے ہیں اس بات کو خوب جانتے تھے کہ فاروق اعظم کا انصاف اُن اشخاص

کے انصاف سے بے شک زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ جو آپ کے بعد خلیفہ بنائے گئے اسی طرح آپ کا علم بھی اُن لوگوں سے زیادہ تھا واقعی فاروق اعظم اور اُن کے بعد والے حاکموں کی سیرت میں تفاوت ہونا ایک ایسا امر ہے جسے عام و خاص سب جانتے ہیں کیونکہ یہ اعمال ظاہرہ اور سیرت بینہ ہے۔ اس میں فاروق اعظم کی نیک نیتی، قصدِ انصاف، عدم غرض اور حرص و ہوا کا قلع قمع ایسا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کے لئے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی واسطے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فاروق اعظم سے فرمایا تھا مارا ک الشیطان سالگا فجا الاسک فی غیر فجک لاشیطان انما یستطیل علی الانسان بھواہ و عمر قمع ھواہ اور حضور نے فرمایا لو لم اُبعث فیکم لبعث فیکم عمر. یعنی اگر تمہارے پاس میں پیغمبر ہو کے نہ آتا تو تمہارے لئے عمر کو پیغمبر بنا کے بھیجا جاتا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے ان اللہ ضرب الحق علی لسانہ عمر و قلبہ دوافق ربہ فی غیر واحلۃ فنزل فیھا القران بمث ماقال. یعنی اللہ نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو جما دیا ہے اور بہت سی باتوں میں اُس نے اپنے پروردگار کی موافقت کی ہے جس طرح اُنہوں نے کہا اُسی طرح قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ ابن عمر فرماتے ہیں ہم یہ کہا کرتے تھے عمر کی زبان پر سکینہ بولتی ہے ہمارا یہ کہنا آپ کے علم اور انصاف کے کمال ہی کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا اس کا سبب یہ ہے کہ تمام پیغمبر علم اور انصاف ہی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں پس جو شخص علم و انصاف میں پورا ہو وہی پیغمبروں کے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ صفتیں فاروق اعظم میں سب سے زیادہ ظاہر و باہر ہیں۔ اب رہا فاروق اعظم کا علم تو یہ اُن کی رائے دینے اور مسلمانوں کی تمام مصلحتوں سے واقف ہونے اور ان کے دینی و دنیاوی نفع ونقصان کو جاننے سے خود معلوم ہو جاتا ہے اور بالمقابل قولوں کا موازنہ کرنے سے بھی صاف ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ اختلاف مسائل میں فاروق اعظم کے قول کا نصوص کے موافق ہونا عثمان اور علی سب سے زیادہ ہے اسی لئے اہل مدینہ فاروق اعظم کے قول کی طرف زیادہ مائل ہیں اُن کا مذہب تمام شہروں کے مذاہب سے راجح ہے کیونکہ قرون ثلثہ میں حضور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے جاننے والے اہل مدینہ سے زیادہ اسلامی شہروں میں اور کسی

شہر کے آدمی نہ تھے اور ان سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ علی کے قول سے عمر کا قول بے شک مقدم ہے۔ یہ تو یہ رہے، کوفیوں میں بھی پہلے طبقہ کے لوگ فاروق اعظم کے قول کو حضرت علی کے قول پر مقدم سمجھتے تھے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں اور یہی لوگ کوفیوں میں افضل شمار ہوتے ہیں مثلاً قاضی شریح اور عبیدہ سلمانی وغیرہ عمر کے قول کو اکیلے علی کے قول سے ہمیشہ مقدم رکھتے تھے عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ جب کبھی میں عمر کو دیکھتا ہوں تو مجھے یہی خیال ہوتا ہے کہ عمر کے سامنے کوئی فرشتہ رہتا ہے جو ہر وقت انہیں ہر بات میں راستی پر رکھتا ہے۔ شبعی نے علی سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو کچھ بعید نہیں سمجھتے کہ عمر کی زبان پر سکینہ بولتی ہے۔ خدیفہ بن یمان کا قول ہے کہ عمر کے زمانہ میں اسلام مثل آنے والے آدمی کے تھا کہ اُسکا قرب ہی بڑھتا جاتا تھا۔ اور جب وہ شہید ہو گئے تو اسلام اُس آدمی طرح ہو گیا جو واپس جاتا ہے اور اب اسکا بعد ہی بڑھتا جاتا ہے۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ جب سے عمر مسلمان ہوئے تھے روز بروز ہماری عزت بڑھتی چلی گئی یاد رکھو کہ جب نیکوں کا ذکر ہو تو عمر کا ذکر ضرور کیا کرو کیونکہ ان کا مسلمان ہونا مسلمانوں کی مدد تھی اور انکا امام ہونا اسلام کی فتح۔ پھر فرمایا کہ عمر کتاب اللہ کے ہم سب سے بڑے عالم تھے اللہ کے دین کو ہم سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور سب سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والے تھے۔ پھر فرمایا بے شک میں خیال کرتا ہوں کہ جس وقت عمر شہید ہوئے وہ علم کے نوحصے اپنے ساتھ لے گئے۔ جب لوگوں میں اختلاف تھا تو مجاہد کہا کرتے تھے کہ جھگڑو نہیں بلکہ پہلے یہ دیکھو کہ عمر نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ پس تم اسی فیصلہ پر کار بند ہو جاؤ۔ ابو عثمان نہدی کہا کرتے تھے کہ عمر بیشک ایک میزان ہیں جو ایک تلی ہوئی بات فرمادیا کرتے ہیں اور وہ حق پر مبنی ہوتی ہے۔ فاروق اعظم کے اور ہزاروں فضائل ہیں۔ جنکا یہاں ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری ہے بیسوں کتابیں خاص اس بارے میں موجود ہیں۔ یاد رکھو کہ وہ جھوٹے قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ یہ آثار ان کتابوں میں اعلیٰ درجہ کی سندوں کے ساتھ ثابت اور موجود ہیں۔

فاروق اعظم پر ایک اور الزام: رافضی یہ طعن کرتے ہیں کہ ایک دن عمر نے اپنے خطبہ

میں کہا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کا مہر زیادہ بڑھائے گا تو میں اس مہر کو لیکر بیت المال میں داخل کر دوں گا. یہ سنتے ہی مجمع میں ایک عورت بول اُٹھی عمر تم ایسی چیز سے ہمیں کیوں مرحوم کرتے ہو. جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں عطا کی ہے. مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا .
اس پر عمر بولے کے عمر سے تو ہر ایک شخص زیادہ فقیہ ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی.

جواب: یہ فاروق اعظم کے کمال فضل اعلے درجہ کی دینداری اور انتہا درجہ کے تقوے کی صاف دلیل ہے اور اس بے نفسی اور انصاف کی بھی کھلی ہوئی شہادت موجود ہے کہ جب آپ کو حق معلوم ہوجاتا تھا بغیر کسی ردوکد کے علی الاعلان اُس کا اعتراف کر لیتے تھے. اور فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے اور آپ کو بالکل اسکی پرواہ نہ تھی کہ آپ ایک بچہ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں یا ایک بڑھیا کے سامنے خواہ وہ غلطی کسی ادنے ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو. اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اگر کسی ادنے اور معمولی شخص کو کسی بات کا علم ہوا اور وہ ایک بڑے آدمی کو بتادے تو اس کا مرتبہ کبھی اُس سے افضل نہیں ہوسکتا. دیکھو ہدہد نے سلیمان علیہ السلام سے یہ کہا تھا بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ وَجِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَقِیْنٍ یعنی میں نے وہ چیز معلوم کرلی جو تمہیں نہیں اور میں تمہارے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں. اسی طرح حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے جو قرآن مجید میں درج ہے خضر کو ایک عرصہ تک حضرت موسیٰ کا معلم بنایا گیا۔ مگر اس پر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ خضر موسیٰ سے افضل تھے. حضرت موسیٰ کی فضیلت خضر پر اس سے مسلم ہے کہ آپ کے ماتحت بہت سے انبیاء تھے جیسے ہارون یوشع، داؤد، سلیمان وغیرہ یہ انبیاء بجائے خود خضر سے بدرجہا افضل ہیں.

اب سُنئے! فاروق اعظم کے خیال میں مہر کے متعلق جو حکم آیا وہ اس قسم کا ہے کہ ہر فاضل سے فاضل مجتہد کو بعض اوقات پیش آجاتا ہے کیونکہ مہر میں اللہ تعالے کا حق ہے مہر قیمت اور اُجرت کی قسم میں سے نہیں ہے اس وجہ سے کہ مال اور نفع مباح کرنے سے مباح ہوجاتا ہے اور بغیر کسی بدلہ کے اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہوتا ہے لیکن بضع (یعنے عورت کی شرمگاہ) فقط مباح کرنے سے مباح نہیں ہوتی. اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نکاح بغیر مہر کے جائز نہیں ہوتا. ہاں صرف حضور انور ﷺ اس سے مستثنےٰ ہیں. ہاں ایک صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت نہ تو مہر مقرر کیا جائے اور نہ مہر

کا نام لیا جائے تو نکاح تو درست ہو جاتا ہے مگر پھر مہر مثل واجب ہوتا ہے پس اگر مہر مقرر کیے جانے سے پہلے شوہر مر جائے تو اس میں صحابہ اور فقہا کے دو قول ہیں ایک یہ کچھ واجب نہیں اور یہ حضرت علیؓ اور اُن کے متبعین کا مذہب ہے جیسے امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ. دوسرا قول یہ ہے کہ مہر مثل واجب ہوتا ہے اور یہ مذہب عبداللہ بن مسعود کا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا بھی ہے. اور دوسرے قول کے مطابق امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے. بروع بنت واشق کے بارہ میں حضور انور حضور رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا تھا پس یہ حضور انور رسول اللہ کا فیصلہ ہے. مگر فاروق اعظم نے اپنا قول نص کے خلاف نہیں رکھا کیونکہ آپ کا حال اُن لوگوں کے حال سے بدرجہا کامل ہے جو اپنے قول کو نص کے خلاف رہنے دیتے ہیں اور جب مہر میں اللہ کا حق ہو تو اب شرع سے ٹھہرایا جانا اس کا ممکن ہے جیسے کہ زکوۃ اور فدیہ وغیرہ. اسی واسطے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہ مذہب ہے کہ مہر کم سے کم چوری کے نصاب کے ساتھ محدود ہے یعنی اس سے کم نہ ہونا چاہیے اور چوری کا نصاب دس درہم ہے کہ اس سے کم چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور جب اس مذہب کی پابندی نہ کی گئی. اور مہر دس درہم سے بھی کم باندھ دیا تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ مہر اس سے زیادہ بھی مقرر کر دینا جائز ہے مگر ساتھ ہی اسکے سنت رسول کا خیال ضرور رکھا جائے گا یعنی جو کچھ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیبیوں اور صاجزادیوں میں کیا ہوگا اُس سے بڑھنا جائز نہ ہوگا اور جب مان لیا گیا کہ یہ جائز نہیں ہے تو اگر اب مہر میں زیادتی ہوئی تو یہ ایسے آدمی کے لئے خرچ کی گئی ہے جو اس کا مستحق نہیں ہے لہٰذا نہ دینے والا اپنے حصول مقصد کے لئے اسکو دے سکتا ہے.
اور نہ لینے والا مستحق نہ ہونے کی وجہ سے اُسکو لے سکتا ہے اس لئے یہ رقم بیت المال میں داخل کر دی جائے گی جیسا کہ فقہا میں سے ایک گروہ کا قول ہے کہ دوسرے کے مال سے تجارت کرنے والا نفع کو خیرات کرتا رہے اور یہی مذہب امام اعظم اور ایک روایت میں امام احمد کا ہے. خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ اپنے اجتہاد کو جاری بھی کر دیتے یہ اوروں کے اس اجتہاد سے کچھ زیادہ ضعیف نہ تھا جو اُنھوں نے جاری کر دیا تھا. اسکے بعد جب آپ نے جاری بھی نہیں کیا تو کس شخص کی مجال ہے کہ آپ پر اعتراض کی زبان کھولے. اور اللہ کے اس قول کو وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا کے معنی بہت

سے لوگوں نے مختلف کئے ہیں اُن کا خیال ہے کہ یہ مبالغہ کے طور پر کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے بارہ میں علماء نے کہا ہے التمس ولو خاتما من حدید یعنی ایک نکاح کرنے والے سے حضور نے فرمایا تھا کہ مہر میں دینے کے لئے کچھ تلاش کر کے لے آ اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی حضور نے مبالغہ کے طور سے فرمادیا تھا۔ لہٰذا جب مہر کے ادنے درجہ کے مقرر کرنے والے ایسی حدیثوں کی تاویل کرتے ہیں تو مہر کے اعلے کے مقرر کرنے والوں کے لئے بھی ویسی ہی تاویل کرنی جائز ہے۔ اور اگر اس میں مستحق عورت کو اسکے حق سے محروم کرنا ہے تو اسی طرح مفوضہ کو بھی اُس کے حق سے محروم کرنا ہے جو حضور انور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق مستحق ہو چکی ہے جسے حضرت علی نے محروم کیا اور پھر ہمیشہ اسی پر کار بند رہے اور اسی کا فتویٰ دیتے رہے اور فاروق اعظم باوجود اسکے بھی اس پر مصر نہیں رہے اور فوراً حق کی طرف رجوع کر لیا اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا۔ کہ اللہ کی تائید اور ہدایت جو فاروق اعظم کے لئے تھی وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جو اوروں کے لئے تھی اور فاروق اعظم کے وہ ضعیف اقوال جن سے آپ نے رجوع کر لیا اور ان پر مصر نہیں رہے۔ اوروں کے ان ضعیف اقوال سے بہت بہتر ہیں جن سے انہوں نے رجوع بھی نہیں کیا ہاں یہ بات بھی مسلّم ہے کہ اللہ تعالے اس امت کی خطا بخش دیتا ہے اگر چہ اس امت کے لوگ اس سے رجوع بھی نہ کریں پھر ایسے شخص کی خطا کیوں نہ بخشی جائے گی جس سے اُس نے رجوع بھی کر لیا۔ بہت سے موقعوں میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے سلف کے اجتہاد متاخرین کے اجتہادوں سے بدرجہ کامل ہوتے ہیں اور ان کا صواب متاخرین کے صواب سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی طرح ان کی خطا متاخرین کی خطا سے بہت ہی خفیف شمار ہوتی ہے۔ صحابہ اور تابعین میں سے جو لوگ نکاح متعہ کے درست ہونے کے قائل ہوئے ہیں اُنکی خطا کم شمار ہونے کی اُن لوگوں کی خطا کی نسبت جو متاخرین میں سے محلل لہ کا نکاح درست ہونے کے قائل ہوئے ہیں بیس وجھوں سے بھی زیادہ ہیں۔ اسی طرح مفقود شوہر کے متعلق ہے مثلاً جب کسی عورت کا مفقود شوہر آ جائے تو اُسے اختیار دے دیا جائے گا کہ یا تو اپنی بیوی کو لے لے یا اسکا مہر دے دے۔ اس میں صحابہ کا اختلاف ہے بعض اس سے انکار کرتے ہیں اور بعض اس کے مقر

ہیں۔ مگر صحابہ ہی کا قول اصول شرع کے موافق ہے اسی طرح اہل قبلہ سے قتال کرنے کی بابتہ جو حضرت علی نے رائے دی تھی تو اُس میں بے شک حضرت علی ہی صواب پر تھے نہ کہ وہ خوارج وغیرہ جنھوں نے اسکا انکار کیا تھا قسموں، نذروں، طلاق اور خُلع کے مسائل میں صحابہ میں سے ابن عباس وغیرہ نے جو فتوے دیے تھے تو ان مسائل میں انہیں لوگوں کا فتویٰ ٹھیک تھا نہ متاخرین میں سے اُن لوگوں کا جنھوں نے ان کی مخالفت کی تھی. خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ ساری امت سے زیادہ عالم ساری امت سے زیادہ فقیہ اور ساری امت سے زیادہ دیندار تھے کوئی کسی چیز میں اُن کے برابر نہیں ہوسکتا امام شافعیؒ نے کیا اچھا فرمایا ہے۔ ھم خوقنانی کل علم وفقه ودین وھدی وفی کل سبب نیال به و علم وھدی ورائم لناخیر من أنا الانفساء. یعنی صحابہ علم فقہ مسائل اور ہر قسم کی ہدایت میں ہم سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر ایسے سبب میں بھی جس سے علم اور ہدایت حاصل ہو اور ان کی رائے ہمارے حق میں اپنے لئے رائے دینے سے بہتر ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اصول سنت ہمارے لیے یہی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ طریقہ پر تھے ہم اُسی پر عملدرآمد رکھیں۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے اے لوگو اگر کوئی تم سے کسی کا طریقہ لینا اور اختیار کرنا چاہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو مر چکے ہیں کیونکہ زندوں پر تو اُن کے فتنہ فساد میں پڑ جانے سے کچھ اطمینان نہیں رہا یہ لوگ جو مر چکے ہیں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے. ساری امت میں افضل اُن کے دل تمام بُری باتوں سے پاک اور صاف تھے وہ علم میں سب سے زیادہ تھے اور تکلف کرنے میں سے کم. وہ ایسے لوگ تھے کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ رکھنے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے پسند کیا تھا لہٰذا تم اُن کے افضل ہونے پر یقین رکھو اور اُن کے آثار اور طریقوں کی پیروی کیا کرو اور تم سے جہاں تک ہو سکے اُن کے اخلاق اور اُن کے دین پر رہو کیونکہ وہ بیشک مستقیم ہدایتوں پر تھے. حذیفہ کا قول ہے کہ اے قاریوں کی جماعت تم مستقیم رہو اور اُن لوگوں کا طریقہ کار اختیار کرو جو تم سے پہلے تھے قسم ہے اللہ کی اگر تم مستقیم رہے تو سبقت کر جاؤ گے اور اگر ادھر اُدھر بھٹک گئے تو بالکل گمراہ ہو جاؤ گے۔

فاروق اعظم پر ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عمر نے شراب کے مقدمہ میں قدامہ

پر حد نہیں لگائی تھی کیونکہ قدامہ نے اُن کے سامنے یہ آیت پڑھ دی تھی لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا (المائدہ:۹۳) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اُن پر اس چیز میں کچھ گناہ نہیں کہ وہ اس کو کھائیں جبکہ اُنہوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لائے۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا اے امیر المومنین یہ قدامہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جنکا اس آیت میں ذکر ہے تو اس پر عمر نے حد لگانے کا ارادہ کرلیا لیکن عمر کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس پر کتنی حد لگائیں تب امیر المومنین یعنی حضرت علی نے یہ بھی بتادیا کہ اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ کیونکہ جب شرابی نے شراب پی لی تو اس کا نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا تو وہ ضرور بڑ مارے گا۔ اور جب بڑ مارے گا تو اس میں افتراء بھی باندھے گا اس لئے اس پر اسی (۸۰) کوڑے واجب ہیں۔

جواب: یہ الزام جو فاروق اعظم کے ذمہ لگایا ہے محض غلط مہمل اور بے معنی ہے اور ایسا صریح جھوٹ ہے کہ اسکے لیے دلیل دینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ خود فاروق اعظم اور ان سے پہلے صدیق اکبر شراب کے معاملہ میں بہت سی دفعہ حد لگا چکے تھے کبھی چالیس کوڑے کبھی اسی۔ کبھی فاروق اعظم نے سر منڈوا کے شرابیوں کو شہر میں پھرایا اور کبھی جلا وطن بھی کردیا کبھی لکڑیوں سے پٹوایا کبھی جوتیوں سے اور کبھی ہاتھوں سے اب رہا چالیس کوڑوں کا معاملہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا چالیس ہی کوڑے ہوں یا اسی۔ اختلاف یہ ہے کہ آیا یہ حد ہے جسکا قائم کرنا واجب ہو یا یہ تعزیر ہے کہ اس کا دارومدار حاکم کی رائے پر ہے اور احوال کے مختلف ہونے پر اس میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ حد میں داخل ہے اور اسی تک پوری حد ہوتی ہے اور رہی تہمت کی حد ہے۔ اس قول کے قائل یہ دعوے کرتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تھا۔ اور جہاں چالیس کوڑوں کا مارنا نقل کیا گیا ہے اُسکے ساتھ یہ بات ضرور بیان کی گئی ہے کہ چالیس کوڑے اس کوڑے سے مراد تھی جسکے دو تسمے ہوتے تھے۔ اس لئے وہ چالیس اسی کے قائم مقام شمار ہوگئے یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ کا ہے اور اسی کو خرقی اور قاضی ابو یعلی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سے زیادہ مارنے جائز ہیں اور وہ ضروری حد نہیں یعنی وہ

حد میں داخل نہیں ہیں. یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور ابوبکر اور ابو محمد وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ قول زیادہ قوی ہے کیونکہ صحیح میں حضرت علیؓ سے ثابت ہے کہ آپ نے ولید کو چالیس کوڑے لگوائے تھے اور یہ فرمایا تھا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے بھی چالیس ہی لگوائے تھے ابوبکر و عمر نے اسی لگوائے ہیں یہ سب فعل سنت ہیں اور مجھے زیادہ پسند ہیں۔ صحیحین میں انس سے مروی ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دربار میں ایک ایسا شخص پکڑا ہوا آیا جس نے شراب پی لی تھی. حضور نے اُسے چالیس جوتے لگوا کے چھوڑ دیا پھر وہی شخص صدیق اکبر کے پاس گرفتار ہو کر آیا انہوں نے بھی یہی عمل کیا پھر فاروق اعظمؓ کے دربار میں شراب خوری کی حالت میں لایا گیا تو آپ نے حدود کے بارہ میں لوگوں سے مشورہ لیا. اس پر ابن عوف نے کہا کہ حدود میں کم سے کم اسی کوڑے ہیں اس پر فاروق اعظم نے اُسے اسی کوڑے پٹوا کے چھوڑ دیا. دوسری وجہ ہے کہ اس میں کوڑوں کے علاوہ اور چیزوں سے بھی مارنا جائز ہے جیسے لکڑیاں جوتے، ہاتھ، اور کپڑوں کے کوڑے جب مارنے کی کیفیت معین نہ ہوئی بلکہ اس میں مجتہد کے اجتہاد پر دارومدار رہا تو اسطرح مارنے کی کیفیت معیّن نہ ہوئی بلکہ اس میں مجتہد کے اجتہاد پر دارومدار رہا تو اس طرح مارنے کی مقدار بھی معیّن نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے کہ شرابیوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں. کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے چوتھی دفعہ شراب پینے پر ایک شخص کے قتل کا حکم دے دیا تھا. بعض کہتے ہیں کہ حکم منسوخ ہو چکا بعض کہتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے بعض کہتے ہیں یہ تعزیر ہے اگر ایسی ضرورت پڑے تو اس وقت اسکے جائز ہونے میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہوگی اب سنئے! قدامہ کا قصہ ابو اسحٰق جوز جانی وغیرہ نے ابن عباس کی حدیث نقل کی ہے کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی تھی فاروق اعظم نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کیوں شراب پی ہے اس نے جواب دیا دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (المائدہ:۹۳) یہ آیت پڑھ کے پھر وہ کہنے لگا میں اہل بدر کے مہاجرین اوّلین میں سے ایک ہی ہوں. اس پر فاروق اعظمؓ نے حاضرین سے خطاب کر کے کہا کہ اس کا کچھ جواب ہے

لیکن کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر فاروق اعظم نے ابن عباس کو حکم دیا کہ تم اِسے جواب دو ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت تو اللہ تعالی نے ان لوگوں کے عذر میں نازل فرمائیں ہے۔ جنھوں نے شراب حرام ہونے سے پہلے پی تھی شراب حرام ہونے کے بعد جو حکم نازل فرمایا ہے وہ یہ ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ:۹۰) یہ سب پر حجت ہے اب کوئی اسکے خلاف نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد فاروق اعظم نے حد کو پوچھا تو علیؓ بن ابوطالب نے کہا کہ جب کسی نے شراب پی لی تو وہ ضرور بکواس پر کریگا اور جب بکواس کرے گا تو اتہام بھی باندھے گا. یہ سُن کے فاروق اعظم نے اُسکے اسی کوڑے لگوائے. اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے یہ اسی کوڑے لگوائے گئے. مگر اس کے خلاف صحیح میں یہ بات ثابت ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کے سامنے ولید بن عقبہ کے کوڑے لگوائے تو ان کی تعداد چالیس سے زیادہ نہیں تھی اور اسی کوڑوں کے لگوانے کی نسبت حضرت عمر کی طرف دے دی. صحیح میں ایک جگہ یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اسی کوڑوں کا مشورہ دیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف کے مشورہ سے حضرت عمر نے اسی کوڑے لگوائے. پھر حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے کبھی اپنی خلافت میں اسی کوڑے لگوائے کبھی چالیس کوڑے، حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی آدمی حد لگنے کی وجہ سے مرجائے تو مجھے شرابی کے سوا اور کسی کا خیال نہیں ہوتا شرابی کے مرنے پر میں ضرور خون بہالوں گا کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے شرابی کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہیں فرمائی. اب رہی یہ بحث کہ اگر وہ شرابی چالیس کوڑوں کے اندر مرجائے تو اس وقت بھی اس کا خون بہا لازم آئے گا یا نہیں؟ اس میں صحابہ و فقہا کا اختلاف ہے جمہور کا قول تو یہ ہے کہ اگر چالیس سے زیادہ کوڑے مارے جائیں اور اس میں شرابی کا دم نکل جائے تو مارنے والے پر تاوان لازم نہیں آنے کا یہی مذہب امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد وغیرہ کا ہے مگر امام شافعی کا قول ہے کہ نہیں تاوان دینا پڑے گا پھر اس بارہ میں اُن کے دو قول ہیں ایک یہ کہ نصف خون بہا دینی پڑے گی کیونکہ آدمی دو قسم کے فعل سے تلف ہوا

ہے جن میں ایک قابل تاوان نہیں ہے. یعنی چالیس سے زیادہ کوڑے لگانا. امام شافعی کا یہی قول ہے کہ خون بہا کوڑوں کی کل تعداد پر بانٹ دیا جائے. پس چالیس سے زیادہ ہونے کی مقدار میں اسکے مطابق خون، بہا لازم ہوگا امام شافعی نے اُس مسئلہ کا دارومدار اُس پر رکھا ہے کہ یہ زیادتی غیر مقدر تعزیر ہے اور امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جو شخص غیر مقدار سزا میں مرجائے تو اسکا ضمان دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے تلف ہونے سے تعزیر دینے والے کی زیادتی ظاہر ہوگئی. جمہور میں بعض امام صاحب کے دونوں اُصول سے مخالف ہیں بعض ایک سے چنانچہ امام اعظم امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اسی کوڑے حد واجب ہے اس سے کم ہو ہی نہیں سکتے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے ایک حاملہ عورت کو بلانے کے لیے اپنا آدمی بھیجا جوں ہی اس آدمی نے جا کر کہا کہ امیر المومنین عمر تجھے بلاتے ہیں تو وہ سہم گئی اور اِس قدر ہول اس پر غالب ہوا کہ اسکا حمل ساقِط ہوگیا. جب یہ خبر فاروق اعظم کو پہنچی آپ نے فوراً صحابہ سے مشورہ لیا کہ کیا کرنا چاہیے اور آیا میرے ذمہ کچھ ہے یا نہیں صحابہ نے کہا آپ کے ذمہ کچھ نہیں. کیونکہ آپ نے محض سادہ طور پر اُسے بلا لیا تھا کسی قسم کی دھمکی نہیں دی خود اس کے دل پر خوف طاری ہوگیا جس سے اس کا حمل ساقِط ہوگیا اِس میں آپ ذمہ دار نہیں بن سکتے مگر حضرت علی بن ابو طالب نے جب اُن سے دریافت کیا تو یہ رائے دی کہ آپ کی خاص ذات اُسے خود بہا دینا واجب ہے. یعنی آپ خود اپنے پاس سے خون بہا دیں.

جواب: یہ مسئلہ اجتہادی ہے اِس میں علماء کا اختلاف ہے. ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ فاروق اعظم اکثر معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے. عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف. ابن مسعود زید بن ثابت اُن کے خاص مشیروں میں سے تھے. یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ ابن عباس سے بھی مشورہ لے لیا کرتے تھے. اور یہ آپ کے کمال فضل، کمال عقل، اور کمال دین داری کی بات تھی۔ اسی وجہ سے آپ کا ہر کام سب سے اعلیٰ درجہ کا رہتا تھا. کثرت رائے پر اکثر آپ فیصلہ کر دیا کرتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس پکڑی ہوئی آئی اور اُس نے بہت صفائی کیساتھ زنا کا اقرار کر لیا سب صحابہ

اس کے سنگسار کرنے پر متفق ہو گئے مگر حضرت عثمان سے فاروق اعظم نے دریافت کیا کہ تم کیوں نہیں بولتے. حضرت عثمان نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ عورت زنا کے بُرا ہونے کو نہیں جانتی یہ بات فاروق اعظم کی سمجھ میں آ گئی. ایسی حالتوں میں وہ کبھی کبھی کثرت رائے کے خلاف بھی فیصلہ کر دیا کرتے تھے. چنانچہ آپ نے فوراً اس عورت کو چھوڑ دیا یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جب وہ زنا کو برا نہیں جانتی ہے تھی تو یقیناً اُس کے حرام ہونے سے واقف نہ تھی. حداُسی آدمی پر واجب ہوتی ہے جسے اُس فعل کا حرام ہونا معلوم ہو اور پھر وہ اُسے کرے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" (الاسراء:۱۵) یعنی جب ہم کوئی پیغمبر نہیں بھیج دیتے کسی کو عذاب نہیں کرتے. پھر فرمایا. "لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" (النساء:۱۶۵) یعنی تا کہ پیغمبروں کے پہنچے کے بعد اللہ پر لوگوں کی کوئی حجت نہ رہے. اسی واسطے اُن کفار سے قتال جائز نہیں جنہیں اسلام کی خبر نہ ہوئی ہو اِسی لئے پہلے اُنہیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے. جس شخص نے اسلام کے اصول موضوع ہونے سے پہلے محرمات میں سے کسی کو کر لیا جسکی حرمت کی اُسے خبر نہ تھی تو اسکی حد اس پر نہیں قائم کی گئی یہی وجہ تھی کہ حضور انور نے صحابہ میں سے اُن لوگوں کو کچھ سزا نہ دی جنہوں نے صبح صادق کے بعد بھی روزہ کی حالت میں کھالیا کیونکہ اُنہیں حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ:۱۸۷) کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوگئی تھی. علی ھذا القیاس آپ نے اُسامہ بن زید کو سزا نہیں دی جبکہ اُنہوں نے ایسے آدمی کو مار ڈالا تھا جس نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا تھا اُسامہ نے اپنے دل میں یہ سمجھ لیا تھا کہ اُس نے بچنے کی غرض سے کلمہ پڑھا اور اُسی وجہ سے وہ اُس کے قتل کے باعث ہوئے تھے بعینہٖ یہی قصہ خالد بن ولید کا ہوا۔ انہوں نے بنی جذیمہ کو قتل کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے صبانا صبانا کہا تھا خالد نے اپنے دل میں اسکی تاویل کر لی تھی. صدیق اکبر نے مالک بن نویرہ کے بدلہ خالد کو قتل نہیں کیا کیونکہ وہ اہل تاویل تھے اِسی طرح جب دو صحابیوں میں کچھ جھگڑا ہوا تو ایک نے دوسرے کو منافق کہا حضور نے انہیں کچھ سزا نہیں دی کیونکہ انہوں نے ایک تاویل ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کو کہا تھا. فقہا کا قول ہے کہ جس شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے وہ دو قسم کا ہے اول شبہ اعتقاد دوم شبہ ملک. مثلاً اگر کسی نے ایک عورت

سے حلال سمجھ کر نکاح کیا اور اُس عورت سے اُسے نکاح کرنا حقیقۃً جائز نہیں تھا اور نکاح کے بعد صحبت صحیحہ بھی ہوگئی تو اُسکی وجہ سے اُس پر حد نہیں لگائی جائے گی. لیکن اگر کسی کو اِس فعل کا حرام ہونا معلوم ہوا اور یہ نہ معلوم ہو کہ اُسکی سزا کیا ہے تو اُس پر برابر حد لگائی جاتی ہے جیسا کہ حضور انور نے ماعز بن مالک پر حد لگا دی کیونکہ وہ زنا کے حرام ہونے کو جانتے تھے لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ زانی کو سنگسار کر دیا جاتا ہے. پھر حضور نے اُنہیں سنگسار کر دیا کیونکہ وہ فعل کے حرام ہونے سے واقف تھے اگر چہ اسکی سزا میں سنگسار ہونے کو نہیں جانتے تھے. فاروق اعظم صحابہ سے بیشک مشورہ لیتے تھے اور اُن میں سے جو کوئی حق مسئلہ بیان کرتا تھا آپ اُسی کو قبول کر لیتے تھے اُسکی دو وجہ ہوتی تھیں ایک تو یہ کہ اس خالص معاملہ میں اس کا منشا معلوم ہو جاتا تھا جسے وہ لوگ جانتے ہوں. جیسا کہ عثمان غنی کا یہ کہنا اس عورت کو زنا کے حرام ہونے کی خبر نہیں ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عثمان نے عام حکم نہیں بتایا بلکہ یہ کہا کہ یہ خاص مسئلہ اس قسم کا ہے. اِسی طرح حضرت علی کا یہ کہنا یہ عورت دیوانی ہے یا اِسے حمل ہے اُسی پر قیاس کر لینا چاہیے. دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی نص یا کسی نص کے ایسے معنی معلوم ہو جائیں جو عام حکم پر دلالت کریں جیسا کہ اس مذکورہ عورت کا اس آیت پر متنبہ کرنا وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (النساء:۲۰) اور جیسے عبدالرحمٰن عوف کا شرابی کی حد کو تہمت لگانے والے کی حد میں ملا دینا وغیرہ وغیرہ.

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ ایک لڑکے کی بابت دو عورتوں میں جھگڑا ہوا ایک کہتی تھی. یہ لڑکا میرا ہے عمر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کس طرح فیصلہ کروں اخیر انہوں نے یہ مقدمہ حضرت علی بن ابوطالب کے ہاں بھیج دیا. حضرت علی نے ان عورتوں کو بلا کر خوب سمجھایا لیکن اپنے دعویٰ سے کوئی عورت باز نہ آئی ۔ حضرت علی نے کہا کہ آرہ لاؤ اس پر دونوں عورتیں بولیں کہ آرہ کیا کرو گے آپ نے فرمایا کہ اُسے بیچ میں سے چیرے دیتا ہوں تم دونوں ایک ایک ٹکڑہ لے لینا. ایک عورت تو اُس پر رضا مند ہوگئی مگر دوسری عورت نے بلبلا کے کہا اللہ اللہ اے ابوالحسن اگر یہی کرتے ہو تو میں نے یہ لڑکا اسی کو دے دیا آپ اس کے ٹکڑے نہ کیجیے. حضرت علی نے کہا اللہ اکبر یہ تیرا ہی بچہ ہے اسکا نہیں ہے اگر اس کا ہوتا تو یہ بھی تیری طرح سے بیتاب ہو جاتی ہے. پھر دوسری نے بھی اقرار کر

لیا کہ ہاں یہ بچہ اسی کا ہے۔ اُس وقت عمر بہت خوش ہوئے اور حضرت علی کو دعا دی۔

جواب: یہ عجیب وغریب قصہ ہے ایک عرصہ دراز سے رافضی دنیا کے کرۂ باد میں گونج رہا ہے مگر نہ اسکی اصل ہے نہ کچھ بنیاد ہے۔ کسی رافضی نے آج تک اسکی کوئی سند بیان نہیں کی نہ کہیں سے اسکی صحت معلوم ہوتی ہے نہ اہل علم میں سے کسی نے اسکو ذکر کیا۔ کچھ بھی اگر اسکی حقیقت ہوتی تو اہل علم ضرور اس کا ذکر کرتے۔ یہ قصہ تو سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا مشہور ہے اور صحیحین میں حضور انور نے فرمایا ہے۔ "بینما امرا تان معهما ابنا هما جاء الذئب فذهب بابن احدهما فقالت لصاحبتها انما ذهب بابنک وقالت الاخری انما ذهب بابنک فتحا کما الی داؤد فقضی به الکبری فخر جتا علی سلیمان بن داؤد فاخبرتاه فقال ائتونی بالسکین اشقه بینکما فقالت الصغری لا تفعل برحمک الله هوا بنها فقضی به الصغری" یعنی دو عورتیں اپنے لڑکوں کے لیے ہوئے تھیں (اتفاق سے) بھیڑیا آیا اور ایک لڑکے کو لے گیا۔ ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا بھیڑیا تیرے بچہ کو لے گیا ہے وہ بولی نہیں تیرے بچہ کو لے گیا ہے۔ یہ دونوں فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں گئیں تو آپ نے وہ بچہ (بھیڑئے کے پنجہ سے چھوٹا کے جبکہ وہ صحیح وسالم تھا)۔ بڑی (عورت) کو دلوا دیا۔ یہ دونوں وہاں سے نکل کے سلیمان بن داؤد کے ہاں پہنچیں دونوں نے اپنا اپنا دعوے بیان کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ سکین (چھری) لاؤ اس بچے کے دو ٹکڑے کیے دیتا ہوں یہ سُنتے ہی چھوٹی عورت بولی بولی خدا آپ پر رحم فرمائے۔ ایسا نہ کیجئے یہ بیٹا اسی کو دلوا دیجئے۔ تب سلیمان نے وہ لڑکا چھوٹی (عورت کو دلوا دیا) ابو ہریرہ کہتے ہیں اللہ کی قسم سکین کا لفظ تو میں نے اسی روز سنا ہے ورنہ پہلے تو ہم چھری کو مُدیہ کہا کرتے تھے۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر بعض صحابہ نے خواہ اُن میں علی بھی ہوں یا اور کسی نے یہ قصہ حضور انور سے سُنا ہو جیسا کہ ابو ہریرہ نے سنا تھا۔ یا اُنہوں نے ابو ہریرہ سے سنا ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے۔ اور اسی قصہ میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت سلیمان کو وہ حکم سمجھا دیا جسے داؤد علیہ السلام نہیں سمجھے تھے اسی طرح سلیمان کو ایک حکم بھی سمجھا دیا تھا جسکی بابت ارشاد ہوا ہے۔ "اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی

الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ." (الانبیاء۷۸) سلیمان علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی تھی الہی مجھے وہ بات سمجھا دے جو تیرے حکم کے موافق ہے. اس پر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سلیمان، داؤد سے افضل تھے۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں عمر نے ایک عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا جسکے چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہو گیا پھر علی نے عمر سے کہا کہ اگر میں اس بارہ میں کتاب اللہ سے تم سے جھگڑوں تو غالب آ سکتا ہوں کیونکہ اللہ فرماتا ہے. "وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" (الاحقاف:۱۵) اور فرماتا ہے "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ" (البقرہ:۲۳۳)

جواب: ہم پہلے اِس بات کو ثابت کر آئے ہیں کہ فاروق اعظم اکثر صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور یہ مشورہ حکم خداوندی کے مطابق تھا جیسا کہ خداوند تعالے فرماتا ہے۔ "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (شوری:۳۸) اُس عورت کے معاملہ میں جس کا نہ شوہر ہو نہ آقا ہو. علماء کا اختلاف ہے اختلاف یہ ہے کہ ایسی عورت کو سنگسار کیا جائے یا نہیں اہل مدینہ اور سلف میں سے امام مالک وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ اُسے سنگسار کر دیا جائے یہی قول ایک روایت میں امام احمد کا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ اُسے سنگسار نہ کیا جائے. اور ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے یہ لوگ اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کبھی زبردستی بھی صحبت کر لی جاتی ہے یا کسی شبہ کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے مگر خلفائے راشدین سے پہلا ہی قول ثابت ہے. فاروق اعظم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ جو مرد اور عورتیں زنا کریں کتاب اللہ کا اُن پر فتویٰ یہ ہے کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے بشرطیکہ گواہوں سے اسکا ثبوت ہو یا عورت حاملہ ہو یا وہ خود اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اس سے پایا جاتا ہے کہ فاروق اعظم نے زنا کے ثبوت میں حمل کو مثل گواہوں کے دلیل گردانا ہے بس اِسی قسم کا یہ قصہ ہے اسی طرح شرابی کے معاملہ میں اختلاف ہے کہ جب اُسے شراب کی قے ہو جائے یا اسکے منہ سے شراب کی بو آتی ہو تو اُسے حد لگائی جائے گی یا نہیں اس میں ائمہ کے دو قول ہیں مگر حضور انور اور خلفائے راشدین سے یہ مشہور ہے کہ

بوآنے اور قے ہونے پر حد لگائی جاتی تھی مگر کسی گواہ کا یہ گواہی دینا کہ اس نے شراب کی قے کی ہے یا یہ شہادت دینا کہ اس نے زنا کیا ہے مگر اسکا کوئی عینی ثبوت نہ ہو تو اس پر حد نہیں لگائی جاتی. زنا کی حدیں یا تو اقرار کرنے کی وجہ سے لگائی جاتی ہیں یا حمل ظاہر ہونے کی وجہ سے ہاں گواہی کی وجہ سے حد سے کہیں کم سزا دیجاتی ہے جیسا کہ جب دو آدمی ایک چادر میں ننگے دیکھے جائیں یا ایسی ہی کوئی اور صورت ہو خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابہ کے نزدیک یہ بات معروف مشہور تھی کہ حمل کی وجہ سے حد لگائی جاتی ہے تو اگر کسی عورت کے چھ مہینہ سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے گا تو اس پر حد قائم کر دی جائیگی اور چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہو جانا تو بہت ہی نادر الوجود ہے. ایسے امور نادرہ کا کبھی خیال بھی نہیں ہوا کرتا. اسی لیے فاروق اعظم نے اسکے مطابق حکم لگا دیا جو عورتوں میں عادۃً معروف ہے جیسا کہ حمل کی انتہائی مدت نو مہینہ کی قرار دی گئی ہے. ایسا بہت کم پایا جاتا ہے کہ کسی عورت کے ہاں سال ڈیرہ سال یا دو سال میں بچہ ہوتا ہو پس جب کسی عورت کے ہاں اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے کئی سال کے بعد بچہ پیدا ہو تو آیا یہ اُسکے شوہر کا بچہ قرار دیا جائے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور یہ اجتہادی مسائل میں سے ہے بعض علما حمل کی انتہائی مدت دو برس قرار دیتے ہیں چار برس اور بعض سات برس اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہ ایک نادر الوجود امر ہے اسکی طرف التفات نہ کرنا چاہیے. جب شوہر نے اپنی بی بی کو نکال دیا اور عادت کے خلاف اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اسکے شوہر کا بچہ نہیں ہے.

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں عمر تو احکام کے بارہ میں اکثر پریشان ہوا کرتے تھے کبھی کچھ حکم دیتے تھے اور کبھی کچھ چنانچہ دادا کے وارث ہونے میں اُنہوں نے یکے بعد دیگرے سو حکم لگائے.

جواب: اِسے اچھی طرح کان کھول کے سُن لیجئے کہ فاروق اعظم حق کے اعتبار سے اُن سب صحابہ میں زیادہ صائب الرائے تھے جو دادا کے وارث ہونے میں اختلاف کرتے تھے. کیونکہ بھائی کے ہوتے ہوئے دادا کو ورثہ ملنے میں صحابہ کے دو قول ہیں. ایک یہ کہ بھائی بے حق ہو جاتا ہے. اور یہ قول ابوبکر اور اکثر صحابہ کا ہے جیسے ابی بن کعب. ابو موسیٰ، ابن عباس، ابن زبیر ان کے علاوہ اور چودہ صحابیوں سے بھی ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے. اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ امام شافعی امام احمد کے

شاگردوں میں سے ایک گروہ کا ہے. مثلاً امام شافعی کے شاگردوں میں سے ابن سریج اور امام احمد کے شاگردوں میں سے ابوحفص برمکی اِسی قسم کی ایک روایت امام احمد سے بھی بیان کی جاتی ہے اور یہی قول صحیح بھی ہے. کیونکہ باپ کی اولاد میں سے بھتیجوں کو دادا کی طرف ایسی نسبت ہے جیسے دادا کی اولاد کو اپنے چچاؤں کے ساتھ نسبت ہے سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دادا چچاؤں سے اولے ہوتا ہے. یعنی میت کے چچاؤں کے ہوتے مورث دادا قرار دیا جاتا ہے. اس سے لازم آیا کہ دادا بھائیوں سے بھی اولے ہو اگر بھائی باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں. تو اُن کی اولاد یعنی بھتیجوں کی بابت یہی حکم ہونا چاہیے. اور جب اُن کی اولاد اُن کے مرتبہ کی نہیں ہوتی تو باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے اُنہیں بھی مقدم نہیں قرار دے سکتے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب میت کا بیٹا دادا سے اولیٰ ہوتا ہے تو اسی طرح اس کا پوتا بھی دادا سے اولے ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس. اب نانی کو ملاحظہ فرمایئے کہ مثل ماں کے ہوتی ہے یہاں سے یہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے دادا مثل باپ کے ہے. ایک روایت میں یہ قول فاروق اعظم سے بھی مروی ہے. دوسرا قول یہ ہے کہ دادا بھائی کے حصے میں سے ورثہ لیتا ہے یہ قول، علی زید اور ابن مسعود کا ہے اور سب کے سب زید کے قول کے مقلد ہیں جیسے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد لیکن ائمہ فقہا میں سے دادا کے وارث ہونے کے بارہ میں حضرت علی کے قول کی طرف کوئی نہیں گیا. صرف ابن ابی لیلی سے مروی ہے کہ وہ حضرت علی کے قول کے مطابق حکم دیا کرتے تھے. حضرت علی بھی اپنے ایک قول پر قانع نہ تھے. اس معاملہ میں اُن کے بہت سے مختلف قول ہیں. اگر پہلا قول اُنکا ٹھیک ہے تو وہ بھی حضرت عمر کا ہے اور اگر دوسرا قول ٹھیک ہی تو وہ بھی حضرت عمر کا ہے. زید کے فتوے کا لوگوں میں اس لیے رواج ہو گیا کہ وہ فاروق اعظم کے قاضی تھے. دادا کے بارہ میں فاروق اعظم اُن کے حکم کو جاری رکھتے تھے کیونکہ صدیق اکبر کے قول کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ دادا مثل باپ کے ہے. پھر جب فاروق اعظم خود دادا ہو گئے یعنی اُن کے ہاں پوتے پیدا ہو گئے تو آپ نے اتقا کی وجہ سے یہ معاملہ زید کو سونپ دیا. اب رافضیوں کا یہ کہنا کہ عمر نے دادا کے بارہ میں سو حکم لگائے ہیں اگر صحیح بھی ہو تو اُس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ آپ نے ایک ہی مسئلہ میں سو حکم لگائے یہ بالکل ایک ناممکن بات ہے. یہ بات بھی سمجھنے کی

ہے کہ دادا کے وارث ہونے میں تو اتنا نزاع بھی نہیں ہے جتنا مسئلہ خرقا میں ہے۔ یعنی میت نے جب ایک ماں ایک بہن اور ایک دادا چھوڑا ہو تو ورثہ باہم کیونکر تقسیم کیا جائے اس میں بھی چھ قول ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر رافضیوں کا یہ کہنا صحیح ہو تو اُس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ فاروق اعظم نے دادا کے سو مسئلوں میں فتوی دیا اور حکم لگا دیا۔ اب رہا اقوال اور فتوؤں میں اختلاف۔ تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جتنا حضرت علی کے اقوال میں اختلاف ہے کسی صحابی کے قول میں اتنا اختلاف نہیں ہے۔ اور اسے اہل فرائض سب جانتے ہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ رافضیوں کا یہ کہنا کہ عمر نے دادا کے معاملہ میں سو حکم لگائے محض غلط اور بالکل لغو ہیں۔ کیونکہ فرائض کے مسائل میں دادا اور بھائیوں کا جمع ہونا بہت ہی کم دیکھا گیا ہے۔ فاروق اعظم تو کُل دس برس خلیفہ رہے ہیں اور اس زمانہ خلافت میں ایسا اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ دادا کی میراث کے بارہ میں حکم دینے سے رُک گئے تھے۔ صحیح میں ثابت ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ میں مسائل میں جنکی بابت میری تمنا تھی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ ہم سے اُن کی تفصیل بیان کر دیتے تو بہتر تھا ایک دادا کی میراث کی دوسرے کلالہ کے مسئلہ کی تفصیل اور تیسرے ربوا کی چند صورتوں کی تفصیل۔ یاد رکھو جسے کسی بات میں توقف ہوتا ہے وہ اسمیں کچھ حکم نہیں کیا کرتا۔ پھر فاروق اعظم کا دادا کی میراث کے متعلق سو مسائل میں فتویٰ دینا ایک مضحکہ خیز استدلال ہے جو کسی صورت سے بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عمر نے مال غنیمت اور عطا میں ایک کو دوسرے سے زیادہ دیا حالانکہ اللہ تعالے نے تسویت یعنی سب کو برابر دینا، واجب کیا۔

جواب: یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ فاروق اعظم نے کبھی بطور خود مالِ غنیمت کو تقسیم نہیں کیا۔ ہاں صرف یہ ہوتا تھا کہ آپ خُمس نکالنے کے بعد لشکریوں کو دے دیتے تھے۔ اور وہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے بلکہ مزید براں کل مال غنیمت لشکریوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ خود ہی خُمس نکال کر حضرت فاروق اعظم کے پاس بھیج دیتے تھے اور باقی کا مال آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ فاروق اعظم پر کیا منحصر ہے کسی نے بھی آج تک یہ نہیں کہا کہ مال غنیمت میں سے کم زیادہ دینا واجب ہے لیکن

ہاں علما کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا امام کو اتنا اختیار ہے کہ بعض عالموں کو بعض سے زیادہ دیدے۔ جس وقت کہ زیادہ دینے میں اُسے کوئی نفع ظاہر ہو۔ علما کے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جائز ہے کہ امام کسی کا زیادہ حق دیکھ کر اُسے کچھ زیادہ دے اور یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے خمس نکالنے کے بعد بدایہ میں چوتھائی اور رجعت میں تہائی زیادہ دیا تھا اور اسے ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہ خمس نکالنے کے بعد چار حصوں میں سے بعض غانموں کو زیادہ دینا ہے۔ دوسری دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے کہ غزوہ غابہ میں سلمہ بن اکوع کو حضور انور نے ایک سوار اور ایک پیادہ کے دو حصے دیئے تھے۔ حالانکہ سلمہ پیادہ تھے وجہ یہ تھی کہ سلمہ نے اِس قدر بہادرانہ کام کیا تھا کہ وہ اوروں سے ممتاز ہو گئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زیادہ دینا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالک اور امام شافعی کا ہے امام مالک کا قول ہے کہ امام خمس میں سے زیادہ دے سکتا ہے اور کسی میں سے زیادہ نہیں دے سکتا اسی طرح امام شافعی کا قول ہے کہ ساری غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے امام کو دینے کا حق حاصل ہے اور صحیح میں ابن عمر سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ نجد کی طرف ہم نے حضور انور ﷺ کی طرف ہو کر جہاد کیا تھا اور ہمارے حصہ میں بارہ اونٹ آئے تھے پھر حضور انور نے ہمیں ایک اونٹ اور زیادہ دے دیا اور یہ دینا مال غنیمت کا پچیسواں حصہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی مصلحت کی وجہ سے زیادہ دینے کو جائز رکھتے تھے وہ اِس شان کے آدمی تھے کہ اللہ نے ان کے دل اور اُن کی زبان پر حق کا سکہ بٹھادیا تھا اِس لیے اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا عطا میں زیادہ دینا بلا شک وشبہ یہ بات صحیح ہے کہ فاروق اعظم زیادہ دیتے تھے اور اس زیادہ دینے میں لوگوں کے مراتب کا خیال آپ کرتے تھے ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو سب کو مساوات میں کردوں گا مگر ابوبکر صدیق عطا میں برابر دیتے تھے وعلے ہذا القیاس حضرت علی اور حضرت عثمان بھی زیادہ دیتے تھے۔ مگر خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے اس میں بھی دو قول ہیں کہ آیا امام کسی مصلحت کی وجہ سے زیادہ دے سکتا ہے یا نہیں۔ امام احمد سے دونوں روایتیں موجود ہیں۔ عطا میں برابر دینے کو امام

ابو حنیفہ اور امام شافعی نے پسند کیا ہے اور زیادہ دینا امام مالک کا قول ہے۔ مگر رافضیوں کا یہ الزام یا ادّعا کہ اللہ تعالٰے نے عطا میں برابر دینا واجب کیا ہے کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ رافضیوں نے بھی کوئی دلیل اسکی نہیں دی اگر رافضیوں کی طرف سے آج تک کوئی دلیل پیش ہوتی تو ہم اس پر ضرور بحث کرتے جیسا کہ ہم نے اجتہادی مسائل میں بحث کی ہے علماء میں سے جو لوگ برابر دینے کے قائل ہیں اُنہوں نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ مواریث میں اللہ تعالٰی نے ایک قسم کے لوگوں کا برابر ہی حصہ مقرر فرمایا ہے اور کسی کو کسی وجہ سے زیادہ دینے کا حکم نہیں دیا۔ مگر وہ لوگ جو زیادہ دینے کے قائل ہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ ورثہ کے معاملہ میں تو لوگ ایک سبب سے مستحق ہوتے ہیں نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے مواریث پر قیاس نہیں کر سکتے۔ دوسری دلیل اُنہوں نے یہ بیان کی ہے کہ مغانم میں بھی حضور انور نے ایک قسم کے لوگوں کو برابر ہی حصہ دیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے اور یہی قول جمہور یعنی امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں آپ نے دو حصہ دیئے تھے اور یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ اس بارہ میں بہت سی حدیثیں بھی مروی ہیں مگر وہ ضعیف ہیں لہٰذا ہم ان پر توجہ نہیں کرتے مگر صحیحین میں ثابت ہے کہ جنگ خیبر میں حضور نے ایک ایک سوار کو تین تین حصہ دیئے تھے ایک حصہ اُسکا اور دو حصے اُسکے گھوڑے کے۔ اس فوج کے کل سپاہی چودہ سو تھے جن میں دو سو سوار تھے حضور نے خیبر کی غنیمت کے اٹھارہ حصے کیے تھے چھ سو سواروں کو دئے تھے اور بارہ سو حصے بارہ سو پیادوں کے علاوہ گھوڑوں کے ان میں شتر سوار بھی تھے مگر اونٹوں کا حصہ نہیں لگایا گیا تھا۔ اور جو زیادہ دینے کو جائز کہتے ہیں میں اُن کا قول یہ ہے کہ اصل تو برابری ہی دینا ہے لیکن کبھی امام زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ ان تمام اجتہادی مسائل کا یہ نتیجہ نکلا کہ زیادہ دینے کا جواز ثابت ہوگیا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ اصل تو برابر ہی دینا ہے ہاں اگر کوئی بڑی مصلحت ہو تو زیادہ دینا بھی جائز ہے۔ فاروق اعظم نے کبھی خواہش یا کسی سے اپنے کو محبت ہونے کی وجہ سے یا کسی کو رشتہ داری کی وجہ سے کبھی ایک پائی بھی زیادہ نہیں دی۔ کسی روایت یا تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ آپ نے وجوہات مندرجہ بالا کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا ہو بلکہ آپ تو غنیمت کے مال کو فضائل دینیہ

کے موافق تقسیم کرتے تھے اور اسی وجہ سے مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کو مقدم رکھتے تھے. پھر صحابہ میں سے اُن کے بعد ہوں اور پھر جوان کے بعد ہوں. اور آپ کو اور اپنے رشتہ داروں کو ہمیشہ آپ نے کم دیا. چنانچہ آپ نے اپنے صاحبزادے اور صاحبزادی کا حصہ اُن سے کم کر دیا تھا جو اُن سے افضل تھے. اعتراض تو اُس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے محض ذاتی خواہش کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا ہو. باقی جس کا مقصود صرف اللہ کی خوشنودی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہی ہو اور وہ اُسکی تعظیم کرے اور اللہ کے رسول نے تعظیم کی ہو اور اُسی کو مقدم سمجھے جس کو اللہ اور اللہ کے رسول نے مقدم سمجھا ہو ایسی حالت میں اُسکی تعریف کرنی چاہیے یا اُسکی برائی. یہ بات مسلم ہے اور اِس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ آپ حضرت علی اور حسنین کو اس قدر دیتے تھے کہ اُن کے اور برابر والوں کو اتنا کبھی نہ دیا تھا اسی طرح حضور انور کے اور سب رشتہ داروں کا لحاظ کرتے تھے اور اگر آپ برابر دیتے تو سوائے ایک خفیف سے حصہ کے اُنہیں کچھ بھی نہ پہنچتا.

ایک اور الزام: رافضی حضرت عمر پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آپ اپنی رائے سے بہت کام لیتے تھے اور جو دل میں آتا کر گزرتے تھے۔

جواب: رائے سے کام لینا اگر یہ ہم تسلیم کرلیں کہ حضرت عمر کا فعل تھا تو اس کے مقابلہ میں حضرت علی سب سے زیادہ اپنی رائے سے کام لینے والے تھے. یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل قبلہ کی گردنیں اڑانے میں حضرت علی نے محض اپنی رائے سے کس قدر اصرار کیا تھا جیسا کہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں حسن سے مروی ہے اور وہ قیس بن عباد سے روایت کرتے ہیں اُن کا قول ہے کہ میں نے خود علی سے کہا تھا کہ آپ ہمیں یہ تو بتا دیجئے کہ یہ طریقہ جو آپ نے اختیار کرلیا ہے کیا حضور انور نے کبھی آپ کو اسکی اجازت دی تھی یا آپ اپنی ہی رائے سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں. حضرت علی نے جواب دیا کہ اس بارے میں حضور انور نے تو مجھ سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ جو کرتا ہوں اپنی ہی رائے سے کرتا ہوں. میری سمجھ میں یہی آیا ہے ایسی خود رائی کی باتیں حضرت علی سے بہت

کثرت سے ثابت ہیں اور جنھیں تمام رافضی دنیا بھی مل کے نہیں جھٹلا سکتی۔ یہ حدیث جو روایت کی جاتی ہے کہ حضور انور نے ناکثین قاسطین مارقین کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا یہ روایت محض موضوع ہے اسکی کہیں سے سند نہیں پائی جاتی بالکل غلط اور سراپا غلط ہے حضور انور پر افترا باندھا گیا ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اگر رائے سے کہنا کچھ بُرا نہیں ہے تو اُن لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا جنھوں نے اپنی رائے سے کام کیا ہے اور اگر رائے سے کہنا برا ہے تو اُس شخص کی رائے سے زیادہ بُری رائے کسی کی نہیں ہوسکتی جس نے محض اپنی ذاتی خواہش اور ذاتی رائے کی بنا پر ہزار ہا مسلمانوں کے سر اُڑوا دیئے حالانکہ اُن کے سر اُڑا دینے سے مسلمانوں کی کوئی بھلائی نہیں ہوئی نہ دین میں اور نہ دنیا میں بلکہ جو امن وامان پہلے سے موجود تھا اُس میں خرابی پڑگئی اور اسلام کی عمارت کی بنیادیں چرچرا گئیں اور ایک زمانہ تک اسلام سخت مخدوش حالت میں رہا۔ اگر بنو امیہ میں سے ایسے اولوالعزم خلیفہ نہ ہوتے کہ جو علائے کلمۃ الحق کے لیے اپنی فوجوں کو نصرانی دنیا کی طرف نہ بڑھاتے تو حقیقت میں مسلمان جزیرہ نمائے عرب میں گھٹ کے مرجاتے اور پھر چند روز کے بعد اُنکا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا۔ جب حضرت علی کی رائے پر جس سے درحقیقت اسلام کی بنیادیں ہل گئیں کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو فرائض اور طلاق کے مسائل میں فاروق اعظم وغیرہ پر اعتراض کرنا بدرجہ اولے نہ چاہیے حالانکہ ایسے مسائل میں خود حضرت علی بھی ان کے شریک تھے۔ ان کی رائے بھی بہت سے مسائل میں انہیں کے موافق تھی ہاں مسلمانوں کا خون بہانے میں حضرت علی کی رائے بالکل اکیلی رائے تھی اور اُن کے ساتھ کبھی کوئی شریک نہیں ہوا۔ خود حضرت علی کے صاحبزادے حسن اور اکثر سابقین اولین حضرت علی کے سخت مخالف تھے۔ اب اجتہادی مسائل پر توجہ کیجئے یہ سب جانتے ہیں کہ دادا کی میراث وغیرہ کے مسائل میں حضرت علی کا قول رائے ہی سے ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت علی نے خود کہا تھا کہ امہات الاولاد کو بیچنے سے منع کر دینے پر میری اور عمر کی رائے متفق ہوگئی تھی مگر اب میری یہ رائے ہے کہ انہیں بیچ دیا جائے تو اُسکے جواب میں اُن ہی کے قاضی عبیدۃ السلمانی نے کہا کہ آپ کی وہ رائے جو عمر کی رائے کے ساتھ تھی ہمیں آپ کی اِس اکیلی

رائے سے زیادہ مرغوب اور پسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری میں ایوب سے مروی ہے وہ ابن سیرین سے اور وہ عبیدہ سے اور وہ علی سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تھا کہ تم وہی حکم دیتے رہو جو پہلے سے دے رہے ہو کیونکہ میں اختلاف کو برا جانتا ہوں تا کہ سب لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں۔ اور جب تک میں مثل اپنے ساتھیوں کے مر جاؤں اُن کو ایک امر پر متفق دیکھوں۔ راوی کہتا ہے ابن سیرین یہ سمجھتے تھے کہ جو روایتیں حضرت علی سے مروی ہیں وہ اکثر جھوٹی ہیں۔ امام شافعی اور محمد بن نصر مروزی نے وہ مسائل جمع کئے ہیں جو علی اور ابن مسعود کے قول سے متروک کر دیئے گئے ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کے خلاف حدیث آ چکی ہے۔ جیسے کہ وہ حاملہ عورت جس کا شوہر مر چکا ہو اِس بارہ میں علی کا یہ مذہب ہے کہ وہ عورت دونوں عدتوں میں بڑی عدت کو گزرائے اور حضور انور کی حیات میں ابو السنابل بن بعکک نے اِسی کے موافق فتویٰ دیا تھا مگر جب سبیعہ اسلمیہ حضور انور کی خدمت حاضر ہوئی اور اُس نے یہ سارا ماجرا جب آپ سے ذکر کیا تو آپ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ابو السنابل جھوٹا ہے تیری عدت تو بچہ پیدا ہوتے ہی پوری ہوگئی۔ جہاں تیرا جی چاہے تو نکاح کر لے۔ اس روایت کا ذکر ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ یہاں صرف حضرت علی کی رائے کا وزن دکھانا تھا کہ حضور انور نے کس شدومد سے اُس رائے کی تردید کی اِس لیے ہم نے دوبارہ اِس روایت کو یہاں نقل کر دیا۔ یہ خوب سمجھ لو اور اچھی طرح سے جانچ لو کہ اگر رائے سے کہنا گناہ ہے تو عمر کے سوا علی وغیرہ کا گناہ عمر کے گناہ سے بدرجہ بڑھ کر ہے کیونکہ جس نے اپنی رائے سے مسلمانوں کے خون بہانے کو حلال سمجھ لیا اُس کا گناہ ایسے شخص کے گناہ سے بدرجہ بڑھا ہوا ہوگا جس نے ایک معمولی مقدمہ میں اپنی رائے سے حکم دیا حالانکہ اس میں بھی سارا حکم غلط نہ ہو بلکہ کچھ صواب بھی ہو اور کچھ غلطی بھی ہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ صواب میں فاروق اعظم سب سے زیادہ نصیب ور ہیں کیونکہ جس قدر صواب اُن کی رائے میں ہوتا ہے اُتنا اور کسی کی رائے میں نہیں ہوتا۔ اگر رائے، رائے سب بہتر اور صواب ہی ہو تو بھی وہ صواب جس میں کوئی بڑی مصلحت ہو اُس صواب سے بہتر اور افضل ہے جس میں اُس سے کم مصلحت ہو۔ ہم بلاخوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بات مانی

ہوئی ہے کہ فاروق اعظم کی کل رایوں میں مسلمانوں کی بڑی بڑی مصلحتیں ہوتی تھیں. غرض یہ ہے کہ صحابہ میں سے جو لوگ رائے سے کہنے والے ہیں تعریف کے موقعوں میں فاروق اعظم اُن سب سے ہر صورت میں بڑے ہوئے ہیں اور بُرائی کے موقعوں میں اُن سب سے کم ہیں. حضور انور رسول اللہ ﷺ سے صحیحین میں یہ بات ثابت ہے آپ نے فرمایا ہے "ان قد کان فی الا مم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر" یعنی تم سے پہلی امتوں میں محدث لوگ ہوت تھے پس میری امت میں اگر کوئی محدہ ہے تو وہ عمر ہے. مسند وغیرہ میں مروی ہے "ان اللہ تعالیٰ ضرب الحق علی لسان عمر و قبلہ" یعنی بے شک اللہ تعالی نے عمر کی زبان اور دل پر حق کا سکہ جما دیا. عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے کہ جس چیز کی بابت میں فاروق اعظم کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ میرے خیال میں فلاں بات اِس طرح ہوگی تو وہ ضرور اسی طرح ہو جاتی ہے. پس نصوص اجماع اور اعتبار سب اسی پر دال ہیں کہ فاروق اعظم کی رائے صائب ہونے میں عثمان، علی، طلحہ، زبیر سب صحابہ کی رائے سے اولےٰ ہے اور اِسی واسطے آپ کی رائے کے آثار نہایت ہی محمود ہوتے ہیں اُنمیں دین و دنیا کی صلاحیت درجہ کمال پر ہوتی ہے. یہی وجہ تھی کہ سلطنت مشرقی اور کیانی سلطنت کے بہت سے شہر فتح ہو گئے اور ان فتوحات کی وجہ سے اللہ تعالی نے اسلام کو عزت دی اور کفر و نفاق کو ذلیل کیا. فاروق اعظم ہی نے دیوان کی بنیاد ڈالی. عطا کا محکمہ قائم کیا. اہل ذمہ پر صغار و غیار لازم کیا فجار کا قلع و قمع کر دیا. عاملوں کو درست کیا. اُن کے زمانہ میں اسلام کو وہ عروج ہوا جسکی نظیر دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی. فاروق اعظم کے کمال، سیرت، علم اور انصاف میں ایسے شخص کو جسے کچھ بھی عقل اور انصاف کا حصہ ملا ہے کبھی شک نہیں ہو سکتا. یاد رکھو کہ شیخین یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم پر سوائے دو آدمیوں کے کوئی طعنہ زن نہیں ہو سکتا ایک وہ جو منافق، زندیق، ملحد اور اسلام کا دشمن ہے اور جو اِس طعنہ زنی کو رسول اور دین اسلام میں طعنہ زنی کا وسیلہ بناتا ہے اور یہ جال رافضیوں کے ائمہ باطنیہ اور اُس معلم اوّل کا ہے جس نے سب سے پہلے رفض کی بنیاد ڈالی تھی. دوسرا وہ شخص جو انتہا درجہ کا جاہل اور غرض و ہوس میں ہمہ تن جتلا ہو. اگر کوئی رافضی یہ کہے کہ علی معصوم

تھے کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے بلکہ وہ جو کچھ کہتے تھے مثل رسول کی نص کے ہوتا تھا.اور وہ معصوم امام تھے اُن کی امامت رسول کی طرف سے منصوص ہو چکی ہے تو اسکا جواب ہم یہ دینگے کہ بدعت میں تمہاری طرح خوارج ہیں کہ وہ سب کے سب حضرت علی کو کافر کہتے ہیں حالانکہ رافضیوں کی بہ نسبت وہ بڑے عالم بڑے سچے اور بڑے دیندار ہیں جو لوگ خوارج اور روافض سے اچھی طرح واقف ہیں وہ ہمارے اِس استدلال میں کبھی شک نہیں کر سکتے. صحیحین میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ خارجیوں میں ایسے بھی ہوں گے جو اپنی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کو اور اپنے روزں کے سامنے تمہارے روزوں کو اور اپنے قرآن شریف پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن شریف پڑھنے کو حقیر سمجھیں گے. الحمد للہ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خارجی بے شک گمراہ اور بدعتی ہیں نصوص صحیحہ کی رو سے ان سے قتال کرنا واجب ہے. حضرت علی کے اعمال میں افضل خارجیوں سے قتال کرنا ہی تھا.اور ان سے قتال کرنے پر سب صحابہ کا بھی اتفاق ہے. علماء سنت نے کبھی اس میں اختلاف نہیں کیا.

حضرت عثمان غنیؓ کے مطاعن:

پہلا طعنہ: رافضی کہتے ہیں عثمان نے مسلمانوں کے کاموں میں ایسے ایسے لوگوں کو والی یعنی حاکم بنا دیا تھا جو ولایت یعنی حکومت کرنے کے ہرگز قابل نہ تھے. یہاں تک کہ ان میں بعض سے فسق و فجور ظاہر ہوا اور بعض کی خیانتیں مشہور ہو گئیں.اس کے علاوہ عثمان نے اپنے قرابت داروں میں مختلف بلاد اسلامیہ کو تقسیم کر دیا. چونکہ وہ ایسی حکومتوں کے اہل نہ تھے کئی بار عثمان کی طرف سے اُن پر عتاب نازل ہوا لیکن اُنہوں نے اپنی بد کرداری سے رجوع نہ کیا اور اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے ولید بن عقبہ کو عامل کر دیا. یہ شخص بڑا شرابی تھا اُس نے نشہ ہی کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی. پھر سعید بن عاص کو کوفہ کا عامل کر دیا اُس سے ایسے افعال سرزد ہوئے کہ کوفہ والوں نے اُسے اپنے ہاں سے نکال دیا. اسی طرح عبداللہ بن ابی سرج کو مصر کا حاکم کر دیا اس نے ایسا ظلم کرنا شروع کیا کہ اہل مصر اسکے ظلم سے تنگ آئے اور اسکے ساتھ یہ چال کی کہ ظاہر تو اس سے یہ کہا کہ تو اپنے

عہدہ پر رہ ہم مطمئن ہیں مگر درپردہ اسکے خلاف لکھا محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کا حکم دے دیا معاویہ کو شام کا حاکم مقرر کر دیا اسنے اس قدر فتنہ وفساد برپا کیئے جو سب کو معلوم ہیں عامر بن عبداللہ کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا وہ بھی بہت سے ناجائز افعال مرتکب ہوا مروان کو اپنا کار مختار بنا دیا۔ اور اپنے کرنے کے سب کام اُس کے ذمہ کر کے مہر سلطنت بھی اُسکے حوالہ کر دی پھر اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ خود عثمان بھی قتل کر دیئے گئے اور تمام رعیت میں طرح طرح کے فساد اور قسم قسم کے فتنے پھیل گئے۔ آپ اپنے گھر والوں کو بیت المال سے بے انتہا مال دیتے تھے۔ مثلاً قریشی خاندان کے چار آدمیوں کو جن سے اپنی لڑکیوں کی شادی کی تھی چار لاکھ اشرفیاں دے دیں۔ اور ایک کڑور اشرفیاں مروان کو بخش دیں۔ ابن مسعود عثمان پر اعتراض کرتے تھے اور انہیں کافر کہتے تھے عثمان نے انہیں ایسا پٹوایا کہ وہ مر گئے۔ اسی طرح عمار کو اس قدر مارا کہ اُنہیں فتق کی بیماری ہوگئی۔ حالانکہ عمار کے حق میں حضور انور ﷺ فرما چکے تھے کہ عمار کو ایک ایسی باغی جماعت کے لوگ مارینگے جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری شفاعت کا حصہ نہیں دیگا۔ عمار کا فقط قصور یہ تھا کہ وہ عثمان کے بیجا کاموں پر اعتراض کیا کرتے تھے عثمان کے چچا حکم بن عاص کو حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور اسکے ساتھ اس کا بیٹا مروان بھی جلاوطن کیا گیا تھا ابوبکر اور عمر کے زمانہ میں بھی یہ خارج البلد رہے مگر عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی ان دونوں باپ بیٹوں کو بلالیا۔ اور اس قدر مہربانی کی کہ مروان کو اپنا وزیر کر لیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ (مجادلہ:۲۲) یعنی جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں تم اُنہیں ایسا کبھی نہ پاؤ گے۔ جو اُس شخص سے محبت کریں جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرے گو وہ اُن کے باپ اور اُن کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔" ابوذر کو ربذہ کی طرف نکال دیا۔ اور انہیں بہت سخت مارا حالانکہ اُن کے حق میں حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ آسمان اور زمین کے بیچ میں ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔ پھر حضور نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی بھیجی ہے کہ وہ میرے صحابہ میں چار آدمیوں سے محبت رکھتا ہے اور اُن ہی سے مجھے بھی محبت رکھنے کا حکم دیا عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون ہیں۔ فرمایا اُن کے سردار تو علی ہیں اور ان کے سوا سلیمان،

مقداد، اور ابوذر ہیں۔ عثمان نے حدود اللہ کو ضائع کر دیا تھا، کیونکہ جس وقت امیر المومنین کے مولا ہرمزان کے مسلمان ہونے کے بعد عبداللہ بن عمر نے اُسے قتل کر دیا تھا عثمان نے عبیداللہ کو قصاص میں قتل نہ کیا جب حضرت علی نے عبیداللہ پر قصاص قائم کرنے کے لیے اُسے مانگا تو وہ معاویہ کے ساتھ جا ملا۔ ولید بن عقبہ کی شراب خوری کی حد کو بھی عثمان نے معاف کر دیا تھا لیکن حضرت علی نے اُس کے حد لگادی اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے اللہ کی حد کو کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔ عثمان نے جمعہ کے دن ایک اور اذان بڑھادی اور یہ بدعت ہے جو آج تک سنت چلی آتی ہے۔ سب مسلمان اُن کے مخالف ہو گئے تھے یہاں تک کہ اُنہیں قتل ہی کر دیا۔ اور اُن کے افعال پر بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئیں۔ لوگوں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جنگ بدر میں تم حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ تھے۔ جنگ احد میں بھاگ گئے تھے۔ بیعت الرضوان میں تم حاضر نہ تھے۔ غرض اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جو شمار میں نہیں آ سکتیں۔ فقط

جواب : اِن مطاعن کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عامل خائن اور نافرمان تھے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے اِسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ وہ عامل جو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں مقرر کیے تھے حضرت عثمان کے مقرر کردہ عاملوں سے زیادہ خائن، زیادہ نافرمان، زیادہ عیاش، زیاد شرابی اور زیاد ظالم تھے۔ حضرت علیؓ کے عاملوں کے بارے میں لوگوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جنھوں نے نہ صرف رعایا کا بلکہ گورنمنٹ کا مال دبا لیا۔ خیانت کی اور پھر حضرت علی کو چھوڑ کر امیر معاویہ کے ساتھ ہو گئے حضرت علی نے خود زیاد بن ابی سفیان اور ابو عبیداللہ بن زیاد کو جس پر حضرت امام حسین کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ عامل مقرر کیا تھا اور آپ ہی نے اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کو حاکم بنایا تھا۔ اس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہو سکتا کہ معاویہ بن ابی سفیان اِن سب لوگوں سے یقیناً بہتر تھے۔ تعجب یہ ہے کہ رافضی عثمان کی اُنہیں باتوں پر اعتراض کرتے ہیں جن باتوں کا پتہ حضرت علی کی خلافت میں پورا پورا ملتا ہے۔ چنانچہ اُن کا اعتراض ہے کہ عثمان نے بنی اُمیہ میں سے اپنے قرابت داروں کو حاکم کر دیا تھا مگر اُنہوں نے حضرت علی کے اسی قسم کے فعل سے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے۔ کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ حضرت علی نے اپنے

باپ اور ماں دونوں طرف کے قرابت داروں کو حاکم نہ کر دیا تھا۔ جیسے کہ عباس کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ کو حاکم بنا دیا تھا عبیداللہ بن عباس یمن کے حاکم بنائے گئے تھے۔ مکہ اور طائف پر قثم بن عباس حکمرانی کرتے تھے۔ اور مدینہ پر بعض کے قول کے مطابق سہل بن حنیف اور بعض کی تحقیق کے مطابق ثمامہ بن عباس حاکم بنا دیئے گئے تھے بصرہ عبداللہ بن عباس اور مصر پر حضرت علی نے ربیب محمد بن ابی بکر کو جس نے اُن کے ہاں پرورش پائی تھی گورنر بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ امامیہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ خلافت کے بارے میں حضرت علی نے اپنی اولاد کو خاص کر دیا تھا۔ اور اُنکی اولاد نے اپنی اولاد کو اسی طرح سلسلہ وار یہ معاملہ طے پاتا چلا گیا حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ اگر قرابت داروں کو عامل کرنا اور والی بنانا خلاف ہے۔ تو خلافت عظمٰی کا کسی کو والی کر دینا بعض کو بعض صوبوں کا گورنر بنا دینے کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ خلاف ہوگا۔ خاص کر چچا کی اولاد کے مقابلہ میں اپنی اولاد کو والی بنا دینا سب سے زیادہ قابل اعتراض ہے۔ یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جو وکیل اپنے لیے کچھ نہیں خرید سکتا تو اپنے بیٹے کے لیے بھی کچھ نہیں خرید سکتا اور اگر کوئی اُسے روپیہ سونپ دے کہ وہ جسے چاہے عطا کر دے تو وہ نہ اپنے لیے لے سکتا ہے نہ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔ ہاں غیروں پر بے شک بخشش کر سکتا ہے۔ اسی طرح خلافت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا خلافت کی بابت اپنی اولاد کے لیے خلیفہ وصیت کر سکتا ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں کبھی نہیں سنی جائے گی ہاں چچا کی اولاد کے حق میں بے شک سُنی جا سکتی ہے۔ اسکی یہ وجہ ہے کہ حضور انور نے فرمایا ہے "انت و مالک لابیک" یعنی تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔ یعنی وہ تم دونوں کا مالک ہے پھر فرمایا۔ "لیس لواھب ان یرجع فی ھبتہ الا الوالد فیما وھبا ولولدہ" یعنی ہبہ کرنے والے کو اپنے ہبہ میں سے کچھ واپس کر لینا جائز نہیں ہے ہاں اس ہبہ میں سے جو باپ نے اپنے بیٹے کے لیے کیا ہو (جائز ہے)۔ اگر رافضی اس کا یہ جواب دینگے کہ حضرت علی نے یہ کام نص ہونے کی وجہ سے کیا تھا تو اس کا پہلا جواب الجواب تو یہ ہے کہ بے شک ہم بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی خلفائے راشدین میں سے ہیں

اسی طرح حضرت عثمان بھی خلفائے راشدین میں سے ہیں لیکن پہلے اسکے ہم ان دونوں کے افعال کی حجت معلوم کریں. اس میں ہمیں بالکل شک نہیں ہے کہ حضرت علی کی کارگزاریاں، بدگمانیاں اور تہمتیں اِس سے بہت زیادہ ہیں جو حضرت عثمان کے اعمال پر بدگمانیاں کی جاتی ہیں اس پر اگر کوئی کہے کہ حضرت علی کے پاس تو اُن کے افعال کی حجت اور دلیل ہے تو اُسے یہ جواب دیا جائے گا کہ عثمان کے پاس بھی اِس کے اعمال کی اس سے بڑھ کر حجت اور دلیل ہے اور اگر حضرت علی کو صاحب عصمت بیان کیا جائے جس سے پھر مطاعن کے آگے گاڑی ہی نہ چلے تو اِس کے مقابلہ میں حضرت عثمان کے اجتہاد کا دعویٰ کرنا طعن کرنے والوں کی زبانوں کو بند کر دے گا. رافضیوں نے جو مبالغہ حضرت علی کی شخصیت کی نسبت کیا ہے وہ ایسا تعجب انگیز ہے کہ اسکے پڑھنے سے ہنسی آتی ہے. ان میں سے بعض تو حضرت علی کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ حضرت علی نبی تھے. پھر انہیں میں سے دوسرا گروہ ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت علی کی امامت نص سے ثابت ہے. اور یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت علی اور اُن کی اکثر اولاد معصوم ہے. لوگوں نے اُن پر ظلم کر کے اُن کی امامت کو چھین لیا. یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ حضرت علی اور اماموں کی عصمت کا دعویٰ یعنی اُنہیں معصوم کہنا نبوت میں شریک کرنے کے قریب قریب ہے. کیونکہ معصوم کے ہر قول کی پیروی کرنی واجب ہوتی ہے کسی امر میں اسکے خلاف کرنا جائز نہیں ہوتا. حالانکہ یہ خاصہ انبیا کا ہے اور اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ انبیا پر نازل کیا گیا ہے اُس پر ایمان لائیں. جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ" (بقرہ:۱۳۶) اے مسلمانو!، کہو کہ تم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اُتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُتارا گیا اور اس (کتاب پر) جو موسیٰ اور عیسٰی کو دی گئی اور جو (اور) نبیوں کو دی گئی اُن کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اُسکے فرمانبردار ہیں پھر فرمایا اٰمَنَ

الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" (بقرہ:۲۸۵) یعنی (ہمارے) پیغمبر اس پر ایمان لائے جو (کتاب) اُن کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سب مسلمان بھی اللہ اور اسکے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے (اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے پیغمبر میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہا کہ اے پروردگار ہم نے (تیرا ارشاد) سنا اور (اُسے) تسلیم کیا (اور ہمیں) تیری مغفرت (درکار ہے) اور مرنے کے بعد ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر فرمایا "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ" (بقرہ:۱۷۷) لیکن نیک وہی ہے کہ خدا پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب (الٰہی) پر اور نبیوں پر ایمان لایا۔ قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیا کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان لائیں۔ اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہر نبی پر ایمان لانا واجب ہے اگر کسی نے ایک نبی کا بھی انکار کیا تو وہ کافر ہے یہاں تک مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی کسی نبی کو برا کہے تو اسے قتل کردو سوائے نبیوں کے اور کسی کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے خواہ وہ ائمہ میں سے ہو خواہ حکما اور علما میں سے ہو۔ اب سمجھنا چاہیے کہ جس شخص نے رسول اللہ کے بعد کسی کو معصوم سمجھا اُسے اُس معصوم کے تمام اقوال پر ایمان لانا واجب ہوگا۔ ایسی حالت میں گویا اُس شخص نے اُسے نبوت کا مرتبہ دے دیا یعنی معنا نبی مان لیا اگرچہ وہ زبان سے اُسے نبی نہ کہے اُس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اُسکے امام میں اور انبیائے بنی اسرائیل میں کیا فرق ہے اسکا وہ کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ رافضیوں کے مقابلہ میں مشائخ کے مریدوں کی کثیر جماعتیں موجود ہیں جو اپنے اپنے شیخ کی بابت اس قسم کا اعتقاد رکھتی ہیں اپنے اپنے شیخ کو محفوظ سمجھتی ہیں اور وہ شیخ کے ہر قول و فعل کا اتباع کرنا اپنی نجات کا باعث جانتی ہیں۔ کسی بات میں اسکی مخالفت نہیں کرتیں۔ ابن تومرت کے مرید جنہوں نے دعوے کیا تھا کہ اُن کا پیر مہدی ہے اور وہ اُسے معصوم سمجھتے تھے جمعہ

کے خطبہ میں بھی وہ اُسے امام معصوم اور مہدی کے الفاظ سے یاد کرتے تھے اور اس میں اُن کا غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو قتل کر دیا کرتے تھے جو ابن تومرت کے معصوم ہونے کا انکار کرتے تھے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اِس قسم کے عقائد اور خیالات اسلام کی تعلیم کے بالکل مخالف ہیں اور اجماع سلف الامت اور اُن کے ائمہ ایسی باتوں کے سخت دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے" اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَ مْرِمِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (النسآء:۵۹) یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اُس معاملہ کو اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ۔ باہمی اختلاف کے وقت ہمیں خدا اور رسول کے پاس جانیکا حکم ہوا ہے اب جس نے رسول کے سوا کسی اور کو معصوم مان لیا تو اُس پر واجب ہو جائے گا کہ وہ اختلاف کے وقت اُسی کے پاس جائے۔ کیونکہ اُس کے نزدیک وہ رسول ہی کی طرح ہوگا اور یہ کلامِ الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے علاوہ معصوم کا اطاعت کرنی مطلقاً واجب ہے اِس میں کسی قسم کی قید نہیں ہے اِس کا مخالف وعید کا مستحق ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ حکم قرآن مجید نے رسول ہی کے حق میں ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُوْلٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا" یعنی اور جو کوئی اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرتے تو وہ (قیامت میں) ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اتاری ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہداء صالحین کے ساتھ اور یہ لوگ بہت اچھے رفیق ہیں اور فرمایا "وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا" یعنی جو کوئی اللہ کی اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو بے شک اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کر لی وہ اہل سعادت میں داخل ہو گیا۔ اس میں کسی اور معصوم کی اطاعت کرنیکی کوئی شرط نہیں ہے اور جس نے رسول کی نافرمانی کی وہ اہل وعید میں سے ہے اگر چہ یہ مان لیا جائے کہ

اس نے ایسے شخص کی اطاعت کا حلقہ اپنے گلے میں ڈال لیا ہے جسے وہ بطور خود معصوم سمجھتا ہے مگر اِس اطاعت پر اہل وعید میں سے خارج نہیں ہوسکتا۔ یہ شان تو حضور انور ہی کی ہے کہ اُن ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اہل دوزخ ابرار، فجار، حق، باطل، غنی، رشاو ہدایت اور گمراہی میں فرق کر دیا ہے۔ یادرکھو جس نے رسول کا اتباع کیا وہ سعید ہے اور جس نے خلاف کیا وہ شقی ہے۔ یہ مرتبہ رسول کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں۔ تمام علماء اہل کتاب اور اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ سوائے رسول کے ہر شخص کے بعض قول کو لیا جاتا ہے۔ بعض کو ترک کیا جاتا ہے۔ ہاں حضور انور جو کچھ حکم دیں یا جو قول اپنا ہو اسکی تصدیق کرنی واجب ہے اور اُن کے حکم کی اطاعت کرنی ضروری ہے کیونکہ ایسے معصوم وہی ہیں جو اپنی نفسانی خواہش سے زبان تک بھی نہیں بلاتے اور وہی کہتے ہیں جو اُنکی طرف وحی کی جاتی ہے۔ قیامت میں لوگوں سے اُن ہی کے بارے میں پوچھا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ" یعنی بے شک اُن لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جنکی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے اور بے شک ہم ضرور پوچھیں گے پیغمبروں سے۔ غرض یہ ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کا ذکر نہیں ہے جو کچھ دریافت کیا جائے گا پیغمبروں کی نسبت اور جو کچھ پیغمبروں سے پوچھا جائے گا صرف اُن کی امتوں کی نسبت باقی ایک نہیں اگر دس لاکھ ائمہ ہوجائیں اُن کے ماننے نہ ماننے پر نہ مذہب کا مدار ہے اور نہ نجات وغیرہ نجات کا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حضرت علی کی خلاف باتوں میں اگر حضرت علی کی طرف سے عذر کیا جائے گا تو ایسے ہی عذر حضرت عثمان کی طرف سے بہ نسبت حضرت علی کے زیادہ قوی ہوں گے یہ کون نہیں جانتا کہ حضرت علی نے اپنا مقصد اعظم مسلمانوں کی خونریزی قرار دے لیا تھا۔ اور اِس سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ صرف اُن کی وجہ سے ہزاروں صحابی باہم لڑ کر خاک وخوں میں لت پت ہو گئے اور اس خونریزی سے سوائے فساد بڑھنے کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کس غیر ملک پر حضرت علی نے اپنی فوجیں روانہ کیں اور اشرار کا کونسا ملک فتح کیا مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح میں کیا ترقی واقعات پر نظر کر کے انصاف سے رائے قائم کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ حضرت علی کی خلافت نے مسلمانوں

میں اس متقل فساد کی بنیاد ڈالدی ممکن ہے کہ یہ اُن کی اجتہادی غلطی ہو اور نیت بخیر ہو اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہتے مگر حضرت عثمان کے مقابلہ میں ہم کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت علی سے خطرناک غلطیاں سرزد نہیں ہوئیں اور حضرت عثمان شدہا خطاؤں کے مرتکب ہو گئے. تاریخ نے اِس بار کا فیصلہ کر دیا ہے کہ حضرت علی نے اپنے قرابت داروں میں سے جتنوں کو چاہا حاکم کر دیا اور حضرت علی کے جتنے قرابت دار حاکم ہوئے قریب قریب سب کے سب ظالم، زانی شرابی، چور، دغا باز، آچکے، غاصب ہوئے. جنکی ہیبت ناک کہانیوں سے شیعوں کی مستند کتاب نہج البلاغت بھری پڑی ہے حضرت علی جب اپنے عاملوں سے دق ہو گئے تو آپ اُس پر جہاد کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے اور اُنہیں صاف لکھ کے بھیج دیا تھا کہ مجھے اخیر تم پر جہاد کرنا پڑے گا تم اپنی شرارت سے باز نہیں آتے. اب قرابت داروں کو حکومت دینے میں تو عثمان اور علی دونوں برابر ہیں مگر جب ہم دونوں کے مقرر کردہ عاملوں کو مقابلہ میں رکھیں گے تو ہمیں صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عثمان کے حاکم حضرت علی کے عاملوں سے کہیں زیادہ فرماں بردار اور برائی سے بچنے والے تھے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. اب رہا روپیہ کے متعلق کہ عثمان نے تاویل کر کے اپنے قرابت داروں کو دے دیا تھا. اگر ہم تسلیم بھی کر لیں اور اُن کی ذاتی دولتمندی کا بھی خیال نہ کریں تو اس پر بھی جو الزام اُن پر آتا ہے. اُس سے کئی ہزار درجہ زیادہ حضرت علی پر آئے گا کہ عثمان نے تو تاویل کر کے صرف روپیہ ہی اپنے قرابت داروں کو دیا تھا مگر حضرت علی نے تاویل کر کے رسول مقبول کے ہزار ہا صحابہ کا خون کر دیا. کون نہیں جانتا کہ خون کرنا مال لینے سے بدر جہا زیادہ خطرناک اور قابل معافی جرم ہے عثمان کے پاس ایک معقول محبت ہے اور اس حجت کو کوئی توڑ نہیں سکتا آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ بنی امیہ ایسا خاندان ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان میں سے عامل بنایا ہے اور آپ کے بعد اُن اشخاص نے بھی ان ہی کو عامل برقرار رکھا جن پر قرابت داری ہونے کی کوئی تہمت نہیں لگا سکتا ہے یعنی شیخین صدیق اکبر اور فاروق اکبر اعظم نے قریش کے خاندانوں میں ایسا کوئی خاندان معلوم نہیں ہوتا جس میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے عامل خاندان

نبی عبد شمس سے زیادہ ہوں. ہمیشہ اسی خاندان کے آدمی زیادہ عامل بنائے جاتے تھے. اور زیادہ تر ان میں اشرافت اور ولوالعزی تھی اسی لیے حضور انور رسول خدا ﷺ نے اسلام کے عین زمانہ عروج میں تمام روئے زمین کی افضل جگہ یعنی مکہ معظمہ پر عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو عامل کیا تھا اور نجبر ان پر ابوسفیان بن حرب بن امیہ کو اور خالد بن سعید بن عاص کو صدقات نبی مدرج اور صنعاء یمن پر عامل کیا تھا. حضور انور کے وصال باری تعالی تک یہ صحابہ بدستور عامل رہے. ان کے علاوہ حضور انور نے عثمان بن سعید بن عاص کو تیما، خیبر اور عرینہ دیہات پر عامل مقرر کر دیا تھا اور آبان بن سعید بن عاص کو چند فوجی دستو کا کمان افسر بنا کے اِس کے بعد بحرین کا عامل بنا دیا تھا. اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی حضور انور ہی کا مقرر کیا ہوا عامل تھا. یہاں تک کہ اُس کے حق میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی "اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوْا اِنْ تُصِيْبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ" یعنی اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو لائے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کیس قوم پر جا پڑو. اِسی لیے حضرت عثمان فرمایا کرتے تھے کہ میں اُنہیں لوگوں کو عامل کرونگا جن کو حضور انور نے اور اُن کے بعد ابوبکر، عمر نے عامل کیا ہے اور ان ہی کے خاندان اور قبیلہ کے لوگوں کو عامل بناؤنگا کیونکہ ابوبکر نے ملک شام کی فتوحات کے بعد یزید بن ابی سفیان بن حرب کو عامل کیا تھا فاروق اعظم نے اُنہیں بدستور قائم رکھا پھر آپ نے اُن کے بعد اُن کے بھائی معاویہ کو عامل بنا دیا اِن لوگوں کو عامل بنانے کے بارے میں یہ روایت حضور انور رسول اللہ ﷺ سے یقیناً ثابت اور مشہور بلکہ اہل علم کے نزدیک متواتر ہے اور بعض روایتیں ان میں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک بھی متواتر ہیں اور علماء میں سے کسی نے بھی اُنکا اِنکار نہیں کیا ہے. لہٰذا نبی امیہ میں سے عامل کرنے کے جائز ہونے پر ایسی نص سے دلیل بیان کرنی جو حضور انور سے ثابت ہو ہر عقل کے آگے اِس سے زیادہ ظاہر ہے کہ نبی ہاشم میں سے ایک خاص آدمی کے خلیفہ ہونے پر نص سے دعوی کیا جائے کیونکہ یہ باتفاق تمام علماء نقل کے کذب محض ہے اور وہ باتفاق علماء نقل کے سچ ہے. اب رہی نبی ہاشم ان میں سے حضور انور نے کسی کو کہیں کا عامل نہیں مقرر کیا سوائے حضرت علی کے اُن کو

یمن کا عامل بنادیا تھا. اور یہ وہ یمن ہے جہاں معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری بھی گورنر تھے. غزوہ موتہ میں جعفر بن ابی طالب کو حاکم کیا تھا اور جعفر سے پہلے زید بن حارثہ کو اور بعض قول کے مطابق عبداللہ بن روحہ کو آپ نے حاکم بنادیا تھا. یہ روایت موجود ہے کہ عباس نے حضور انور کی بارگاہ عالی میں درخواست گزارئی کہ مجھے کسی صوبہ کا عامل بنادیا جائے. مگر حضور انور نے صاف انکار کردیا. بنی ہاشم میں علی کے بعد حمزہ، جعفر اور عبدیہ بن حارث بن عبدالمطلب سے کوئی افضل نہیں ہے. جو جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے حمزہ کو حضور نے کسی جگہ عامل نہیں بنایا کیونکہ وہ جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے. مگر رافضیوں نے امیر حمزہ کے حالات میں ایسی ایسی کہناں بنالی ہیں جن سے معلوم ہوتاہ کہ اُنہوں نے بڑے بڑے قلعہ فتح کیے بڑی بری لڑائیاں سرکیں بڑے بڑے ملک لیے حالانکہ یہ سب لغو اور بیہودہ باتیں ہیں. اِسی طرح رافضیوں نے حضرت علی کے قصے بنالیے اور اُن پر جھوٹی لڑائیوں کی تہمت رکھ دی ان بے بنیاد کہانیوں کا ذکر ابوالحسن بکری مصنف "تنقلات الانوار" بہت کچھ کرتا ہے. بنی ہاشم میں حضرت علی کے بعد اُن کی زندگی ہی میں جعفر سب سے افضل تھے اِس پر بھی حضور انور نے جعفر سے پہلے زید بن حارصہ کو امیر بنادیا اور اُنہیں مقدم رکھا اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مقدم کرنا یا تو ایمان اور تقوے کی فضیلت کے بعث ہوتا تھا یا مصلحت کی وجہ سے کسی اور امر کے باعث نسبت کی وجہ سے کبھی تقدیم نہیں ہوئی اِسی وجہ سے حضور انور اپنے تمام قرابت داروں سے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کو مقدم رکھتے تھے کیونکہ آپ اللہ کے رسول تھے آپ ہر کام اللہ ہی کے حکم سے کرتے تھے آپ اُن بادشاہوں میں سے نہ تھے جو محض اپنی ذاتی خواہش پورا کرنے کے لیے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو مقدم رکھتے ہیں. بعینہ یہی حالت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی رہی یہاں تک کہ فاروق نے تو صاف طور پر یہ فرمادیا تھا کہ اگر کسی شخص نے اپنی قرابت داری یا دوستی کی وجہ سے کسی کو امیر یا حاکم حالانکہ مسلمانوں کی خیانت کی. رافضیوں کا یہ کہنا کہ معاویہ کو عثمان نے شام پر حاکم مقرر کردیا تھا حکومت حاصل کرنے کے بعد معاویہ نے جو کچھ فتنہ اور فساد پھیلائے وہ کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں. اس کا جواب یہ ہے کہ امیر معاوہ کو تو فاروق اعظم نے یزید بن ابی

سفیان اُن کے بھائی کے انتقال پر شام کا حاکم مقرر کر دیا تھا. گویا انہیں اپنے بھائی کی جگہ ملی تھی. عثمان نے بھی معاویہ کو اُن کے عہدہ پر قائم رکھا ہاں یہ ضرور ہوا کہ اُن کے کچھ اختیارات وسیع کر دیے گئے. معاویہ جیسا روشن ضمیر حاکم ہمارے خیال میں ابتداء سنین ہجری میں تو اور کوئی نہیں ہوا معاویہ پر ان کی کل رعایا اور ساری سپاہ اپنی جان نثار کرتی تھی. اور اپنا محبوب جانتی تھی اسی طرح معاویہ بھی اپنی رعایہ پر جان نثار کرتے تھے. اور اُنہیں اپنا محبوب سمجھتے تھے. ملک شام کو جو کچھ ترقی اور سرسبزی معاویہ کے زمانہ میں حاصل ہوئی تمام بڑے بڑے یورپی محقق بھی اِسکا اعتراف کرتے ہیں. معاویہ کی انتظامی قابلیت کے مقابلہ میں حضرت علی کی قابلیت انتظامی صرف کا درجہ رکھتی ہے. تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ کوئی عامل اپنی رعایا اور لشکر کا ایسا محبوب نہیں بنا جیسے معاویہ بن گئے تھے. اِس حدیث کو جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ذرا غور سے پڑھو اور دیکھو کہ حضور انور کیا فرماتے ہیں صحیحین میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا "خیر ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم. یلعنونکم" یعنی تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں تم اُن سے محبت رکھو اور وہ تم سے محبت رکھیں اور تم اُن کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تمہارے بدتر حاکم وہ ہیں کہ تم اُن سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں. فقط حضرت علی ان کی رعایا اور اُن کے لشکر کے تعلقات کو بغور مطالعہ کر کے پھر اِس حدیث کو پڑھو اور دیکھو کہ حضور انور کا یہ ارشاد حضرت علی کی نسبت کیا فیصلہ کرتا ہے. معاویہ کی طرف سے پھر بھی کوئی بات نہ ہوئی. معاویہ کی دلی کوشش تھی کہ کسی طرح امن قائم رہے اور مسلمان باہمی خونریزی سے بچ جائیں. اِس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ معاویہ اشتر نخعی، محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ابی الاعور اسلمی، ہاشم بن ہاشم المرقال، اشعث ابن قیس کندی اور یسر بن ارطاۃ وغیرہ سب لوگوں سے بہتر تھے جو ان کے اور علی کے ساتھ تھے. ایک اور الزام رافضی حضرت عثمان پر یہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا. اور اُس نے جس قدر وہاں ہاتھ چھانٹی کی وہ کسی سے

چھپی ہوئی نہیں ہے جو چاہا کیا۔ بہت سے خلاف امور کرنے میں اُسے باک نہیں ہوا۔

جواب: عبداللہ بن عامر کی محبت اور اُن کی خوبیاں لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیں کہ بیان نہیں کی جاسکتیں انسان سے غلطی کا سرز ہونا یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے اُن کی نیک نیتی اور ایمانداری سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اگر اُنہوں نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی اور کوئی خلاف حکم بھی دیا تو وہ فوراً اس پر مجتہد کردیئے جاتے تھے۔ پھر کم عقل سے کم عقل شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے خلاف افعال کرنے سے حضرت عثمان خوش ہوتے تھے۔ رافضی کہتے ہیں کہ مروان کو عثمان نے انا پیشکار بنالیا تھا اور سب کام اُسی کے سپرد کردیئے گئے تھے یہاں تک کہ اپنی مہر بھی اُن کو دیدی تھی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان قتل کرڈالے گئے اور پھر ساری امت میں خوب فساد اور فتنے پھیلے۔

جواب: حضرت عثمان کے شہید ہونے اور فتنوں کے پھیلنے کے الزام تاریخی واقعات صرف مروان ہی کے سر پر نہیں رکھتے بلکہ اور بہت سے امور تھے جن سے ایسے خطرناک حادثات کا ظہور ہوا۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مروان سے بھی غلطیاں ہوئیں مگر ہم طویلہ کی بلا خالی بندر کے سر پر نہیں ڈال سکتے۔ بلا شک وشبہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان بہت ضعیف تھے اور اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کا انتظام اس ضعیفی میں بخوبی ہونا مشکل تھا۔ یہ لوگ جو آپ کے آگے کام کرنے والے تھے مثلاً معتمد منشی، پیشکار، سررشتہ دار وہ بعض اوقات خود ایسی باتیں کر بیٹھتے تھے جنکی عثمان کو خبر بھی ہوتی تھی بہت سے آدمی جو خلاف کام کرتے تھے اور عثمان کو معلوم ہوتا تھا آپ فوراً اُنکی برخاستگی کا حکم دے دیتے تھے۔ کبھی وہ حکم پورا ہوجاتا تھا اور کبھی نہیں۔ جب مصری مفسد مدینہ میں آئے جن کے ہاتھ سے حضرت عثمان شہید ہوئے اُنہوں نے بہت سی شکائتیں آپ کے گوشگوار کیں آپ نے اُن شکایتوں کو غور سے سُنا اور فوراً اُن کے حسب مشناء کام کردیا یہاں تک آپ نے اُن سے کہہ دیا کہ جس حاکم کو تم برخاست کرنا چاہتے ہو فوراً برخاست کردو مجھے ہرگز عذر نہیں ہے۔ یہ بیت المال کی کنجیاں موجود ہیں جسے تم چاہو اُسے دے دو۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات کی شکایت ہے کہ میں صرف اپنے اہلکاروں کے کہنے سے بے ضرورت لوگوں کو روپیہ دے دیتا ہوں تو

میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک کل صحابہ سے مشورہ نہ لے لوں گا ایک پائی بھی کسی کو نہیں دینے کا اس سے زیادہ اور تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ مگر اُن مفسدوں نے نہ سُنا اور ناحق بے گناہ بوڑھے خلیفہ کو نہایت سفاکی اور بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اُن کے قتل پر لوگوں سے فرمایا اوّل تو تم نے عثمان کو کپڑے کی طرح نچوڑ لیا اور پھر چڑھائی کر کے اُنہیں شہید کر دیا۔ معاملہ کچھ بھی نہ تھا محض چند آدمیوں کی سازش تھی جس سے اسلام کا یگانہ خلیفہ اس بیدردی سے ذبح کیا گیا۔ چند آدمیوں کی شرارت سے خود ہی ایک رقعہ حضرت عثمان کی طرف سے جعلی بنایا گیا اور پھر ایک شخص کے ہاتھ اُس رقعہ کو بھیج کے اُسے رستہ میں پکڑ لیا اور وہ رقعہ لا کے حضرت عثمان کے آگے پیش کیا کہ تم ہی نے یہ رقعہ لکھا ہے اُنہوں نے رقعہ دیکھ کے صاف انکار کیا کہ اسکی مجھے خبر بھی نہیں بے شک وہ اپنے قول میں سچے تھے پھر ان لوگوں نے شرارت سے مروان کے سر اُس جعلی رقعہ کو تھوپ دیا۔ اُس نے بھی صاف طور پر کہا یہ رقعہ میرا نہیں ہے نہ میں نے خود لکھا نہ کسی سے لکھوایا۔ بس اس ناپاک سازش کی ساری بنیاد جعلی رقعہ کو سمجھنا چاہیے۔ اگر اُس رقعہ کو ہم تھوڑی دیر کے لیے صحیح بھی تسلیم کر لیں تو حضرت عثمان کے اور مروان کے قتل کرنے کا جواز کیونکر نکلتا ہے۔ اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی کے قتل کرنے کا ارادہ کرے اور وہ اُسے قتل نہ کر سکے تو اسکے محض ارادہ کے بدلہ میں اس کا قتل کرنا کسی طرح بھی واجب نہیں ہے۔

ایک اور الزام یا طعن: رافضی حضرت عثمان پر یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے قرابتداروں کو بیت المال سے بے انتہاء روپیہ دیتے تھے یہاں تک کہ قریش کے چار آدمیوں کو اُنہوں نے چار لاکھ اشرفیاں دے دیں اور پھر اپنی لڑکیاں اُن سے بیاہ دیں مروان کو ایک کروڑ اشرفیاں دیں فقط

جواب: کسی ہم عصر شہادت اور کسی معتبر تاریخی روایت سے اس کہانی کا صدق ظاہر نہیں ہوتا ایک کروڑ اشرفیاں ایک بڑا زرِ خطیر ہے جو اس وقت اسلامی بیت المال میں مشکل سے ہوگا اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ اتنا روپیہ بیت المال میں تھا تو سمجھ میں نہیں آتا آزاد فطرت صحابہ کہاں گم ہو گئے تھے جنہوں

نے عثمان کی اس ناجائز اور دہش پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کی اور اپنے منہ پر مہر لگالی. کیا کرتے تھے اور کنبہ پروری کی صفت اُن میں زیادہ تھی مگر ساتھ ہی چونکہ وہ ایک فیاض دل اور دولتمند آدمی تھے اِس لیے غیروں کو بھی اُن کی بخشش کا حصہ برابر پہنچتا رہتا تھا. یہ بالکل سچ ہے کہ وہ مسلمانوں کے محسن تھے اور کوئی تاریخی روایت اِس احسان کی تردید نہیں کرتی جو اُنہوں نے ابتدائے اسلام سے اپنے زمانہ خلافت تک مسلمانوں پر کیا. خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی اتنی بڑی رقم کبھی کسی شخص کو نہیں دی. یہ بھی مسلمہ ہے کہ معاویہ سے جن لوگوں کو تعلق تھا اُنہیں معاویہ بہ نسبت عثمان کے تعلقین کے زیادہ دیتے تھے. اس پر بھی حسن بن علی کو آپ نے تین لاکھ درہم سے زیادہ کبھی نہیں دیئے اور اسر پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ معاویہ نے یہ زرِ خطیر جو امام حسن کو دیا اپنے پر شوکت زمانہ خلافت میں اور کسی کو نہیں دیا. حضرت عثمان کا اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنا اور اس پر معترضین کا اُن پر اعتراض کرنا قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی تاویل پہلے بیان ہو چکی ہے. اِس دینے کی یا اس سلوک کرنے کی دو وجہ ہیں جن میں سے ایک وجہ فقہا میں سے ایک گروہ کا مذہب ہو گیا ہے خود یہ وجوہات حضرت عثمان ہی اپنے دینے کی بیان کرتے تھے. پہلی وجہ تو یہ بھی تھی آپ فرماتے تھے کہ خداوند تعالے نے اپنے نبی کے لیے جو روزی قرار دی تھی وہی روزی آپ کے جانشین کے لیے بھی لازم تھی. اور یہ فقہا سے ایک گروہ کا مذہب ہے اور اِس بارہ میں فقہا نے ایک حدیث معروف مرفوع نقل کی ہے. اور کہا ہے کہ حضور انور کی زندگی میں ذوی القربیٰ سے مراد وہی لوگ تھے جو آپ کے قرابت دار تھے. اور حضور انور کے وصال کے بعد ذوی القربیٰ سے اُسی شخص کے قرابت دار مراد ہیں جو آپ کا جانشین ہو. یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے اتنے قرابت دار نہیں تھے جتنے حضرت عثمان کے تھے کیونکہ نبی عبد شمس قریش کے سارے خاندانوں میں بڑا خاندان ہے اور سوائے نبی مخزوم کے کوئی اس خاندان کا ہم پلہ نہیں ہے. ہر انسان کو اپنے مال سے صلہ رحمی کرنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہے جب اُن کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ بیت المال کے اس حصہ سے جو اللہ نے ذوی القربے کے لیے ٹھرا دیا ہے خلیفہ اُسی سے اُن لوگوں کے ستاھ صلہ رحمی کر سکتا ہے جو اُس کے مستحق ہوں تو اب اُس صلہ رحمی کرنی ضروری ہے اور اس معاوضہ یا صلہ میں سب سے بڑی مدد جو خلفیہ کو دیجاتی ہے. وہ اس کے

قرابت داررول کی طرف سے ہوتی ہے. ظاہر ہے کہ قرابت داروں سے زیادہ دوسرا شخص نازک اور سنگین حادثات میں خلیفہ کو مدد نہیں دے سکتا. اصل یہ ہے کہ ہر حاکم کے لیے ایسے معتمدوں کا ہونا ضرور ہے جن پر اُسے پورا اطمینان ہو اور وہ ایسے لوگوں کو دفع کر سکے جو اُسے ضرور دینا چاہتے ہوں. فرض کرو کہ ایسے لوگ امام کے ساتھ نہ ہوں تو وہ کس طرح اپنی امامت لوگوں پر قائم رکھ سکتا ہے اور کس طرح مسلمانوں کی بہودی کے وسائل اور ذرائع بہم پہنچا سکتا ہے. لہٰذا ضرور ہوا کہ ہر امام ایسے معتمد بہم پہنچانے چاہیں اور اُن سے جہاں تک ممکن ہو سلوک کیا جائے. دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان بیت المال کا کام کیا کرتے تھے. اللہ تعالیٰ نے بیت المال کے مستحقین کی تفصیل میں فرمایا ہے **والعاملین علیہا.** زکوٰۃ کے وصول کرنے پر اگر کوئی غنی عامل ہو وہ اگر اپنے عمل کی مزدوری لے لے تو اُسے ناجائز نہیں قرار دیا گیا ہے. اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بے شک اُسے اپنے عمل کی مزدوری لے لینی چاہیے. ہاں یتیم کے مال میں جو عامل ہو اسکی بابت اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے. "**ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیا کل بالمعروف**" یعنی جو غنی ہو اُسے بچنا چاہیے اور جو فقیر ہو اُسے دستور کے موافق کھا لینا چاہیے. یعنی جو کام وہ کرے اُس کا معاوضہ نہایت مناسب یتیم کے مال میں سے لے لے. اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں غنی کو بچنے کا جو کام آیا ہے ایجابی ہے یا استحبابی اس میں دو قول ہیں. بیت المال کا کار مختار اور وقف کا متولی آیا مثل عامل زکوٰۃ کے ہے جو باوجود غنی ہونے کے بھی لینے کا مستحق ہے یا مثل ولی یتیم کے ہے اِس میں بھی دو قول ہیں. اِن میں دو قول کے مطابق حضرت عثمان کو بیت المال میں سے دینا جائز تھا اور یہی فقہا کا مذہب ہے کہ لینا اُن سلاطین کے لینے کے مطابق نہیں ہے جو اپنی ذاتی اغراض حاصل کرنے کیلئے اور ذاتی تعیش کے لیے بیت المال میں سے روپیہ لیتے ہیں. اہل علم میں سے ایک شخص بھی سلاطین کے لینے کو جائز نہیں ٹھہراتا یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ تاویلیں حق کے مطابق ٹھیک ہیں پھر تو کچھ بحث ہی نہیں اور ان تاویلوں کو مرجوح اور ضعیف مانا جائے تو بھی یہ تاویلیں اُن تاویلوں سے جو حضرت علی کی خطرناک خونریزوں کے لیے کی جاتی ہیں. بدرجہ مستحکم اور مضبوط ہیں ان کے قول سے حجت کرنا اس شخص کے قول سے حجت کرنے کی بہ نسبت بہت ہی زیادہ قوی ہے جو قتال کو جائز سمجھتا ہے.

ایک اور طعن :رافضی کہتے ہیں کہ ابن مسعود، عثمان پر اعتراض کرتا تھا اور اُنہیں کافر کہتا تھا۔

جواب: محض غلط اور بالکل افترا ہے۔ ابن مسعود پر بہت بڑا بہتان باندھا گیا ہے اور یا یک ایسا صریح جھوٹ ہے جس سے زیادہ صریح جھوٹ ہو نہیں سکتا علماء حدیث اس بات کو جانتے ہیں اور اُنکا اتفاق آ ابن مسعود نے عثمان کو کبھی کافر نہیں کہا۔ یہ معتبر تاریخی شہادت ہے اور اس سے کوئی باخبر شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے ہیں تو ابن مسعود اُن کے خلیفہ ہونے کے بعد جب کسی کام کو کوفہ گئے تو لوگوں نے عثمان کے متعلق اُن سے دریافت کیا آپ نے صاف طور پر کہا کہ ہمارا خلیفہ ہم سب سے اعلےٰ مرتبہ شخص ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ عثمان کی خلافت کے پہلے سال میں کسی نے بھی اُن کی کسی بات پر نکتہ چینی نہیں کی ہاں دوسرے سال میں ضرور اس پر نکتہ چینیاں کی گئیں ان میں بعض نکتہ چینیاں تو ایسی تھیں کہ نکتہ چیں معذور تھے بعض ایسی تھی جن میں خود عثمان معذور تھے۔ منجملہ ان نکتہ چینیوں یا بعض رنجشوں کے ابن مسعود کو بھی شکایت تھی اور وہ تھی کہ عثمان نے قرآن مجید کی کتابت زید کے سپرد کیوں کی اور اِس کتابت میں اُنہیں کیوں نہیں شریک کیا جمہور صحابہ اس بارہ میں عثمان کے ساتھ تھے کیونکہ قرآن شریف کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے اس سے پہلے صدیق اکبر اور فاروق اعظم زید ہی سے یہ کام لے چکے تھے اِس لیے عثمان نے بھی زید ہی سے یہ کام لینا مناسب سمجھا زید بن ثابت ایک بہت خوشنویس شخص تھا اور ساتھ ہی قرآن مجید کا آخری حصہ اُسے حفظ تھا۔ اس لیے اُسی کے سپرد قرآن مجید کی کتابت کرنی صحابہ کو زیادہ پسند تھی۔ اس کے بعد جب ولید بن عقبہ نے شراب پی لی تو اس کے بارے میں بھی ابن مسعود نے اختلاف کیا تھا۔ ایسے اختلافات کچھ وزن نہیں رکھتے۔ اور یہ ہر مہذب سے مہذب شائستہ سے شائستہ اور متمدن سے متمدن اقوام میں پائے جاتے ہیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دو مخالفوں میں سے ایک کا دوسرے کے حق میں فقط کچھ کہہ دینا اُن میں سے کسی میں بھی کچھ قدح پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر ہم ہم یہ مان بھی لیں کہ ابن مسعود، عثمان پر اعتراض کیا کرتے تھے تو اس سے یہ کیونکر پایا جاتا ہے کہ اُنکا ہر اعتراض اور نکتہ چینی صحیح ہو اور معاذ اللہ وہ بمنزلہ حکم خدا کے بھی جائے۔ اُن کے اعتراض کرنے سے عثمان کے دامن فضیلت پر کوئی بدنما دھبہ نہیں لگ سکتا۔ بلکہ خود ان کی نیکی اس سے پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ جب عثمان اور ابن مسعود دونوں اپنے ہر قول میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے تو پھر کسی پر الزام نہیں آسکتا. اگر اُن سے خطائیں ہوئی ہیں تو انہوں نے عمداً کوئی خطا نہیں کی جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا اُن کی نیکیوں کا اُنہیں ثواب ملیگا. اور اللہ تعالیٰ ایسی خطاؤں کو بخش دے گا. ہم دونوں کو پاکباز متقی پرہیزگار اور فدائے قوم واسلام سمجھتے ہیں. اللہ تعالیٰ اُنہیں آخرت میں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے گا. اور وہ سچ مچ ہمارے خیال اور عقیدہ کے مطابق اسی کے مستحق تھے. عثمان ان سب سے افضل ہیں جنہوں نے اُن پر نکتہ چینیاں کیں ابن مسعود، عمار اور ابوذر وغیرہ سے بھی بدرجہا افضل ہیں. اور اُسکی سینکڑوں دلیلیں ہیں پس مفضول کے کلام کو فاضل کے حق میں قاوح سمجھنا اس کے برعکس سے اولے نہیں ہے. یعنی اِس کلام کو خود مفضول ہی کے حق میں قادح سمجھنا چاہیے. اگر ان دونوں میں علم اور انصاف کے ساتھ کچھ بیان کیا جاسکے تو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے اگر شرارت اور لاعلمی سے ان کی باہمی نکتہ چینیوں اور اختلافات کا ذکر کیا جائے تو اِس سے نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے.

عمر بن عبدالعزیز خاندان بنی امیہ کے روشن ضمیر خلیفہ نے فرمایا ہے کہ یہ اختلافات اِس قسم کے خون ہیں کہ اُن سے میرے ہاتھ کو اللہ نے پاک رکھا ہے پس اب میں یہ نہیں چاہتا کہ ان میں اپنی زبان کو تر کروں یعنی ایک کی تعریف کروں اور دوسرے کی بُرائی کروں اللہ تعالیٰ نے صاف طور حکم دے دیا ہے. "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ" یعنی یہ لوگ تھے جو گزر گئے اُن کا کیا اُنہیں کے لیے ہے اور تمہارا کیا تمہارے لیے ہے اُن کے اعمال کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔ جب کوئی شریر بدعتی پیدا ہو جائے جو جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ کے اُن پر نکتہ چینیاں کرے تو ایسے لوگوں کو دندان شکن جواب دینا ہر باخبر مسلمان کے لیے ضروری ہے.

اب ایک بحث یہ ہے کہ دو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ایک اپنے دوسرے بھائی مسلمان کو کافر بناتا ہے تو اُس کا یہ کافر بتانا اُس دوسرے پاکباز مسلمان کے لیے کیا اثر رکھتا ہے. اگر در حقیقت اس شخص نے نیک نیتی سے کسی خارجی وجہ کو دیکھ کے ایک راستباز مسلمان کو کافر کہا ہے تو یہ اسکی خطاء اجتہادی تصور کی جائے گی نہ کہ در حقیقت اس راستباز مسلمان پر کسی قسم کا کوئی اثر

پڑے گا اور اگر اس نے بدنیتی سے اُسے کافر کہا ہے تو کفر کا وبال اُسی کے اُوپر آ پڑے گا اور پاکباز مسلمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا کسی کے کافر کہنے سے کسی کے ایمان اور ولایت میں کیونکر نقص پیدا ہو سکتا ہے اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسا کہ صحیح میں آیا ہی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ کو کہہ دیا تھا کہ یہ یقیناً منافق ہے کہ منافقوں کا طرفدار بنتا ہے اور جیسا فاروق اعظم نے حاطب بن ابی بلتعہ کی بابت کہا تھا کہ حضور انور مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن اُڑا دوں اُس پر حضور انور نے فرمایا اے عمر تو جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے تمہیں کیا خبر ہے خداوند تعالے نے اُس پر کیا فضل کیا ہے مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے شخص کا کوئی قول کسی چھوٹے شخص کی نسبت بھی اُسکے ایمان اور یقین میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا.

ایک اور طعن: رافضی یہ بھی کہتے ہیں کہ عثمان نے ابن مسعود کو اس قدر پٹوایا کہ وہ اُسی کے صدمہ سے مر گئے۔

جواب: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عثمان نے ابن مسعود کو اُسی عہدہ پر بدستور رکھا تھا جس پر وہ کوفہ میں پہلے سے مامور تھے ابن مسعود، عثمان کے مارنے سے ہرگز نہیں مرے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیں کہ عثمان نے ابن مسعود اور عمار کو پٹوایا تو تینوں یعنی عثمان ابن مسعود اور عمار کے ایمان میں کیا نقص پیدا ہو سکتا ہے. ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ تینوں اکابر اولیا اللہ اور متقین کاملین میں سے ہیں ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ولی اللہ سے کبھی ایسا فعل بھی سرزد ہو جاتا ہے جس پر وہ عقوبت شرعیہ کا مستحق ہوتا ہے پھر بھلا تعزیر کا مستحق کیوں نہ ہوگا عمر بن خطاب کا واقعہ یاد نہیں کہ ایک دن آپ نے رستہ میں دیکھا کہ ابی ابن کعب آگے آگے جا رہے ہیں اور لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں تو فاروق اعظم کو یہ سخت ناگوار گزرا آپ نے ابی بن کعب کو ایک کوڑا مارا وہ کھوڑا کھا کر چونکے اور پلٹ کر دیکھا تو فاروق اعظم ہیں عرض کیا اے امیر المومنین مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی فاروق اعظم نے فرمایا اس طرح چلنا کہ تم آگے آگے ہو اور آگے چلنے والے کے لیے فتنہ کا باعث ہے. اس ابی بن کعب نے گردن کھکالی اور عرض کیا آپ نے جو کوڑا مارا وہ حق پر تھا بیشک مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی۔ یہ مساوات جو اسلام نے قائم کی تھی اور فاروق اعظم نے اس کو عملی صورت میں

کر کے دکھا دیا در حقیقت اس کا پتہ کسی شائستہ سے شائستہ قوم میں نہ اُس وقت اور نہ اس وقت مل سکتا ہے۔ اس طرح عثمان نے اگر ادب دینے کی غرض سے ابن مسعود یا عمار کو پٹوایا ہو تو اُن پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں آ سکتا۔ اگر اُن کا یہ پٹوانا تھا تو پھر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور اگر حق نہیں تھا اور وہ مظلوم تھے تو عثمان کے بارہ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی اجتہادی غلطی تھی۔ عثمان اُن سب سے افضل اور مغفرت و رحمت کے ان سب سے زیادہ حقدار تھے۔ مجتہد جب حاکم ہوا اور وہ اپنے اجتہاد سے کسی کام کو کرے اور اُسکی رائے میں یہ بات آ جائے کہ بلا سزا دیئے مسلمانوں کی مصلحت پوری نہ ہوگی تو پھر ایسی حالت میں سزا دینا ہی واجب ہوگا اگر چہ وہ شخص جس کو سزا دیجانی تجویز ہوئی ہے حاکم کے پاس حاضر ہو کر توبہ بھی کر لے مثلاً زانی، چور اور شرابی تینوں جس وقت حاکم کو اطلاع ہونے کے بعد توبہ کر لیں اور ان پر حد لگنے کا ثبوت ہو جائے تو اُن کے توبہ کرنے کی وجہ سے وہ حد اُن سے ساقط نہیں ہو سکتی حالانکہ وہ توبہ کرنے کی وجہ سے جنت کے تو ضرور مستحق ہو گئے مگر اُنکو سزا ضرور دیجائیگی۔ صحیح میں ثابت ہو کہ جب علی نے عمار بن یاسر اور حسن کو کوفہ بھیجا تا کہ دونوں وہاں کے لوگوں کو اس امر کی ترغیب دیں کہ وہ عائشہ صدیقہ کے مقابلہ میں علی کی مدد کریں یہ دونوں کوفہ پہنچے عمار بن یاسر کوفہ والوں نے کہا کہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں تمہارے نبی کی بی بی ہیں لیکن اب اللہ نے عائشہ کو ذریعہ سے تمہارا امتحان لیا ہے تا کہ وہ دیکھ لے کہ تم اُسکی اطاعت کرتے ہو یا اللہ کی اطاعت کرتے ہو۔ عمار کے اس کہنے سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ وہ عائشہ صدیقہ کو اہل جنت میں تسلیم کرتے تھے مگر اُن کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے میں اُنہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور وہ اس بات کیلئے تیار تھے کہ عائشہ صدیقہ کا اگر کوئی طرف دار نکل آئے تو اسی قتل کر دیں۔ اسی طرح عثمان نے اگر کسی خطا پر ابن مسعود یا عمار کو پٹوایا تو یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ عثمان اُنہیں اہل جنت میں سے ہیں سمجھتے تھے۔ ان سب باتوں کو جانے دو تھوڑی دیر کے لیے یہ سمجھ لو کہ جو کچھ ہوا اس میں سب گناہ گار تھے تو کیا کوئی دعوی کر سکتا ہے۔ کہ آدم سے لیکر اس وقت تک سوائے انبیاء معصومین کے کوئی شخص ایسا ہوا ہے جو گناہوں اور خطاہوں سے اپنی زندگی میں خالی رہا ہو۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ان لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ

ہو چکا ہے اور حضور انور اہل جنت میں سے فرما چکے ہیں پھر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک اور طعن: رافضی کہتے ہیں کہ عمار کے حق میں حضور انور نے فرمایا تھا۔ "عمار جلدة بين عيني تقتله الفئة الباغية لا انا لهم الله شفاعتي يوم القيامة" یعنی بہادر عمار میری آنکھوں کے نیچے پھر رہا ہے کہ اسے باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی اور اس جماعت کو قیامت کے دن میری شفاعت خداوند تعالیٰ نہ کریگا۔

جواب: کیسے غضبناک لوگ ہیں کہ حدیث کو توڑ مروڑ کے اور کم زیادہ کر کے کس طرح اپنے مطلب کا بنالیا ہے صحیح میں تو اس طرح آیا کہ "تقتل العمار ا الفئه الباغية" بہت سے علماء نے اس حدیث کو سرے سے ضعیف ہی کہا ہے، منجملہ ان کے حسین کرابیسی وغیرہ ہیں۔ امام احمد سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ اس حدیث کو ضعیف مانتے ہیں باقی یہ الفاظ کہ "لا الا انا لهم الله شفاعتي" بالکل جھوٹ اور حدیث میں زیادتی ہے اہل علم میں سے کسی نے بھی کسی معروف سند سے اس کو نقل نہیں کیا۔ اسی طرح یہ الفاظ عمار جلدة بين عيني کی بھی کوئی معروف سند نہیں ہے۔ ایسی ناپاک تراش خراش رافضیوں کے علماء اکثر کر دیا کرتے ہیں ممکن ہے اس تراش خراش سے جہلاء ہوکہ کھا جائیں مگر اہل علم کبھی وھوکہ نہیں کھا سکتے اب دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم تھوڑی دیر کیلئے اسے تسلیم کرلیں کہ آپ نے ایسا فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ فاطمہ میری پارہ جگر ہے، جو اُسے تکلیف دیتا ہے وہ مجھے تکلیف دیتا ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا صحیح میں یہ بھی ثابت ہے۔ کہ آپ اُسامہ سے محبت رکھتے تھے۔ اور یہ دعا کیا کرتے تھے اللّٰھُمَّ انی احبه فاحبه واحب من احبه "یعنی الٰہی مجھے اسامہ سے محبت ہے اس سے تو بھی محبت رکھ اور اس سے بھی محبت رکھ جو اسامہ سے محبت رکھے باوجود اسکے جب اُسامہ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو حضور نے اسے بہت سختی کے ساتھ دھمکایا اور تین دفعہ یہ فرمایا کہ اسامہ اسکے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تو نے اسے قتل کر دیا اسامہ کا خود بیان ہے کہ جب تین بار حضور نے نہایت غصہ کے لہجہ میں یہ فرمایا تو مجھ پر ایک ہیبت سی طاری ہوگئی اور میں اپنے دل ہی میں یہ تمنا کرنے لگا کاش اس سے

پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوتا تو اچھا تھا. بلکہ آج کے دن مسلمان ہوتا کہ حضور کو مجھ پر ناراض ہونے کا موقع ہی نہ ملتا. صحیح میں یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نے فرمایا اے فاطمہ بنت محمد، اللہ سے میں تمہیں کسی بات میں نہ بچا سکونگا. اے عباس رسول اللہ کے چچا اللہ کے مقابلہ میں مجھے تمہارا کوئی کام نہ ہو سکے گا. عبد اللہ حمار کے بارے میں مروی ہے کہ شراب پینے پر اُنہیں بار بار سزا دیجاتی تھی. حالانکہ خود حضور نے اُن کی نسبت بیان کیا تھا کہ عبد اللہ، اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے. اسی طرح خالد کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے. مگر جب وہ بنی خزیمہ میں کوئی خلاف بات کہہ بیٹھے تو حضور نے یہ دعا کی کہ الٰہی جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے بالکل علیحدہ بے زار ہوں۔ اسی طرح مروی ہے کہ آپ نے علی سے فرمایا تھا کہ "انت منی وانا منک "یعنی تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں مگر جب علی ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنے پر تیار ہوئے تو حضور نے یہ فرمایا کہ بنی مغیرہ مجھ سے اجازت چاہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کو علی سے بیاہ دیں میں اُنہیں کبھی. اجازت نہ دوں گا. تین بار سختی سے آپ نے یہ فرمایا. ہاں پھر آپ نے یہ کہا یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے کہ ابن ابی طالب میری بیٹی فاطمہ کو طلاق دے دے پھر بنی مغیرہ کی لڑکیوں میں سے کسی سے شادی کرے قسم ہے اللہ کی اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک ہی آدمی کے پاس ہرگز نہیں رہ سکتی. ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور انور نے صدیق اکبر کو دیکھا کہ وہ احرام کی حالت میں اپنے غلام کو مار رہے ہیں آپ نے فرمایا دیکھو یہ محرم کیا کرتا ہے. اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا اور اللہ کے رسول کا محبوب ہو تو یہ محبوب ہونا کسی کو اس بات سے نہیں روک سکتا کہ اسے ادب دیا جائے اور اس پر تنبیہ کی جائے. ساتھ ہی اس کے ایک بات یہ بھی ہے خود حضور انور نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کو کوئی دُکھ درد رنج غم یا تکلیف پہنچے یہاں تک کہ اُس کے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ ان مصائب کے بدلہ اُس کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی. من یعمل سوء یجزبہ "یعنی جو شخص کوئی بُرا عمل کرے گا تو اُسے اُسکی سزا دیجائے گی. اس پر صدیق اکبر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حکم تو ایسا ہے کہ اس سے ہماری کمر ٹوٹ گئی. حضور نے فرمایا کیا تمہیں

رنج پیش نہیں آتا اور کیا تمھیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی. یا طرح طرح کے صدمے نہیں ہوتے بس تمھیں یہی سزا مل جاتی ہے. پھر اُسکی پرسش کی ضرورت نہیں رہتی. یہ حدیث امام احمد وغیرہ نے نقل کی ہے.

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "جن لوگوں کو حدود لگائی جاتی ہیں وہ اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے"۔ صحیحین میں عبادہ بن صامت سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک دن حضور انور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "تم مجھ سے اس شرط پر بیعت کرو کہ نہ تو تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا نہ زنا کرنا نہ چوری کرنا نہ کسی پر کوئی بہتان باندھنا نہ کسی نیک کام میں میری نافرمانی کرنا پس تم میں سے جو کوئی اس بیعت کو پوری کریگا اُس کا اجر اللہ پر ہے اگر کسی نے اِن باتوں میں سے کسی ایک کو کیا اور اُسے دنیا میں سزا مل گئی تو یہ سزا اسکی خطاؤں کا کفارہ ہوجائے گی اور اگر اُس کے کرنے پر اللہ نے اُسکی پردہ پوشی کردی تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے چاہے اُس پر اسے عذاب دے چاہے معاف کردے۔

ان تمام روایتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ جب آسمانی مصیبتیں بغیر آدمی کے فعل کے جاری ہوتی ہیں اِس قسم کی ہیں کہ اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف کردیتا ہے تو پھر وہ تکلیفیں جو مخلوق کی ایذارسانی اور مظالم سے جاری ہوتی ہیں. بدرجہ اولیٰ کفارہ ہوجائیں گی. جیسا کہ مجاہدین کو کفار سے ایذا پہنچتی ہے انبیا کو اپنے تکذیب کرنے والوں سے اور مظلوم کو ظالم سے تکلیف پہنچتی ہے. فاروق اعظم اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کا یہ محمود و مسعود زمانہ تھا کہ جب کوئی شخص شراب پی لیتا تھا تو خود آ کے حضور کی خدمت میں عرض کردیا کرتا تھا کہ مجھ سے یہ خطا سرزد ہوگئی مجھے اِس خطا سے پاک کردیجئے، حضرت ماعز بن مالک اور غامد یہ دونوں حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے تھے کہ ہمیں ہماری خطا سے پاک کردیجئے۔ ولی ہو یا غیر ولی اگر اُس سے کوئی خطا سرزد ہو اور تادیب پانے کے بعد اُس خطا سے پاک ہوجائے تو اُس کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا. اور اگر کوئی یہ کہے کہ عمار وغیرہ ان امور میں معذور اور مجتہد تھے. جنکی بابت عثمان نے اُن پر تعزیر وغیرہ کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان کے بارے میں یہ بات بوجہ اولیٰ کہی جاسکتی ہے کہ جو کچھ انہوں نے ان پر تعزیر وغیرہ قائم کی وہ بھی اس میں مجتہد و معذور تھے. کیونکہ وہ خلیفہ وقت اور رعیت کی

اصلاح کرنے پر مامور تھے۔

ایک اور طعنہ: رافضی کہتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے عثمان کے چچا حکم ابن ابی العاص کو مدینہ منورہ سے نکلوایا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا مروان بھی نکالا گیا تھا، حضور کے زمانہ میں اور آپ کے بعد ابوبکر و عمر کے زمانہ میں یہ دونوں باپ بیٹے جلاوطن رہے مگر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو دونوں باپ بیٹوں کو مدینہ بلا لیا اور اسی پر قناعت نہ کی کہ مدینہ میں نہیں خالی سکونت کا حکم دیتے بلکہ مروان کو انہوں نے اپنا سررشتہ دار یا وزیر اعظم بنا لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ (مجادلہ:۲۲)

جواب: حکم بن ابی العاص ان لوگوں میں سے ہے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ اور یہ سب دو ہزار آدمی تھے اس وقت مروان کی عمر بہت چھوٹی تھی ابن زبیر اور مسعود بن مخرمہ کے ہم عمروں میں سے شمار کرنا چاہئے۔ مکہ فتح ہونے کے وقت مروان کی عمر سات سال کی تھی اسلئے حضور کے زمانہ میں ایسی صغر سنی میں مروان کسی ایسی خطا کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا جس سے اسے جلاوطن کر دیا جائے۔ جلاوطن، وطن سے ہوا کرتے ہیں۔ نہ غیر شہر سے یہ مکہ کا رہنے والا تھا اگر مکہ سے علیحدہ کسی دوسرے شہر میں بھیج دیا جاتا تو اس وقت اسے جلاوطن کہتے۔ سوال فقط یہ ہے کہ در حقیقت وہ اور اسکا باپ نکالے بھی گئے تھے۔ یا یہ رافضیوں کی گھڑت ہے اسکے بارے میں علماء نے بہت کچھ چھان بین کی ہے اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ دونوں باپ بیٹے خود ہی چلے گئے تھے ان کے نکالے جانے کا قصہ صحاح میں کہیں بھی نہیں اور نہ اسکی کوئی سند ہے۔ اس کے علاوہ شریعت میں زانی اور مخنث لوگوں کی بابت جلاوطن ہونا بے شک آیا ہے بالخصوص انہیں لوگوں کو جلاوطنی کی سزا دیجاتی تھی اور اگر حضور انور ﷺ نے ان کے علاوہ بھی کسی کو جلاوطنی کی سزا دی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا گیا۔ شریعت میں کسی ایسے گناہ یا جرم کا پتہ نہیں لگتا جس کی سزا میں کوئی شخص ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا جائے۔ جلاوطن کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے مخنث اور زانی کی جلاوطنی بھی اتنی ہی مدت کی ہوتی ہے تاکہ وہ اس عرصہ میں اپنے فعل شنیع سے توبہ کر

لے اور اپنے وطن میں آ جائے. اب دیکھو اگر حاکم کا سزا دینا کسی ایسے گناہ کی وجہ ہو کہ وہ اس سے توبہ کرلے تو جس وقت وہ اس سے توبہ کرے گا تو سزا اس سے ساقط ہو جائے گی. اور اگر سزا کسی بری خطا پر ہے. تو وہ اجتہادی امر ہے. اس میں نہ مقدار معین ہے نہ وقت اور جب یہ اس طرح ہے تو حکم بن ابی العاص کی جلاطنی بشرطیکہ رافضیوں کے کہنے کے مطابق اسے جلاوطنی قرار دیا جائے ہجرت اخیر میں ہوئی تھی اس لئے ابوبکر و عمر کے زمانہ میں اسکی زیادہ مدت نہیں بڑھی تھی جب عثمان خلیفہ ہوئے اس وقت ان کی جلاوطنی کو ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا انہیں بحیثیت ایک خلیفہ اسلام اور مجتہد ہونے کے یہ حق حاصل تھا کہ انہیں بلا لیتے. جو وقعت اور عزت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی حضور انور کی نظروں میں تھی وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے. حضور نے ان کی سفارشوں پر شدید سے شدید خطا وار کی خطا بخش دی مثلاً عبداللہ بن ابی سرح جو کاتب وحی تھا اور پھر اسلام سے مرتد ہو گیا تھا حضور نے اس کا خون معاف کر دیا تھا. گویا انتہائی سزا تھی جو حضور نے اس کیلئے تجویز کی تھی. جس سے زیادہ کوئی اور سخت سزا نہیں ہو سکتی اور حضور کی نظروں میں اسکا جرم ایسا سنگین تھا کہ آپ نے اسکے قتل کا فتوی دے دیا تھا. مگر جب عثمان حضور کی خدمت میں اُسے لیکے حاضر ہوئے اور اُسکی سفارش کی تو حضور نے عثمان کی سفارش کو رد نہیں کیا اور عبداللہ سے اسلام پر دوبارہ بیعت لے لی اس کے مقابلہ میں حکم کا معاملہ تو کچھ زیادہ سنگین نہیں ہے حضور موجود ہوتے اور عثمان حکم کی سفارش کرتے تو حضور ایک لحہ میں اُسے قبول کر لیتے. اس کے علاوہ بہت سی روایتیں ایسی موجود ہیں کہ حضور کی زندگی میں عثمان نے دونوں باپ بیٹوں کے بلانے کی اجازت مانگی تھی. اور حضور نے بہت خوشی سے اجازت دی تھی مگر یہ ایسے کچھ اپنے تجارتی کاموں میں پھنسے ہوئے تھے کہ ان کا ایکا یک آنا محال تھا. اس لیے انہیں زیادہ دیر لگ گئی. عبداللہ بن ابی سرح کا قصہ معتبر سندوں سے معروف و مشہور ہے لیکن حکم کے قصہ کو جس راوی نے ذکر کیا ہے مرسل ہی نقل کیا ہاں مورخوں کا بھی بیان اس کے متعلق مگر ان کے بیان پر ہرگز وثوق نہیں ہو سکتا. عثمان کے فضائل پر اگر خیال کیا جائے تو یہ سبک اور ذلیل حملے اُن فضیلتوں تک نہیں پہنچ سکتے. عثمان کی شان ان مطاعن سے بدرجہا اولی ہے حضور انور ﷺ کی محبت جیسی کچھ عثمان سے تھی اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا. حضور اکثر آپ کی تعریف کیا کرتے تھے اور

آپ نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی یکے بعد دیگرے اُن سے کی تھی اُن کے جنتی ہونے کی حضور نے کھلے الفاظ میں شہادت دی اُنھیں اپنا آدمی سمجھ کر مکہ بھیجا اور مکہ بھیجنے کے بعد اُن کی طرف سے اُن کے لیے آپ نے خود ہی بیعت کر لی اس کے علاوہ سب صحابہ نے اپنے اپنے اختیار سے اُنھیں مقدم رکھا تھا۔ فاروق اعظم نے تو اُن کے بارہ میں یہ شہادت تھی کہ جس وقت حضور کی وفات ہوئی ہے تو آپ اُن سے راضی اور خوش تھے۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو اس امر کے قطعی یقینی ہونے کو ثابت کرتی ہیں کہ بیشک عثمان بڑے اولیاء اللہ اور اُن پرہیزگار لوگوں میں سے تھے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس یقین میں ایسی نقل سے جسکی کچھ سند بھی ٹھیک نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ یہ واقعہ درحقیقت کس طرح ہے۔ عثمان کی شان مقدس واطہر میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ کون بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی عثمان کو ایسے امر سے خطاوار ٹھیرا سکتا ہے۔ جسکی کچی حقیقت پر پردہ پڑا ہوا ہو۔ جو لوگ متشابہ سے محکم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ تاریک ضمیری اور کجروی میں گرفتار ہوتے ہیں اُنھیں سے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کسی کے ہمیشہ کیلئے جلاوطن رہنے کا ہرگز حکم نہیں دیا۔ حضرت عثمان کی دلی کیفیت اور فطرت یہ تھی کہ وہ اللہ سے بہت ڈرتے تھے آپ ہرگز کوئی فعل عمداً ایسا نہیں کر سکتے تھے جو خلاف خدا اور رسول ہو۔ اب یہ ایک لنگڑا اعتراض یا عذر کہ ابوبکر و عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن دونوں باپ بیٹوں کو کیوں نہیں بلایا۔ اس وقت منہ کے بل گر پڑتا ہے کہ جب معترض کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکتا نہ کوئی ایسی روایت کسی کتاب میں موجود ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ دونوں باپ بیٹوں نے ابوبکر اور عمر کے حضور میں مدینہ یا مکہ واپس آنے کی درخواست بھیجی تھی اور وہ درخواست رد کر دی گئی یا یہ کہ ابوبکر عمر کو اس کا توبہ کرنا معلوم نہ ہوا اور عثمان کو معلوم ہو گیا ہو یا عثمان کی خدمت میں اُس نے واپس آنے کے لیے درخواست دی ہو۔ اور اگر ان سب باتوں کو بھی نہ مانیں اور رافضیوں ہی کے بے سند بیان کو تسلیم کر لیں تو زیادہ سے زیادہ عثمان کی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے اور یہ اجتہادی غلطی ہرگز آپ کے مراتب اعلیٰ میں کوئی نقص نہیں پیدا کر سکتی۔ اب رہی یہ بات کہ عثمان نے مروان کو اپنا سررشتہ دار یا وزیر کیوں کر لیا اس میں کسی کا دینا نقص آتا یہ بات بالکل خلیفہ وقت کے ہاتھ میں ہے وہ

جسکو مصلحت دیکھے اپنا کارکن بنالے.

کونسا ایسا جرم مروان نے کیا تھا کہ اسکی سزا میں اُسے کوئی عہدہ خلافت کا نہ دیا جاتا.
تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جس وقت حضور کی وفات ہوئی ہے تو مروان بالغ بھی نہیں ہوا تھا.
اُس وقت اُسکی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال کی تھی یہ ظاہر و باطن میں ہر طرح مسلمان تھا قرآن پڑھتا اور احکام دین سیکھتا تھا کوئی بات اس میں ایسی نہیں تھی جسکی وجہ سے اُسے بُرا کہا جاتا لہٰذا اُسے سررشتہ دار کر لینے میں عثمان کی کوئی خطا نہیں. اب رہا اسکا باپ وہ طلقا لوگوں میں سے تھا. طلقا میں اکثر اچھے مسلمان تھے کسی سے ایسے گناہ کا ہونا جس پر اُسے سزا دی گئی ہو اُس سے در پردہ منافق ہونے کو ثابت نہیں کرتا. اس کے علاوہ جو واقعی منافق ہیں اُن پر بھی ظاہر میں اسلام ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں. مکہ فتح ہونے کے بعد طلقا میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ظاہر اور کھلم کھلا مخالفت کی ہو بلکہ وہ وارث بھی ہوتا تھا اور مورث بھی اس کا جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی. مسلمانوں کے قبرستان میں اُسے دفن کیا جاتا تھا. اسلام کے تمام احکام اُس پر اُسی طرح جاری ہوتے تھے جس طرح اوروں پر. اوس وخزرج کے خاندانوں میں سے چند لوگوں کا منافق ہونا مشہور تھا جیسے عبد اللہ ابن ابی بن سلول اور اُس کے ہم خیال یار دوست. بایں ہمہ بعض اوقات مسلمان ہی ان منافقوں کی حضور انور کے آگے حمایت کرنے پر تیار ہو جاتے تھے جیسا کہ حضور انور کے آگے سعد بن عبادہ نے ابن ابی کی بہت بڑی حمایت کی تھی. یعنی سعد بن معاذ سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ قسم ہے اللہ کی نہ تم اسے قتل کرو گے نہ قتل کر سکتے ہو. یہ بلاشک سعد سے خطا ہوئی کہ اس نے ایک کھلے منافق کی حمایت کی مگر اس خطا سے سعد ایمان کے دائرہ سے خارج نہیں ہو گیا بلکہ سعد اہل جنت اور انصار سابقین اولین میں سے تھے اس کے مقابلہ میں اگر عثمان نے ایسے دو باپ بیٹوں کو پناہ دی یا مدینہ بلا لیا ہو. جن کا منافق ہونا کسی طرح سے معلوم نہ ہو تو وہ کیونکر خطاوار ٹھہر سکتے ہیں اور منافق بھی ہوتے تو بھی عثمان کا اُن پر احسان کرنا عثمان کے حق میں کچھ باعث طعن نہیں ہو سکتا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (ممتحنہ:۸) یعنی اللہ تمہیں

ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں کبھی نہ لڑے ہوں نہ تمہیں انہوں نے
تمہارے گھروں سے نکالا ہو کہ تم اُن کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ بانصاف پیش آؤ بیشک
اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ صحیح میں ثابت ہے کہ صدیق اکبر کی صاحبزادی اسماء
نے حضور سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میری ماں کا ایسی حالت میں انتقال ہوا ہے کہ وہ مسلمان نہیں
تھی کیا میں اس کے ساتھ کچھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں حضور نے فرمایا ہاں تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی
کرو۔ پھر صفیہ بنت حیی بن اخطب نے اپنے یہودی قرابت داروں کے لئے کچھ وصیت کی تھی اس
سے ظاہر ہے کہ جب مسلمان اپنے کفار قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتا ہے اور یہ اسے
ایمان سے خارج نہیں کرتا تو پھر یہ صلہ رحمی کرنا ایسے آدمی کو ایمان سے کیونکر خارج کر دے گا جو اپنے
مسلمان قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرے زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کی بابت یہ شک ہو سکتا
ہے کہ وہ نفاق کے ساتھ متہم تھے لیکن ام المومنین صفیہ بنت حیی ابن اخطب کا باپ تو ان لوگوں کا
سرغنہ تھا جو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ صفیہ ایک نیک دل اور باخبر بی بی
امہات المومنین میں سے تھیں جن کے حق میں جنتی ہونے کی شہادت ہو چکی تھی۔ جب یہ انتقال
کرنے لگیں تو اپنے بعض یہودی قرابت داروں کے لئے وصیت کر دی ان کے اس فعل پر ان کی
بہت تعریف کی گئی فقہا نے اس واقعہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کو اہل ذمہ پر صدقہ کرنا اُن
کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور اُن کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے۔ ان سب باتوں کے دیکھنے کے بعد یہ
بآسانی سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے کہ عثمان کے ذمہ اس سے کونسی برائی لازم آ گئی کہ اُنہوں نے اپنے
ایسے چچا پر احسان کیا جو کھم کھلا مسلمان تھا۔ ایک نئی بات اور سننے کے قابل ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ
جنگ بدر اور جنگ حدیبیہ میں شریک ہونے کی وجہ سے حضور انور کی نظروں میں ممتاز ہو گیا تھا اور
حضور انور اس کے جنتی ہونے کی شہادت دے چکے تھے۔ مگر فتح مکہ کے بعد اس شخص نے حضور انور کی
بہت سی پوشیدہ خبریں مشرکین کو لکھ کے بھیجی تھیں اس پر مسلمانوں کو غصہ آیا اور اُنہوں نے حضور کی
خدمت میں عرض کیا کہ وہ منافق ہے حضور نے ارشاد کیا کہ تمہیں کیا خبر ہے تم اُسے منافق نہ کہو شاید
اللہ تعالیٰ نے بدوالوں کی خطاؤں کو مدت العمر کو معاف کر دیا ہو۔ اب سمجھنے کی بات ہے کہ حاطب نے

جیسا سنگین جرم کیا کہ حضور انور کی مخبری مشرکوں سے کر دی. یہ بظاہر قابل معافی نہیں معلوم ہوتا مگر اس پر بھی حضور اس بات کے لیے تیار نہ تھے. کہ حاطب کی نسبت بُرے الفاظ سنیں اس کے مقابلہ میں حضرت عثمان کا معاملہ پیش کیا جائے تو عثمان اور حاطب کی نسبت اُس سے بھی کم ہوگی جو ذرہ کو آفتاب سے ہے لہٰذا حضور نے جب اسکے جنتی ہونے کی شہادت دے دی تو پھر اُنکی نسبت ناپاک الفاظ اور مطاعن استعمال کرنے گویا حضور انور کے طرز عمل کی تکذیب کرنی ہے.

ایک اور طعنہ: رافضی کہتے ہیں عثمان نے ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا تھا اور اِس قدر پٹوایا تھا کہ اُن کی کھال اُڑا دی تھی. حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں یہ فرمایا کہ آسمان و زمین کے بیچ میں اگر کوئی زیادہ سچا ہے تو ابوذر ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ نے میری طرف وحی بھیجی ہے. جس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ میرے چار صحابہ سے محبت رکھتا اور اُن سے محبت رکھنے کا مجھے بھی حکم دیا ہے. کسی نے دریافت کیا حضور وہ چار صحابہ کون ہیں حضور انور نے ارشاد کیا علی تو ان کے سردار ہیں باقی سلمان، مقداد اور ابوذر ہیں فقط

جواب: یہ حدیث رافضیوں کی من گھڑت ہے لہٰذا اس کے متعلق زیادہ تحقیق و تنقید کی ضرورت نہیں صرف ایک بات کا جواب دیا جاتا ہے جو ابوذر اور اُن کی حالت کے متعلق ہو. اصل بات یہ ہے کہ ابوذر کو ربذہ میں نکلوا نہیں دیا تھا بلکہ واقعات ایسے پیش آئے جس سے خود ابوذر اپنی خوشی سے وہیں رہنے لگے بات ساری یہ تھی کہ جو مسئلہ مال کی نسبت اُنہوں نے اپنے دماغ سے تراشا تھا اسکی وجہ سے تمام لوگ اُن سے ناراض تھے اور رات دن جھگڑے ٹنٹے ہوتے رہتے تھے. بلاشبہ ابوذر ذاتی طور پر نہایت نیک اور تارک الدنیا آدمی تھے اور تارک الدنیا ہونے میں انہیں یہاں تک غلو ہو گیا تھا کہ وہ اسے واجب قرار دیتے تھے یعنی ترک دنیا کو واجب کہتے تھے اور اُس روپیہ کو انہوں نے کفر قرار دے دیا تھا جسے کوئی شخص اپنی ضرورت سے زیادہ سمجھ کر جمع کرے غلو یہاں تک آپ کے کلام میں ہو گیا تھا آپ کہا کرتے تھے کہ جو شخص روپیہ جمع کرے گا دوزخ میں اُسی روپیہ سے اُسکے داغ دیئے جائیں گے. اس مسئلہ پر زبردستی کھینچ تان کے قرآن اور حدیث سے دلیلیں دیا کرتے تھے مگر یہ دلائل اُن کی ساختہ اور پرداختہ ہوتی تھیں نفس قرآن و حدیث سے اُنہیں

کچھ تعلق نہ تھا انہوں نے اپنی دعویٰ کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تھی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اور جولوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اِس آیت سے کسی طرح بھی ابوذر کا مطلب حل نہیں ہوتا ابوذر اسی غلطی پر گئے تھے کہ روپیہ کا نفس جمع کرنا ہی دوزخ میں جانے کا باعث ہے خواہ اِس روپیہ میں سے اللہ کے نام کیوں نہ دیا جائے یا آئندہ انسان نے اپنی آئندہ ضرورتوں کا لحاظ کر کے اُسے کیوں نہ جمع کیا ہو۔ جو آیات وہ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں اُن سے کچھ بھی اُن کے دعوے کو تقویت نہیں ہوتی اِسی طرح اُنہوں نے ایک حدیث بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے اور اُن کا بیان ہے کہ میں نے حضور انور رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی وہ حدیث یہ ہے

یا اباذر ما احبان یکون لی مثل احد ذھبا یمضی علیه ثلاثه وعندی منه دینارا الا دینار ا ارصده لدین" یعنی حضور انور فرماتے ہیں اے ابوذر مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے پاس احد کے برابر سونا ہے اس پر تین دن گزر جائیں اور اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی باقی رہے بلکہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں کل خرچ کر دوں مگر یہ کہ کوئی دینار میں قرض ادا کرنے کے لیے رکھ لوں۔ اس حدیث سے بھی ابوذر کے دعوے کو تقویت نہیں ہوتی کیونکہ حضور نے آئندہ ضرورتوں کا لحاظ کرنے کے لیے اس میں ارشاد فرمایا اگر چہ یہاں صرف قرض کا لفظ آیا ہے مگر اس سے وہ ضرورتیں کہ جو انسان پر ہمیشہ ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ بیماری دکھی شادی غمی اُن پر لحاظ کرنے کی طرف صاف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض انسانی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہ قرض ادا کرنے سے بھی زیادہ اہم تر اور نازک ہیں۔ ابوذر سے صرف ان کے مبالغہ اور سختی کی وجہ سے لوگ ناراض رہتے تھے مثلاً جب عبدالرحمٰن ابن عوف کا انتقال ہوا تو اُنہوں نے کچھ مال چھوڑا ابوذر نے اِس مال کو کنز میں سے ٹھہرا دیا یعنی ایسا مال جسکی وجہ سے آدمی پر قیامت میں عذاب ہوگا۔

حضرت عثمان نے ابوذر سے کہا یہ آپ کیا غضب کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں اور آپ نفس مال جمع کرنے پر اتنا تشدد کیوں کرتے ہیں اس پر ابوذر بحث کرنے لگا تھے میں کعب وہاں آ گئے اُنہوں نے صاف اور کھلے الفاظ میں حضرت عثمان کی تائید کی ابوذر کو

غصہ آ گیا اور اُنہوں نے بلا وجہ کعب کو مارا حضرت عثمان نے بمشکل بیچ بچاؤ کیا اور کعب کو وہاں سے ٹال دیا۔ ابوذر کا تشدد اس مسئلہ میں اِس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنا عقیدہ منانے کے لیے مار پیٹ سے بھی نہیں چوکتے تھے شام میں حضرت معاویہ اور ابوذر کا اسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اُس کا یہاں تک طول کھچا کہ اگر حضرت معاویہ ضبط نہ کرتے تو خونریزی ہو جاتی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نساک لوگوں کی ایک جماعت نے ابوذر کی بھی موافقت کی ہے جیسا کہ عبدالواحد بن زید وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شبلی بھی ابوذر کی رائے کے ساتھ تھے لیکن خلفائے راشدین تمام صحابہ اور تابعین اِس مسئلہ پر ابوذر کے بالکل خلاف ہیں۔ کیونکہ صحیح میں حضور ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة و لیس فیما دون خمس ذو لصدقة ولیس فیما دون خمس اذا ق صدقة یعنی پانچ وسق (غلہ) سے کم میں زکوۃ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ ہے اور نہ پانچ اوقیوں (یعنی دو سو درہم) سے کم میں زکوۃ ہے۔ فقط۔ اِس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو سو درہم سے کم زکوۃ واجب ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اور اس میں یہی شرط نہیں ہے کہ درہموں کے رکھنے والے کو ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ جمہور صحابہ کنز اُس مال کو کہتے ہیں جس کے حقوق ادا نہ کئے جائیں یعنی اُس میں سے زکوۃ وغیرہ نہ دی جائے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے میراث کی تقسیم فرما دی ہے۔ حالانکہ میراث وہی ہوتی ہے جو کوئی مورث مال چھوڑ مرے خود حضور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اکثر صحابہ مالدار تھے جن میں انصار و مہاجرین دونوں شامل ہیں۔ انبیا میں بھی کئی نبی مالدار تھے۔ ابوذر تو لوگوں پر وہ حکم واجب کرتے تھے جو اللہ نے اُن پر واجب نہ کیا اور ابوذر ان کے ایسے فعل کی بُرائی کرتے تھے جس فعل پر اللہ نے اُن کی بُرائی نہ کی ہو۔ ابوذر نے جو حضور انور کا ارشاد نقل کیا ہے اُس میں بھی واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف اِس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تیسری رات گزر جائے اور میرے پاس اُس میں سے کچھ رہے۔ پس حضور انور کا یہ فرمانا تیسری رات سے پہلے پہلے اس مال کے نکال دینے پر مستحب ہونے پر دلالت کرتا

ہےنہ کہ واجب ہونے پر اور اسی طرح حضور انور کا یہ فرمانا۔ المکثرون ھم الا قلون اس امر کی دلیل ہے کہ جو لوگ زیادہ مالدار ہیں قیامت میں ان کی نیکیاں کم ہوں گی۔ اُس وقت کہ جب اُنہوں نے اس مال میں سے اللہ کی راہ میں کچھ نہ نکالا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسکی نیکیاں کم ہوں وہ اہل دوزخ میں سے ہو جبکہ اُس نے نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا ہو اور نہ اللہ کے فرضوں میں سے کسی فرض کو ترک کیا ہو۔ فاروق اعظم جیسے اپنی رعیت کے خبر گیراں تھے اُسے سب جانتے ہیں اُن کے زمانہ میں نہ مالدار حد سے بڑھے اور نہ فقیر زیادہ ہوئے لیکن عثمان غنی کی خلافت میں مالدار بہت بڑھ گئے یہاں تک کہ اکثروں کے پاس مقدار مباح سے مال زیادہ ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اسلامی فتوحات کو وسعت ہوتی جاتی تھی مفتوحہ ممالک میں امن قائم ہو گیا تھا تجارت کی گرم بازاری ہو گئی تھی قافلوں کی آمد و رفت زیادہ بڑھ گئی تھی ایسے پر امن زمانہ میں ہمیشہ دولت مند زیادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ فاروق اعظم کی خلافت میں فتوحات کی ایک رو آتی تھی اور وہ روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی حضرت عثمان کی خلافت میں اُس رو کو ایک سکون ہوا اور اسکی رفتار ایک حد تک دھیمی پڑ گئی اس لیے تمدن اور تجارت کو بے انتہا ترقی ہوئی جس کا نتیجہ لوگوں کی دولتمندی ہے۔ ابوذر کچھ قدرتی طور پر دولت کو پسند نہیں کرتے تھے اور دولت بڑھ رہی تھی اور ابوذر کی مخالفت ترقی کر رہی تھی یہاں تک کہ اُنہوں نے مباحات سے بھی منع کرنا شروع کر دیا اور اِس سے فتنہ و فساد پیدا ہونے لگے اور لوگوں میں ایک خلفشار سی ہو گئی یہی وجہ تھی کہ ابوذر نے مدینہ کو چھوڑ کے ربذہ میں جاکے قیام کیا۔ معمولی عقل والا بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ عثمان غنی کو ابوذر سے کوئی ذاتی کدو کاوش نہ تھی عثمان ان سے کوئی ذاتی غرض رکھتے تھے۔ ابوذر کا سب آدمیوں سے زیادہ سچا ہونا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ وہ سب سے افضل بھی تھے بلکہ اس کے مقابلہ میں ابوذر ایک ضعیف مومن تھے۔ جیسا کہ صحیح میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم یعنی اے ابوذر مجھے تم ضعیف آدمی معلوم ہوتے ہو میں تم میں وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں (اللہ کے لیے) تم دو

آدمیوں پر بھی حاکم نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کے منتظم بننا۔ فقط۔ پھر صحیح میں حضور انور سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا المومن القوی خیر واحب الی اللہ من الومن الضعیف یعنی مومن قوی بہتر ہے اور وہ ضعیف مومن سے اللہ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ پس اہل شوریٰ سب قوی مومن تھے اور ابوذر اور ان جیسے اور لوگ ضعیف مومن تھے پس وہ مومن جو خلافت نبوت کے قابل تھے ابوذر سے بدرجہ افضل ہوئے۔ اس سے زیادہ اُن کی افضیلت اور ابوذر کے ضعف قلبی، ضعف دماغی، یا ضعف فطرت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عثمان نے حدود اللہ کو ضائع کر دیا تھا اور اس کے ثبوت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عمر کو قتل نہیں کیا۔ جس وقت اُس نے علی کے آزاد کردہ ہرمزان کو مسلمان ہونے کے بعد قتل کر دیا تھا علی نے عبید اللہ کی بہت تلاش کرائی تا کہ ہرمزان کے قتل کا اس سے انتقام لیا جائے لیکن وہ حضرت معاویہ کے ساتھ شام میں جاملا۔ حضرت عثمان نے یہ بھی چاہا تھا کہ ولید بن عقبہ کی شراب خواری کی حد کو معطل کر دیں۔ لیکن علی نے اس پر حد لگا دی اور یہ فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے اللہ کی حدود ہرگز معطل نہیں ہو سکتیں۔ فقط

جواب: رافضیوں کا یہ کہنا کہ ہرمزان حضرت علی کا آزاد کردہ تھا بالکل غلط اور محض غلط ہی کیونکہ ہرمزان تو اُن سواروں میں سے تھا جن کو کسریٰ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ مسلمانوں نے میدان جنگ میں اُسے زندہ پکڑ لیا اور فاروق اعظم کے حضور میں پیش کر دیا ہرمزان نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا فاروق اعظم نے اُسے آزاد کر دیا۔ یہ فاروق اعظم کا اس پر بہت بڑا احسان ہے۔ اب اگر اُس پر حق ولا تھا۔ جو آزاد کرنے میں ہوتا ہے تو وہ سب مسلمانوں کا تھا نہ اکیلے علی کا اور اگر ولا اسی شخص کا ہے جس نے اُسے آزاد کیا ہو تو وہ حق فاروق اعظم کا تھا اور اگر اس پر ولا نہ تھا بلکہ وہ مثل اُسی قیدی کے تھا کہ جب اس پر احسان کیا جائے تو اس پر ولا نہیں ہوتا تو ایسے قیدی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد غلام ہو جاتا ہے یا آزاد رہتا ہے جیسا کہ مسلمان ہونے سے پہلے تھا باوجودیکہ اس پر سب کا اتفاق ہے

کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اُسکی جان محفوظ ہوجاتی ہے. اس مسئلہ میں دو قول ہیں وہ دونوں قول امام احمد وغیرہ کے مذہب میں ہیں۔ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ علی کا اس میں کوئی حق نہ تھا نہ اُنہوں نے اس کے غلام بنانے میں یا اسکے آزاد کرنے میں کوئی کوشش کی تھی۔ جب فاروق اعظم شہید کر دیئے گئے اور مغیرہ بن شعبہ کا آزاد کردہ ابولولو گرفتار ہوا جو کافر مجوسی تھا اور جس نے آپ کو شہید کیا تھا تو تحقیق کے بعد یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ہرمزان اور ابولولو دونوں ایک ہی جگہ اُٹھتے بیٹھتے تھے اور ان میں باہم خوب گٹھوت تھی. عبید اللہ بن عمر کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ فاروق اعظم کے قتل میں ابولولو کے ساتھ ہرمزان کی سازش ہے. تمام مدینہ میں لوگ اس بات کا یقین کرتے تھے کہ ہرمزان نے ابولولو کو اس خطرناک فعل میں مدد دی. عبداللہ بن عباس کہتے ہیں جب فاروق اعظم ایک کاری زخم کھا کر گرے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کیوں تمہیں یاد ہے تم اور تمہارے والد اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ایرانی مدینہ منورہ میں بکثرت آباد ہوں. عبداللہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا بے شک یہ ہماری غلطی تھی ہمیں خبر نہ تھی کہ یہ ایسے بدکردار خونی نکلیں گے) اب اگر آپ حکم دیں تو جتنے ایرانی اس وقت مدینہ میں موجود ہیں سب کی گردنیں ماری جائیں. فاروق اعظم نے فرمایا نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا. یہ اب کس طرح ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تمہاری طرح کلمہ گو ہیں. تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں. غرض یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس جو عبید اللہ بن عمر سے بہت بڑے فقیہ بڑے دیندار اور اکثر لوگوں سے افضل تھے۔ انہوں نے بھی کل اُن ایرانیوں کی جو مدینہ میں آباد تھے گردن اڑانے کے لیے حضرت عمر سے اجازت مانگی تھی۔ اس پر اگر عبید اللہ بن عمر نے صرف ہرمزان کو قتل کر دیا تو کونسی غضبناک کارروائی کی۔ نہ صرف عبداللہ بن عباس بلکہ مدینہ کے کل مہاجر و انصار ایرانیوں کے خلاف بھڑک اُٹھے اور یہ ایک لازمہ قانون قدرت تھا کہ ایسی حالت میں اُنہیں جوش آجاتا پھر بھلا عبید اللہ بن عمر ہرمزان کے قتل کے جواز پر کونسا امر مانع تھا جب ہرمزان قتل کر دیا گیا تو اس کے قتل کے بعد عثمان غنی نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ آیا عبید اللہ کو اس کے قصاص میں قتل کیا جائے یا نہیں تو اس میں صحابہ کی کثرت رائے اس طرف ہوئی کہ آپ عبید اللہ کو ہرگز قتل نہ کریں کیونکہ کل تو اس کا باپ قتل کیا گیا اور آج وہ قتل کیا جائے گا اس سے اسلام

میں سخت فتنہ وفساد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ ہرمزان کے خون کی عصمت میں ان لوگوں کو شبہ پڑ گیا تھا اور اس میں بھی شک تھا کہ آیا ہرمزان حملہ کرنے والوں میں سے ہے جو بچنے کے مستحق ہوتے ہیں یا فاروق اعظم کے قاتلوں میں شریک ہے جو قتل کئے جانے کے مستحق ہیں۔ جب ایک آدمی کے قتل کرنے میں کئی آدمی شریک ہیں اور اُن میں سے بعض قتل کریں اور بعض نہ کریں تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قصاص خاص اسی پر ہے جس نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہو۔ یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے بعض کا یہ قول ہے کہ جب ایک شخص کے قتل کرنے میں قاتل کو اور لوگ بھی مدد دیں تو قاتل اور اس کے مددگار دونوں پر قصاص واجب ہو گا۔ گویا سب نے ملکر اس ایک شخص کو قتل کیا۔ یہی قانون ہم آج کل انگریزی عدالتوں میں دیکھتے ہیں۔ مثلاً زنا اور قصاص کے گواہ جب اپنی اپنی گواہی سے پھر جائیں۔ اور کہیں کہ ہم نے تو جان کے جھوٹ بولا تھا تو اِس صورت میں اُنھیں سزا دینی ضروری ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے جیسے مالک امام شافعی۔ اور امام احمد وغیرہ ہم کا اور اگر یہ صورت درپیش آئی کہ ایک شخص تو قتل کرنے سے رُک گیا اور دوسرے نے آگے بڑھ کے قتل کر دیا تو امام مالک اس رکنے والے اور قتل کرنے والے دونوں پر قصاص واجب رکھتے ہیں۔ اور امام احمد اسے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت تو اسی کے موافق ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ رکنے والے کو عمر قید کر دیا جائے۔ جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ قصاص فقط قاتل ہی پر ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے یعنی جب کوئی شخص کسی کے قتل کرنے کے جرائم کو یقیناً جانتا ہو اور پھر اُس کے قتل کرنے پر کسی کو حکم دے دے تو آیا اِس شخص یعنی حکم دینے والے پر بھی قصاص ہے یا نہیں اس میں بھی فقہا کے دو قول ہیں۔ جب ہرمزان اُن لوگوں میں سے تھا جنھوں نے فاروق اعظم کے قتل کرنے میں مدد دی تھی۔ تو ایک قول کے مطابق بطور قصاص کے اس کو قتل کر دینا یقیناً جائز ہو گیا۔ فاروق اعظم نے صنعاء کے مقتول کی بابت خود یہ فرمایا تھا کہ اگر سارے صنعاء والے اس کے قتل کرنے پر مائل ہوں گے تو میں اِس اکیلے کے عوض اُن سب سے قصاص لے لوں گا۔ اس کے علاوہ ائمہ اور خلفا کے قتل کر دینے میں علما کا اختلاف ہے کہ آیا ان کے قاتل کو بطور حد

کے قتل کیا جائے یا بطور قصاص کے اسکی بابت امام احمد وغیرہ کے مذہب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اُسے بطور حد یعنی بطور سزا کے قتل کیا جائے جیسے رہزنوں کو قتل کیا جاتا ہے. کیونکہ ائمہ اور خلفا کے قتل کر دینے میں رہزنوں کے فساد سے بھی زیادہ خرابی ہوتی ہے کیونکہ ان کلوگوں کو قتل کرنے والا اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑنے والا اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والا ہے اور جب ہرمزان اُن لوگوں میں سے ہوا جنہوں نے فاروق اعظم کے قتل کرنے میں مدد کی تھی تو وہ زمین میں فساد پھیلانے والا۔ اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑنے والا ہوا. اس وجہ سے اسے قتل کر دینا واجب تھا.
اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ یہ مقتول معصوم الدم تھا یعنی اُسے قتل کرنا حرام تھا. لیکن قاتل متاؤل تھا وہ کسی ظاہر شبہ کی وجہ سے اُسے قتل کرنے کو حلال سمجھتا تھا تو یہ شبہ قاتل کی طرف سے جائز ہو جائے گا. جس سے اُس پر قصاص واجب کبھی نہیں ہو سکے گا. جیسا کہ اُسامہ بن زید نے جب ایک شخص کو لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا اور اپنے دل میں یہ سمجھے کہ اس وقت یہ کلمہ پڑھنا اُسے معصوم الدم نہیں بنا سکتا. حضور انور نے اِس قتل پر اُسامہ کو فقط جھڑکی دے دی مگر قتل نہیں کیا کیونکہ اُسامہ کے پاس بچاؤ کی جو صورت تھی وہ یہ ہی تھی کہ اُنہیں اس بات کا شک ہو گیا تھا کہ آیا یہ کلمہ پڑھنا اسے معصوم الدم بنا سکتا ہے یا نہیں اور جب اسی طرح عبید اللہ بن عمر بھی متاؤل تھے اور انہیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ اس ہرمزان نے میرے پریشان باپ کے قتل کرنے میں قاتل کو مدد دی ہے اور مجھے اِس کا قتل کر دینا جائز ہے ایسی حالت میں کوئی مجتہد یا قاضی ان پر قتل کا فتویٰ نہیں دے سکتا. ہر ایک بات میں نیت دیکھی جاتی ہے وہ اس کو خوب سمجھتے تھے کہ میں اسے قتل کی سزا دے رہا ہوں پھر اُن پر قصاص کیونکر واجب ہو سکتا ہے. اس کے علاوہ ہرمزان کے مدینہ میں ورثاء نہ تھے اور جس کا کوئی وارث نہیں ہوتا اُس کا ولی یا وارث حاکم وقت ہوا کرتا ہے اور جب ایسے شخص کو جس کا کوئی ولی یا وارث نہ ہو قتل کر دیتا ہے تو امام وقت یا حاکم وقت کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے وہ اُس کے قاتل کو قتل کر دے اور چاہے اُسے معاف کر کے خون بہا لے لے چاہے اُسے یوں ہی چھوڑ دے چونکہ وہ مقتول کا ولی ہوتا ہے اُسے سب طرح کے اختیارات ہیں جو چاہے سو کرے۔ جب یہ مان لیا جائے کہ عثمان غنی نے اس کا خون معاف کر دیا تھا اور آپ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آل عمر کی طرف

سے خون بہا کا روپیہ میں بھر دوں گا پھر عثمان غنی پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے بلکہ میرے خیال میں تو
بجائے اعتراض کے اُنکی تعریف کرنی چاہیے۔ یہ مسئلہ یقیناً اجتہادی تھا کیونکہ صحابہ میں کثرت
رائے اس طرف تھی کہ عبید اللہ کو قتل نہ کیا جائے اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے تو اس پر
حضرت عثمان کو حق حاصل تھا کہ اپنے اجتہاد سے کام لیتے اور انہوں نے جو کچھ اپنے اجتہاد سے کیا
اُس پر کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ اعتراض کی انگلی اٹھائے۔ اور یوں مجانین کی طرح سے بکواس
کرنا قابل توجہ نہیں ہے۔ اسی طرح بجائے عثمان غنی کے علی بن ابی طالب ہوتے اور اپنے اجتہاد
سے ایک امر کا فیصلہ کرتے تو کبھی اُن پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ رافضیوں کا یہ کہنا کہ حضرت
علی عبید اللہ بن عمر کو قتل کرنا چاہتے تھے اصل حضرت علی پر سخت حملہ ہے اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے
کہ رافضیوں کے کہنے کے مطابق حضرت علیؓ کی یہ خواہش تھی تو حضرت علی پر ایک ایسا سخت الزام
عائد ہوتا ہے جس سے وہ کبھی بریت حاصل نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ جب ایک
خون کے معصوم ہونے کا خود حاکم حکم دے چکا ہو تو پھر حضرت علی کو اُس کے حکم کے خلاف کرنا اور
اُس کے حکم کو توڑنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ حضرت علی تو
اس مقتول کے ولی بھی نہ تھے۔ جو مدعی بن کے کھڑے ہو جاتے نہ اس مقتول کا کوئی ولی قصاص کا
طالب ہوا۔ جب اُس کا حق بیت المال کے لیے تھا تو اس صورت میں امام کو یہ اختیار تھا کہ وہ اسکی
طرف سے معاف کر دے یا اس پر خون بہا ڈالے۔ غرض ہر ایک قسم کا حق حاکم کو حاصل تھا یہ بات
مسلم ہے کہ ہرمزان کا سوائے سلطان کے اور کوئی عصبہ نہ تھا اور جب کوئی ایسا آدمی قتل کر دیا جاتا
ہے جسکا ولی اور عصبہ سوائے سلطان کے اور کوئی نہ ہو تو اُس کا اختیار سلطان ہی کو ہوا کرتا ہے کہ
چاہے اُسکے قاتل کو قصاص میں قتل کر دے اور چاہے قتل نہ کرے بلکہ صرف خون بہا لے لے اور وہ
خون بہا سب مسلمانوں کا حق ہے اِسکو سلطان اپنے اختیار سے بیت المال کے مصارف میں صرف
کیا کرتا ہے۔ بہر حال حضرت عثمان کے معاف کر دینے اور اس کے خون کا عوض نہ ہونے کا حکم کر
دینے کے بعد عبید اللہ بن عمر کو قتل کرنا کسی صورت سے مباح نہ تھا۔ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ
خاص اس بارے میں مسلمانوں میں اختلاف تھا۔ پھر ایسی بات حضرت علی کی طرف منسوب کرنی

کیونکر جائز ہوسکتی ہے. جب حضرت عثمان کا انتقال ہوگیا تو سب لوگ منتشر ہوگئے اور عبیداللہ بن عمر جو بڑے نیک آدمی تھے مکہ چلے گئے اور کسی سے بعیت نہیں کی وہ بڑے نیک اور دیندار آدمی تھے. ہمیشہ فتنہ وفساد سے علیحدہ رہتے تھے. باوجود یہ کہ حضرت علی سے اُنہیں بہت محبت تھی وہ اُن کی تعظیم کرتے اُن کی مولاۃ کے قائل تھے اور جو شخص اُن پر اعتراض کرتا تھا اُسے برا کہتے تھے لیکن مسلمانوں میں قتال ہونے کو وہ ہرگز جائز نہ سمجھتے تھے. عبیداللہ بن عمر حضرت عثمان کے شہید ہونے کے بعد ہی حضرت معاویہ کے پاس چلے گئے تھے اس پر بھی عبیداللہ کسی فتنہ وفساد کے موقعہ پر کسی کے سرغنہ نہیں بنے. جیسا کہ محمد بن ابی بکر اور اشتر نخعی وغیرہ کا حال ہے. اب ہرمزان کی حالت کو دیکھنا چاہیے وہ یقیناً منافق تھا اللہ اور اللہ کے رسول سے محاربت کرنے والوں میں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں میں بدنام ہو چکا تھا. غضب اللہ کا اس کے خون پر تو یہ واویلا مچایا جائے اور حضرت عثمان کے خون کو ایسا بے حرمت ٹھہرایا جائے. حالانکہ عثمان تو ایسے امام المسلمین تھے کہ جنتی ہونے کی خود حضور انور ﷺ شہادت دے چکے تھے. وہ اور اُن جیسے اور خلفاء انبیاء کے بعد ساری مخلوق سے افضل تھے. تواتر سے یہ بات ثابت ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ اِس سے انکار کرے کہ بڑی سے بڑی تکلیفوں اور ذلتوں پر صبر کرنے والا حضرت عثمان سے زیادہ اور کوئی نہ تھا کیونکہ جب لوگوں نے انہیں قید کرلیا اور اُن کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عام طور پر لوگ حضرت عثمان کی مدد کرنے کے لیے جوق درجوق آ گئے اور حضرت عثمان سے اجازت مانگی کہ آپ ہمیں ان باغیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیں آپ نے بڑی سختی سے منع کیا اور کہا کہ میرا قتل ہوجانا اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ مسلمانوں میں باہم خونریزی ہو یہاں تک کہ آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دے دیا تھا کہ تم میں سے جس شخص نے اپنی تلوار میان سے نہیں نکالی اُسی کو میں نے آزاد کیا. بعض لوگوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مکہ چلے جایئے آپ نے فرمایا کہ میں حرم میں فساد پھیلانے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتا پھر یہ مشورہ دیا کہ آپ شام کی طرف چلے جایئے جواب دیا کہ میں اپنے ہجرت کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتا ہے. پھر آپ نے کہا کہ آپ جنگ کیجئے فرمایا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں سب سے پہلا مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے والا نہیں بننا چاہتا یہاں تک کہ آپ

شہید ہو گئے آپ کا ایسی حالت میں صبر کرنا نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک بلکہ تمام عقلائے عالم کے نزدیک آپ کے اعلیٰ درجہ کے فضائل میں داخل ہے۔ جو واقعات زمانہ کی پیشانی پر خونی حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں وہ سب حضرت علی کے دور وزہ زمانہ خلافت کے واقعات ہیں پس جب حضرت علی کا ایسے افعال کرنا اُن کی ذات میں قدح کرنے کو واجب نہیں قرار دیتا تو پھر حضرت عثمان پر تنہا ایک منافق ہرمزان کے قتل کرنے پر کیونکر قدح ہوسکتی ہے۔ پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ ولید بن عقبہ کے مقدمہ میں عثمان نے شرابخواری کی حد کو معطل کرنا چاہا تھا لیکن حضرت علی نے اس کے حد لگا دی محض غلط اور بالکل ہے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ولید پر حد لگی اور وہ حضرت عثمان کے حکم سے لگائی گئی تھی۔ صحیح میں ثابت ہے کہ عثمان ہی نے علی کو حکم دیا تھا کہ تم اس کے حد لگا دو علی نے حد لگائی مگر صرف چالیس کوڑے مارے گویا حد میں ایک طرح کی تخفیف کر دی۔

پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی کہتے تھے۔ میرے ہوتے اللہ کی حدود کو کوئی معطل نہیں کر سکتا سرتا پا غلط اور محض غلط ہے۔ اور اگر اِسے صحیح تسلیم کر لیں تو اِس میں حضرت عثمان ہی کی تعریف نکلے گی کیونکہ اُنہوں نے حضرت علی کی گزارش کو تسلیم کر لیا اُنہیں اختیار حاصل تھا کہ وہ حضرت علی کی بات کو نہ مانتے کیونکہ وہ حاکم وقت تھے علی تنہا اُنہیں ان کے رادہ سے نہیں روک سکتے تھے۔ اور اگر حضرت علی میں اُنہیں روکنے کی قوت نہ تھی تو عثمان کے جن امور پر لوگوں نے اعتراض کئے ہیں تو حضرت علی نے باوجود اپنے اس قدرت کے ان امور سے کیوں نہیں روکا یہ تو حضرت علی پر ہی پر اُلٹا الزام آتا ہے۔ اِس کے علاوہ حد لگانے کے متعلق جب علی نے سفارش کی اور حضرت عثمان نے اِنکے کہنے کو مان لیا تو اس میں حضرت عثمان کی اعلیٰ درجہ کی دینداری اور حد درجہ کے انصاف کی دلیل ہوئی۔ ولید بن عقبہ کو جس کا یہ جھگڑا ہے حضرت عثمان نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا اہل کوفہ اس سے خوش نہیں تھے بلکہ اس کا وہاں حاکم ہونا جائز نہیں سمجھتے تھے تعجب ہے کہ حضرت علی نے اُسے کیوں نہ علیحدہ کر دیا۔ اس سے کیا تو یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت علی کے خیال میں اس کا حاکم ہونا جائز تھا وہ ایسے عاجز تھے کہ ہوں ہاں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

اب اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب حضرت علی اُسے حکومت سے علیحدہ کر دینے میں

عاجز تھے تو اُس کے حد لگانے سے کیونکر عاجز نہ ہوئے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا اگر عثمان ولید کے حد لگانے کو نہ چاہتے تو علی اُس سے یقیناً عاجز تھے اور جب حضرت عثمان نے خود ہی چاہا کہ ولید پر حد لگے تو یہ چاہنا اُن کی دینداری کی دلیل ہوئی۔ عام طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کی موجودگی میں حدود ہمیشہ باطل ہوتی رہیں یہاں تک کہ اُن کی خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی۔ رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی محض خوف تقیہ کی وجہ سے حدود کو چھوڑ دیتے تھے یعنی کبھی کوئی کام اُنہوں نے اخلاقی جرات اور ایمانداری سے نہیں کیا رافضی اُنہیں چاہے جیسا ہی تقیہ باز کہیں مگر ہم اُنہیں ایسا نہیں سمجھتے۔ اب رافضی اذان کے بڑھانے کے متعلق حضرت عثمان پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن دوسری اذان صرف عثمان کی وجہ سے بڑھی اور یہ بدعت ہے لیکن لوگوں نے بعد ازاں اسے سنت قرار دے لیا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی زندگی میں اور اُن کے شہید ہونے کے بعد نہ صرف اور صحابہ بلکہ خود حضرت علی اِس اذان کے موافق تھے کیونکہ جب وہ خود خلیفہ بنے ہیں تو اُنہوں نے اس اذان کو موقوف کرنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ حضرت عثمان کے رکھے ہوئے عاملوں کو جنہیں اپنی مرضی کے خلاف سمجھا موقوفی کا حکم دے دیا یہاں تک کہ حضرت معاویہ کو بھی معزول کرنے کا پروانہ بھیج دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کو معزول کرنے اور اُنہیں اعلان جنگ دینے سے یہ بات حضرت علی کے لیے بہت ہی آسان تھی کہ وہ اس بدعت کو توڑ ڈالتے۔ تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جاتا اور عام طور پر اس کی روایتیں نقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اِس بدعت کو توڑنے میں لوگ اُن کی موافقت نہ کرتے تھے تو یہ امر یقینی اس بات کی دلیل ہے کہ عام صحابہ اسے مستحب اور مستحسن سمجھتے تھے یہاں تک سابقین اولین میں سے وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا جیسے عمار اور سہل بن حنیف وغیرہ اسے مستحسن اور جائز سمجھتے تھے یہ ہی لوگ اکابر صحابہ تھے اگر یہ لوگ اس اذان کو روک دیتے تو کوئی منع کرنے والا نہ تھا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ میں بعض ایسے تھے جو اس اذان کے موافق تھے اور بعض مخالف تھے تو پھر یہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے ہو جائے گا۔ پھر اجتہادی مسئلہ سے حضرت عثمان پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اب اگر اس اذان کو بدعت قرار دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اگر اس کے بدعت کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس

سے پہلے کسی نے اسکو نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبلہ سے جنگ کرنا بھی بدعت ہے کیونکہ یہ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ علی سے پہلے بھی کسی امام نے اہل قبلہ سے جنگ کی تھی. پھر اہل قبلہ سے جنگ کرنے کو اذان سے کچھ بھی مناسبت نہیں کیونکہ اذان تو اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی. اس کے علاوہ اگر کوئی یہ کہے کہ بدعت سے یہ مراد نہیں بلکہ بدعت وہ فعل ہے جسے کسی نے بغیر شرعی دلیل کے کیا ہو! اس کا جواب یہ ہے کہ کس دلیل سے معترض کو یہ معلوم ہو گیا کہ عثمان نے اذان کو بغیر شرعی دلیل کے جاری کیا تھا اور علی نے اہل قبلہ سے کسی شرعی دلیل کے ساتھ جنگ کی تھی اس کے علاوہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھا دی حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اور اسی طرح ابوبکر، عمر، عثمان کے زمانہ میں کبھی عید کی نماز جامع مسجد یا کسی اور مسجد میں نہیں ہوئی. نبی ﷺ اور آپ کے زمانہ میں معروف سنت یہ تھی کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے اور بقر عید کی نمازیں ایک ہی جگہ ہوں جمعہ کی نماز لوگ مسجد میں پڑھتے تھے اور عیدین کی نماز جنگل میں مگر یہ بدعت حضرت علی نے نکالی کہ عید کی نماز بھی جامع مسجد میں پڑھنے کا حکم دے دیا. عذر یہ تھا کہ کسی نے حضرت علی سے کہا کہ شہر میں بہت سے لوگ ضعیف و ناتواں ہیں جو عیدگاہ تک نہیں جا سکتے اس پر حضرت علی نے ایک آدمی کو خلیفہ کر دیا کہ وہ مسجد ہی میں نماز پڑھا دے ایک قول تو یہ ہے کہ اُس نے تکبیر کے ساتھ دو رکعتیں پڑھائیں اور بعض کہتے ہیں کہ بلا تکبیر چار رکعتیں پڑھائیں. بہر حال اُس نے غلطی کچھ نہ کچھ ضرور کی. پھر ابن عباس کو لو جنہوں نے حضرت علی کی موجودگی میں اُن کے زمانہ خلافت میں بصرہ میں تعریف کی (یعنی اہل عرفات کی نقل اُتاری) یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں کہ علی نے اُن کو اس فعل سے روکا. اذان پر تو بعد از اں چاروں مذہبوں کا اتفاق ہو گیا جس طرح تراویح پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا اور یہ تراویح یعنی رمضان بھر شب کی مسجدوں میں قرآن پڑھنے کا حضرت عمر نے حکم دیا تھا مگر حضرت علی کے دو عیدیں کرنے میں اکثر علما کا اختلاف ہے اس میں اور جمعہ فقہا کے تین قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ شہر میں فقط ایک ہی عید اور ایک ہی جمعہ ہونا چاہیے جیسا کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے بعض اصحاب کا قول ہے اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے. بعض کہتے ہیں کہ ایک شہر میں عید کی نماز تو کئی جگہ ہونی جائز ہے لیکن جمعہ ایک ہی جگہ ہونا چاہیے. جیسا کہ امام

شافعی کا قول ہے اور امام احمد سے بھی اسی کی تائید میں ایک راویت نقل ہوئی ہے اسکی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ عید نماز کے لیے آدمی کا مقیم ہونا چند آدمیوں کا ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ جمعہ کے لیے شرط ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عید کی نماز حضر اور سفر دونوں حالتوں میں پڑھی جاتی ہے اور یہ حضور انور کی متواتر سنت اور خلفاوے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے.

بعض کا یہ قول ہے کہ ضرورت کے وقت ایک شہر میں دو جگہ جمعہ پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت علی نے ضرورت کی وجہ سے عیدین کی نماز دو جگہ کر دی تھی یہی مذہب مشہور روایت میں امام احمد بن حنبل امام ابوحنیفہ کے اکثر اصحاب اور امام شافعی کے اصحاب میں سے اکثر متاخرین کا ہے اور یہ سب لوگ حضرت علی کے فعل کو حجت اور اپنی دلیل ٹھہراتے ہیں. کیونکہ اُنہیں بھی خلفائے راشدین میں سے سمجھا گیا ہے. اسی طرح امام احمد بن حنبل نے شہروں میں تعریف کو (یعنی اہل عرفات کی نقل اُتارنے کو جائز کہا اور یہ دلیل بیان کی ہے کہ بصرہ میں ابن عباس نے تعریف کی تھی اور یہ حضرت علی کی خلافت میں ہوا تھا. ابن عباس بصرہ میں حضرت علی کے نائب تھے. پس امام احمد بن حنبل اور اکثر علماء حضرت علی کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں. جیسا کہ وہ فاروق اعظم اور حضرت عثمان کے طریقوں میں اُن کی پیروی کرتے ہیں. مگر دوسرے علماے جیسے امام مالک وغیرہ وہ حضرت علی کے طریقوں میں اُن کی پیروی نہیں کرتے بلکہ فاروق اعظم اور حضرت عثمان کے طریقوں کی پیروی کرنے پر متفق ہیں. پس اگر عمر اور عثمان کی شان میں اُن کے طریقوں کی وجہ سے قدح کرنا جائز ہے اور اُن کے طریقہ کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اُس پر سب متفق ہیں تو علی کے طریقہ کی وجہ سے علی پر قدح کرنا بدرجہ اولی جائز ہے. اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے جو کچھ کیا وہ جائز ہے اس میں قدح نہیں ہوسکتی کہ وہ ایسا طریقہ ہے کہ لوگ اس میں اُن کی پیروی کرتے ہیں تو پھر جو کچھ علی اور عثمان نے کیا وہ بھی اسی طرح یعنی اسی حکم میں بطریق اولی ہونا چاہیے اور حضرت عمر کا وہ فعل بھی اسی قسم کا ہے آپ کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے بنی تغلب کے نصاری پر دُگنی زکوۃ کر دی تھی کیونکہ وہ زکوۃ در حقیقت جزیہ تھی اسی قسم کے بہت سے امور صحیح رواىتوں میں پائے جاتے ہیں

تعجب تو اِس بات کا ہے کہ رافضی جمعہ کی اذان کی بابت حضرت عثمان پر کیوں اعتراض کرتے ہیں جبکہ اُنہوں نے انصار اور مہاجرین کی آنکھوں کے سامنے اِس فعل کو جاری کیا تھا اور اُن میں سے کسی شخص نے بھی باوجود آزاد ہونے کے اور آزاد فطرت رکھنے کے نہ اس سے کشیدہ خاطری کی اور نہ اِس سے منع کیا۔ رافضی خود اپنی اذان کو دیکھیں کہ اُنہوں نے اپنی اذان میں ایسے الفاظ بڑھائے دیئے ہیں جن کا حضور انور کے زمانہ میں ہونا کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی نے نقل کیا ہے حی الی خیر العمل یہ الفاظ کہاں سے آئے حضور انور کے زمانہ میں اذان میں داخل تھے خود حضرت علی کے زمانہ خلافت میں بھی یہ الفاظ اذان میں ثابت نہیں ہوتے۔ زیادہ سے زیادہ اِس بارے میں منقول ہونا (بشرطیکہ وہ نقل صحیح بھی ہو) فقط یہ ہے کہ بعض صحابہ جیسے ابن عمر وغیرہ تاکید کے طور پر احیاناً ایسا کہہ دیا کرتے تھے اور اس کا نام نداوالأ مراء تھا بعض اسے تھویب کہتے تھے بعض علماء نے اسکی اجازت دی ہے بعض علماء نے اسے مکروہ سمجھا ہے اور حضرت عمر اور ان کے صاحبزادے وغیرہ سے بھی انہوں نے اس کا مکروہ ہی ہونا نقل کیا ہے۔ یہ بات ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ اذان جو مدینہ کے اندر حضور انور کی مسجد بلال اور ابن اُم مکتوم دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں جو ابو محذورہ دیتے تھے اور قبا میں جو سعد القرظ دیتے تھے اُن کل اذانوں میں رافضیوں کے یہ الفاظ حی الی خیر العمل مطلق نہیں تھے۔ اگر یہ الفاظ ہوتے تو مسلمان انہیں ضرور نقل کرتے اور بغیر نقل کیے کسی طرح بھی نہ چھوڑتے کیونکہ کوئی وجہ ان کو ان الفاظ کے چھوڑ دینے کی نہ تھی تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اذان میں ان الفاظ کی زیادتی بیشک بدعت باطل اور غلط ہے۔ یہ چاروں موذن جن کا نام اوپر آیا ہے حضور انور کے حکم سے اذان دیتے تھے اور حضور ہی سے یہ اذان سیکھی تھی اور ان کی اذان عام اور خاص سب لوگوں کے نزدیک مشہور و متواتر ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اذان کے الفاظ کو نقل کرنا مسلمان کے لیے کسی آیت کے اعراب نقل کرنے سے بدرجہا بڑھ کر ضروری ہے اور شعائر اسلام میں اذان سے زیادہ مشہور اور کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا اس کا نقل کرنا اور تمام شعائر کے نقل کرنے سے زیادہ ضروری تھا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اذان کی کیفیت میں تو اختلاف ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ

بس جو حدیث سے ثابت ہو جائے وہ ہی صحیح اور سنت ہے اس میں شک نہیں کہ حضور انور نے ابو محذورہ کو اذان سکھائی تھی اس اذان میں ترجیع بھی ہے اور تکبیر کے لیے دو دو کلمہ بھی ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ بلال کو یہ حکم تھا کہ اذان کے کلموں کو دو دو دفعہ کہا کرے اور تکبیر کے کلموں کو ایک ایک دفعہ مگر ان کی اذان میں ترجیع نہ تھی پس تکبیر کے کلموں کو ایک ایک دفعہ نقل کرنا بھی بلاشک صحیح ہے اور ان کے دو دو دفعہ کہنے کو نقل کرنا بھی بلاشک صحیح ہے محدثین اِسے بھی صحیح کہتے ہیں اور اُسے بھی صحیح کہتے ہیں یہ مثل تشہد کے ہے جو کئی طرح پر منقول ہے لیکن حجاز میں آخر تکبیر کا ایک ہی کلمہ کہنا مشہور ہو گیا تھا جو حضور انور نے بلال کو تعلیم کی تھی ترجیع آہستہ آہستہ کہی جاتی تھی اس پر بعض کا یہ قول ہے کہ ترجیع ابو محذورہ کو حضور انور نے اس لئے سکھائی تھی کہ ان کے دل میں ایمان اچھی طرح اپنا گھر کرے نہ کہ یہ اذان میں داخل تھی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ترجیع کی حضور نے ابو محذورہ کو تلقین کی تھی پس مشہور اذان کے نقل کرنے میں علما میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ اب رافضیوں کا ایک یہ اعتراض کہ سب مسلمان عثمان کے خلاف ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ اُنہیں قتل کر دیا۔ اُن کے تمام افعال پر عیب لگائے اور اُن سے کہا کہ بدر کی لڑائی میں تم غائب ہو گئے تھے جنگ احد میں تم بھاگ گئے تھے۔ بیعت الرضوان میں تم حاضر نہ تھے وغیرہ وغیرہ۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ جو الزام حضرت عثمان پر لگایا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ سب مسلمان ہرگز ان کے مخالف نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان کے قاتل چند شوریدہ سر اور فسادی مصری مسلمان تھے اور وہ باغی اور ظالم تھے۔ ابن زبیر کہتے ہیں کہ عثمان کے قاتلوں پر میں لعنت بھیجتا ہوں کہ وہ چوروں کی طرح اُن پر آ پڑے۔ مگر ان باغیوں کا بہت سا حصہ وہیں تہ تیغ ہو گیا کچھ بچے کھچے تھے وہ راتوں رات بھاگ گئے تھے۔ اِسلامی فوجیں اس وقت مدینہ میں حاضر نہیں تھیں اور جو ملکی مسلمان حضرت عثمان کی مدد کو آئے تھے اُنہیں حضرت عثمان نے لڑنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ اوپر بیان ہوا پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ کُل مسلمان اُن کے مخالف تھے۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان اُن کے ہر فعل میں خلاف ہو گئے تھے یا اُن کے جن کاموں پر اعتراض کیا گیا ہے اُن میں سب لوگ اُن کے مخالف بن گئے تھے تو یہ بھی صریح جھوٹ

ہے کیونکہ عثمان کے جس امر پر بھی اعتراض کیا گیا. اُسی میں اکثر مسلمان اُن کے موافق تھے بلکہ وہ علما بھی جن پر کسی قسم کی تہمت نہ لگی تھی اور جو لوگ عثمان کے خلاف امور پر اُن کے موافق ہوئے اور اُن کا ساتھ دیا. مسلمانوں کے نزدیک وہ اُن لوگوں سے بہت زیادہ افضل ہیں ابت جنھوں نے علی کے خلاف امور پر علی کی موافقت کی اور اُنکا ساتھ دیا یا تو کل ہی امور میں یا اکثر میں، مگر بعض مسلمانوں نے اُن کے بعض امور کا انکار کیا تھا لیکن ان بعض میں اکثر امور ایسے تھے جن میں حق عثمان ہی کی طرف تھا اور بعض میں وہ مجتہد تھے۔ مجتہد مصیب یا مخطی ہوا ہی کرتا ہے لیکن ان کے قتل کرنے کی کوشش کرنے والے سب کے سب خطا کار ظالم باغی اور سرکش تھے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان قاتلوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہیں اللہ نے جیتے جی ہی بخش دیا تھا تو ایسی حالت بھی عثمان کی مظلومیت کو نہیں الگ کرسکتی اور جن لوگوں نے عثمان سے یہ کہا تھا کہ جنگ بدر میں بھی تم غائب ہو گئے تھے اور جنگ احد میں بھی اور بیعت الرضوان کے وقت بھی موجود نہ تھے ایسے کہنے والوں کا شمار صرف انگلیوں پر ہے اُن کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہیں ہے. حضرت عثمان اور ابن عمر نے اِن دریدہ دہن معترضوں کو ان کے اس اعتراض کا جواب دیا تھا کہ بدر کے دن میں میدان جنگ سے صرف حضور انور کے حکم کی وجہ سے چلا گیا تھا تا کہ حضور انور کے قائم مقام ہو کر آپ کی صاحبزدی کی تیمارداری کروں چونکہ میں نے حضور انور کی تعمیل حکم کی تھی لہٰذا حضور نے مجھے بمنزلہ موجودین میدان جنگ کے سمجھ کے مال غنیمت میں میرا حصہ لگایا اور مجھے کچھ عطا بھی کیا. اب رہا بیعت الرضوان کا معاملہ یعنی جنگ حدیبیہ میں حضور نے میری طرف سے اپنے ہاتھ سے بیعت لے لی تھی حضور انور کا دست مبارک میرے ہاتھ سے بدرجہا بہتر تھا. فقط.

اصل یہ ہے کہ حضور انور نے اپنا سفیر بنانے کے اُنہیں مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور جب آپ نے یہ سنا کہ عثمان قتل کر ڈالے گئے اُس پر آپ نے اپنے صحابہ سے اس طرح کی بیعت لی کہ بلا جان دیئے وہ لڑائی سے منہ نہ پھیریں کیونکہ حضور انور نے خود ہی حضرت عثمان کو بھیجا تھا اس لیے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اس بیعت میں نہ شریک کیے جائیں. ان کا شریک ہونا یقیناً اور

انتظامی ہے. اِس کے علاوہ قریش نے حضرت عثمان سے یہ درخواست کی تھی کہ تم تو بیت اللہ کا طواف کرلومگر رسول اللہ اور اُن کے صحابہ طواف نہ کریں. حضرت عثمان نے اسے منظور نہیں کیا اور یہ فرمایا کہ حضور انور تو ہم سب سے پہلے طواف کریں گے۔ اب رہا جنگ احد سے پیچھے رہ جانے کی بابت اعتراض کرنا یہ بھی حد درجہ کی ایک کمینہ حرکت ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے حضرت عثمان بن عفان جنگ احد میں شریک نہیں ہوئے تھے اس کے متعلق اللہ تعالی نے جہاں اور نہ شریک ہونے والوں کی خطائیں بخش دیں۔ چنانچہ یہ آیتیں ملاحظہ ہوں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ٥ (آل عمران:۱۵۵)

ایک اور طعنہ: رافضی کہتے ہیں کہ عثمان نے رسول اللہ کی سنت کو بدل دیا اور حج کے زمانہ میں مقام منیٰ میں نماز عصر نہیں پڑھی بلکہ چار رکعت ادا کی حالانکہ رسول اللہ سفر کی حالت میں ہمیشہ کسر کیا کرتے تھے اور خاصکر اِس مقام میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کسر کر کے ادا کیا کرتے تھے. عثمان کے اِس فعل سے تمام صحابہ ناراض ہوئے اور اُسکی بابت عثمان پر اعتراض کیا.

جواب: رافضیوں کا یہ طعنہ کی جہالت اور حق پوشی کی وجہ سے ورنہ اِس کا جواب خود حضرت عثمان ہی اُس وقت دے چکے ہیں. جب لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے نماز کسر کیوں نہ کی ان کے جواب میں حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں نے مکہ میں نکاح کرلیا ہے میرا سب گھر بار یہاں ہی ہے. میری حالت مسافروں کی سی نہیں ہے اور نماز کسر کرنے کا حکم مسافر کے لیے ہی مقیم کے واسطے نہیں ہے بلکہ مقیم کے لیے تو کسر کرنا جائز نہیں ہے اور اسی پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے. اِسی وجہ سے میں نے نماز کسر نہیں کی. یہ جواب سُن کر تمام صحابہ خاموش ہوگئے اور اُنہوں نے تسلیم کرلیا کہ حضرت عثمان کا یہ فعل ناجائز نہیں ہے. امام احمد وطحاوی وابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن عبد البر نے حضرت عثمان کا یہ جواب اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے. اِس سے پوری طرح ثابت ہوگیا کہ حضرت

عثمان کا منیٰ کے مقام میں پوری نماز ادا کرنا کسی طرح ان کو مطعون نہیں بنا سکتا اور تمام علما کے اجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان پر اتمام صلوۃ ہی واجب تھا۔ نہ کہ کسر کرنا۔ اس واقعہ کی بابت امام احمد طحاوی وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے لفظ یہ ہیں۔ "ان عثمان صلی بالناس فنی اربعاً فانکر الناس علیه فقال ایها الناس انی اهلت بمکة منذقدمت وانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من تاهل ببلدة فلیصل صلوة فیها۔ اخرجه احمد عن عبد الله بن عبد الرحمن بن ذباب عن ابیه وغیره عن غیر" یعنی عثمان نے منیٰ میں لوگوں کے ساتھ چار رکعت نماز پڑھی۔ اس پر لوگوں نے انکار کیا تو عثمان نے کہا کہ جب سے میں مکہ میں آیا ہوں میں نے یہاں اپنا گھربار کر لیا ہے۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی شہر میں اپنا گھربار بنا لے اُسے چاہیے کہ وہ وہاں مقیم کی سی نماز ادا کرے روایت کیا ہے اس حدیث کو احمد نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ذباب سے اور اس نے اپنے باپ سے۔

ایک اور طعنہ: رافضی حضرت عثمان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے بقیع کو جو حوالی مدینہ میں ایک مشہور چراگاہ ہے قرق کر لیا تھا۔ اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا ہے المسلمون شرکاء فی ثلث الماء والکلاء والنار یعنی مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی میں گھاس میں اور آگ میں۔ مطلب یہ ہے کہ پانی گھاس اور آگ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ یہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہو سکتیں بلکہ تمام مسلمان ان چیزوں میں برابر کا حق رکھتے ہیں۔ پھر جو عثمان نے بقیع کے چراگاہ کو قرق کر لیا یہ کاروائی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔

جواب: اس طعنہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان پر چراگاہ کے مخصوص کرنے کی بابت کسی طرح بھی کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت عثمان نے اس چراگاہ کو خاص اپنے جانوروں کیلئے مخصوص نہیں کیا تھا بلکہ صدقہ کے اونٹوں اور جہاد کے گھوڑوں کے واسطے مخصوص کیا تھا۔ خود حضرت عثمان سے بھی اسکی بابت صحابہ نے دریافت کیا تھا جس کا جواب حضرت عثمان نے یہی دیا تھا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لا حمی الا الله و رسوله یعنی حمی جنگل کی گھاس کا

مخصوص کرنا، خاص اللہ اور رسول ہی کے واسطے ہے۔ اور میں نے بھی اِس کو صدقہ کے اونٹوں اور بیت المال اور جہاد کے گھوڑوں کے لیے مخصوص کیا ہے اور چراگاہ کو رمنہ بنادیا ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے بھی جہاد کی گھوڑوں اور صدقہ کے اونٹوں اور بیت المال کے واسطے حمی بنایا تھا۔ اور جب صحابہ نے یہ کہا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے تو ایک تھوڑی سی زمین کو حمی بنایا تھا تم نے اُسے بہت زیادہ بڑھالیا ہے اِسکا جواب حضرت عثمان نے یہ دیا کہ اُس وقت اور اِس وقت کے بیت المال میں دیکھو کس قدر فرق ہے۔ حضور انور کے زمانہ مبارک میں بیت المال نہایت قلیل پیمانہ پر تھا اور اب بہت زیادہ ہو گیا ہے اِسی نسبت سے حمی میں بھی زیادتی کی گئی ہے۔ حضرت عثمان کا یہ مسکت جواب سُن کر تمام صحابہ نے مان لیا اور سر تسلیم خم کر لیا۔ اگر حضرت عثمان کا یہ جواب صحیح نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ صحابہ خاموش رہتے۔

اور طعنہ: اسی طرح رافضی حضرت عثمان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ عثمان نے بازار پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جب تک عثمان کے گماشتے بازار میں اپنی خرید وفروخت کے کام سے فارغ نہ ہو لیں اور کوئی شخص خرید وفروخت نہ کر سکے۔ بازار کے علاوہ جہازوں کو بھی عثمان نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا، اور منادی کرادی تھی کہ جہازوں پر سوائے عثمان کے اور کسی کا تجارتی مال بار نہ ہو سکے۔

جواب: اِس طعنہ کا جواب یہ ہے کہ بازار پر قبضہ کرنے اور عام لوگوں کو خرید وفروخت سے روکنے کا الزام جو رافضی حضرت عثمان پر لگاتے ہیں یہ سراسر غلط اور سرتاپا لغو ہے کبھی حضرت عثمان نے کوئی حکم ایسا جاری نہیں کیا کہ کوئی شخص بازار میں خرید وفروخت کرنے نہ پائے۔ بلکہ اِس واقعہ کی اصلیت یہ ہے کہ حارث بن الحکم دو تین دن کے لئے بطور خود بازار کا داروغہ بن گیا تھا اور اس نے اپنی طرف سے ہی یہ کارروائی شروع کر دی تھی حضرت عثمان کو اِس کارروائی کا علم بھی نہ تھا بلکہ جس وقت حضرت عثمان کو معلوم ہوا کہ حارث بن الحکم نے یہ کارروائی شروع کر دی ہے تو آپ نے فوراً اُسے معزول کر دیا ایسی حالت میں حضرت عثمان پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اب رہا دوسرا اعتراض جہازوں کی بابت اسکی اصلیت یوں ہے کہ حضرت عثمان کے کئی تجارتی جہاز چلتے تھے جن پر ان کا اسباب تجارت بار ہوتا تھا آپ نے اور لوگوں کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ بھی چاہیں تو اپنا مال ان جہازوں میں

بار کر سکتے ہیں اور اپنے اپنے گماشتے ساتھ کر سکتے ہیں چنانچہ اکثر لوگ حضرت عثمان کے جہازوں میں جو مصر و مغرب کی طرف مال تجارت لیجاتے تھے اپنا مال و اسباب تجارت اور اپنے گماشتوں کو بھیج دیا کرتے تھے حضرت عثمان کا یہ ایک احسان تھا کہ عام طور پر انہوں نے اپنے جہازوں کو وقف کر دیا تھا لیکن جب حضرت عثمان کا کاروبار تجارت زیادہ بڑھ گیا اور دوسرے لوگوں نے بھی تجارتی جہاز تیار کر لیے تو حضرت عثمان نے منع کر دیا کہ اب میرے جہازوں میں دوسرے شخص اپنا اسباب بار نہ کریں اپنے جہازوں کے سوا حضرت عثمان نے کسی اور کے جہاز سے کبھی کسی وقت میں بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر پہلا الزام: رافضی کہتے ہیں کہ سنیوں نے حضور کی تمام ازواج سے عائشہ کا مرتبہ بڑھا دیا حالانکہ حضور انور خدیجہ بنت خویلد کو بہت یاد کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دن عائشہ نے حضور سے عرض کیا کہ آپ اب بھی خدیجہ کو یاد کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اچھا بدلہ آپ کو دیا ہے اس پر حضور نے جواب دیا خدا کی قسم خدیجہ کے عوض مجھے اچھا بدلا نہیں ملا اسنے میری اسوقت تصدیق کی جبکہ سب نے میری تکذیب کر دی تھی اور ایسے وقت میرا ساتھ دیا جب کہ سب مجھ سے علیحدہ ہو گئے تھے اس نے اپنے مال سے بھی میری مدد کی اللہ نے اس سے مجھے لڑکا عطا کیا وغیرہ وغیرہ۔

جواب: رافضیوں کا یہ الزام جو انہوں نے سنیوں پر لگایا ہے کہ وہ عائشہ صدیقہ کو حضور کی کل ازواج سے افضل سمجھتے ہیں بے سروپا اور لغو ہے کیونکہ مسلمان علما کا اس پر اجماع اور اتفاق نہیں ہے کہ حضور کی سب ازواج مطہرات سے عائشہ صدیقہ افضل ہیں. ہاں علماء کا ایک حصہ اسطرف گیا ضرور ہے اور یہ علما اپنے ثبوت میں صحیحین کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں. جو ابو موسیٰ اور انس سے مروی ہے. حضور نے فرمایا تھا" **فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام** " یعنی عائشہ (صدیقہ) کو تمام عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید (کھانے کی ایک قسم) کو اور تمام کھانوں پر ہے. ثرید سب کھانوں سے افضل ہے. ثرید گوشت روٹی کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے.

اذا مع الخبز قادمہ بلحمہ فذاک امانۃ اللہ الثرید

یعنی جس وقت روٹی گوشت کے ساتھ ہوتو یہ اللہ کی امانت ثرید ہے۔

فضل اِسے اس لئے کہا گیا ہے کہ غلوں میں گیہوں افضل ہے اور کھانے کی چیزوں میں گوشت. گوشت اور گیہوں کے مجموعہ کو ثرید کہتے ہیں. ابن قتیبہ نے حضورانور سے یہ روایت کی ہے. "سید ادامہ اھل الدنیا والاخرۃ اللحمہ" یعنی اہل دنیا اور اہل آخرت کے سالنوں میں سب افضل گوشت ہے اِس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ثرید کھانوں میں سب سے افضل ہوا۔ حضورانور سے متعدد طریقوں سے یہ ثابت ہے جیسا کہ فرمایا ہے "فضل عائشہ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام" صحیح میں عمر بن العاص سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں میں نے حضورانور سے پوچھا یارسول اللہ عورتوں میں سب سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے حضور نے فرمایا عائشہ سے پھر میں نے دریافت کیا کہ مردوں میں آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے فرمایا اُن کے باپ سے میں نے کہا اس کے بعد پھر کس سے محبت ہے فرمایا عمر سے اور اُن کے بعد اور کئی آدمیوں کا نام لیا. پھر یہ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نسبت حضورانور کا یہ ارشاد "ما ابدلنی خیراً منھا" اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میری ذات خاص کو اس سے بہتر بدلہ مجھے نہیں ملا. کیونکہ خدیجۃ الکبریٰ نے شروع اسلام میں حضور کو ایسا نفع پہنچایا تھا کہ اِس میں ان کے برابر کوئی نہیں ہوسکا. پس اِس اعتبار سے وہ حضور کے لیے سب سے بہتر تھیں اور عائشہ صدیقہ آخرت نبوت اور دین کامل ہوجانے کے وقت آپ کی صحبت میں رہی ہیں. اس لیے انہیں علم وایمان ایسا حاصل ہوا جسکی نظیر اور کسی میں نہیں ملتی. اصل میں اُمت کو سب سے زیادہ اُنہیں سے فائدہ پہنچا. لہٰذا اُن کی افضلیت کی یہ کافی دلیل ہوسکتی ہے. بلاخوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدیجۃ الکبریٰ نے جو نفع پہنچایا وہ حضورانور کی ذات تک محدود تھا اور عائشہ صدیقہ سے جو نفع پہنچا وہ حضور کی ذات ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ امت بھی اس میں شامل ہوگئی. دوسرا یہ کہ خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی میں دین کامل نہیں ہوا تھا وہ اس کے کمالات سے کیونکر واقف ہوتیں. لہٰذا دین کے کامل ہونے کے بعد جو ایمان لائے اور انہوں نے دین کا علم حاصل کیا ان کی فضیلت ظاہر

ہے۔ خدمات اور نمایاں کا موٴمن پر انسان کی فضیلت کا مدار ہوا کرتا ہے کوئی ذاتی خصوصیت کبھی انسان کو افضل قرار نہیں دے سکتی۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جو صحابہ ایمان میں اور اپنے جان و مال سے جہاد کرنے میں بڑھے ہوئے تھے یقیناً اُن صحابہ سے افضل تھے۔ جنہوں نے اپنی ساری عمر حضور کی خدمت کی اور آپ کو ذاتی طور پر نفع پہنچایا۔ ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ عائشہ صدیقہ اور خدیجہ الکبریٰ کی فضیلتوں میں بحث کریں بلکہ یہاں تو فقط یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عائشہ صدیقہ کی تعظیم اور محبت کرنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ عائشہ صدیقہ ان امہات المومنین میں جو حضور کی وفات کے وقت زندہ تھیں افضل ہیں۔ حضور کو ان ہی کی سب سے زیادہ محبت تھی اور سب مسلمانوں کے دل میں کل ازواج سے زیادہ ان ہی کی عزت اور محبت ہے۔ صحیحین مین یہ روایت موجود ہے۔ کہ مسلمان تحفہ تحائف زیادہ تر حضرت بی بی عائشہ کے لئے حضور انور کو دیا کرتے تھے اور ازواج نے آپ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ سے کہا تم جا کے حضور سے عرض کرو کہ تحفہ تحائف میں ابو قحافہ کی پوتی کے ساتھ اور ازاوج کو شریک کرنا چاہیے۔ چنانچہ فاطمہؓ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ازاوج کا پیغام پہنچایا حضور نے جواب دیا کہ اے میری بچی کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں عرض کیا کیوں نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ بس عائشہ سے محبت رکھو۔ صحیحین میں یہ بھی روایت آئی ہے کہ ایک دن حضور انور نے عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ یہ جبرئیل تمہیں سلام کہتے ہیں عائشہ صدیقہ نے وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ جواب دیا۔ اس کے علاوہ جب حضور بیمار ہوئے میں تو آپ کی دلی خواہش یہ تھی کہ میں اپنی زندگی کے آخری دن عائشہ صدیقہ کے حجرے میں پورے کروں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُن ہی کے حجرے میں آپ کا وصال ہوا۔ عائشہ صدیقہ ساری اُمت کے لیے باعث برکت تھیں یہاں تک کہ جب اللہ تعالی نے اُنہیں کے سبب تیمم کی آیت نازل فرمائی تو اسید بن حضیر صحابی نے کہا اے آلِ ابو بکر دیکھو تم میں عائشہ صدیقہ اول درجہ کی باعث برکت ہیں کیونکہ ان پر جو حادثہ پیش آتا ہے جس سے اُنہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اُسی میں اللہ تعالی سارے مسلمانوں کے لیے برکت ٹھہرا دیتا ہے اس سے پہلے ناپاک غلیظ اور بے بنیاد الزام سے بذریعہ وحی ظاہر کر دیا کہ وہ بالکل اس الزام

سے بری ہیں اور دنیا کی پاک دامن خواتین میں اُنکا سب سے اول نمبر ہے۔

دوسرا الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عائشہ نے حضور انور کا راز افشا کر دیا تھا۔ اس پر حضور انور نے فرمایا تھا بے شک تو علی سے لڑے گی اور تو ظالم ہوگی۔ اس کے علاوہ عائشہ نے اللہ کے اُس حکم کی صریح مخالفت کی جو آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ میں ہے اِس طرح پر کہ علی سے ناحق لڑنے کے لیے مردوں میں نکل کھڑی ہوئیں کیونکہ عثمان کے قتل کر دینے پر تو سب مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا تھا اور خود عائشہ ہی اُنکے قتل کروانے پر لوگوں کو آمادہ کرتی تھی اور صاف کہتی تھی کہ نعثل کو قتل کردو، نعثل کو خدا غارت کرے اور جب اُس نے ان کے قتل ہونے کی خبر سُنی تو بہت خوش ہوئی۔ پھر دریافت کیا کہ خلیفہ کون ہوا ہے لوگوں نے کہا کہ علی پس یہ سنتے ہی عثمان کے خون کا ایک حیلہ رکھ کے علی سے لڑنے کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ بھلا اس میں علی کا قصور ہی کیا تھا۔ اس پر طلحہ و زبیر نے عائشہ کی فرمانبرداری کرنے کو کیسے ناجائز سمجھ لیا۔ اور اب یہ کس منہ سے رسول اللہ سے ملیں گے۔ پھر رافضی کہتے ہیں باوجودیکہ ہم میں اگر کوئی کسی عورت سے بات کرے یا اُسے اُس کے گھر سے نکال دے یا سفر میں لیجائے تو اس عورت کا شوہر اس کا انتہاء درجہ دشمن ہو جاتا ہے تعجب ہے کہ دس ہزار مسلمانوں نے عائشہ کی اطاعت کیونکر کر لی اور امیر المومنین علی کے مقابلہ میں اُسے کس طرح مدد دی حالانکہ حضور انور کی صاحبزادی کی اُن میں سے ایک نے بھی مدد نہ کی اس وقت کہ جب انہوں نے اپنا حق ابوبکر سے مانگا تھا۔ مدد کرنا تو کجا کسی نے اُن کی تائید میں زبان تک نہ ہلائی فقط۔

جواب: اِس الزام کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے حضور رسول کریم ﷺ کا راز افشا کر دیا تھا۔ مجمع البیان طبرسی جو رافضیوں کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہے۔

لو قبل ان رسول اللہ ﷺ الایام بین النساء فلما کان یوم حفصة قالت یا رسول اللہ ان لی الی ابی حاجة فاذن لی ان ازوره فاذن نها فلما خرجت ارسل رسول اللہ ﷺ الی جاریته ماریة القطیة ام ابراهیم وقد کان اهد ها المقرقس فادخلها بیت حفصة فوقع علیها فاتت حفصة فوجدت الباب مغلقا فجلست

عند الباب فخرج رسول الله ﷺ وجه يقطر عرقا فقالت حفصة انما الت لي من اجل هذا ادخلت امت بيتي ثم وقعت عليها في يومي وعلى فراشي مارأيت لي حرمة وحقا فقال رسول الله ﷺ اليس هي جاريتي قد احل الله ذات لي اسكتي وهي حرام على التمس بذلك رضاك ولا تخرجي بذلك امراة منهن وهو عندك امانة فلما خرج رسول الله ﷺ فيرعت حفصة الجدار الذى بينها وبين عائشة فقالت الا ابشرك ان رسول الله ﷺ قد حرم عليه امته مارية وقد ارضا الله منها واخبرت عائشة بما رأت وكانتا متصادقتين متظاهرتين على سائر ازواجه فنزلت يا يها النبي لم تحرم اما احل الله لك فاعتزل نساء تسعة وعشرين يوما وقعد في مشربة ام ابراهيم مارية حتى نزلت اية التخيير وقيل ان النبي ﷺ خلا يوم عائشة مع مارية القبطية فوقفت حفصة على ذلك فقال لها رسول الله ﷺ لا تعلمي عائشة بذلك وحرم مارية على نفسه فا علمت حفصة عائشة واستكتمها اياه فاطلع الله نبيه على ذلك وهو قوله تعالى واذا اسر النبق الى بعض ازواجه حديثا يعني حفصة ولما حرم مارية القبطية اخر حفصة منه يملك من بعد ابوبكر و عمر فعر فها بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض انا ابابكر وعمر يملكان بعدى وقريب من ذلك ما رواه العياشي بالاسناد عن عبد الله ابن عطاء المكي عن ابي جعفر عليه السلام الا انه زاد في ذلك ان كلو احد منها حدثت اباها بذلك فعاتبهما في اصر امارية وما افشتا عليه من ذلك واعرض ان يعاتبهما في الامر الأخر انتهى "یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بیبیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دے دی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا وہ آئی اور آپ نے اس سے مقاربت کی پھر حفصہ

آ گئیں. تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرہ سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا. حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ میرے لئے حلال کی ہے. مگر تو خاموش رہ کہ میں آئندہ سے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں. میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بھی بیبیوں سے اسکی خبر نہ کرنا، یہ بات تیرے پاس امانت ہے. جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کر کے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کر لیا ہے. خدا نے ہمیں اس کے فکر سے نجات دی. اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اس کی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دے دی یہ دونوں رسول کریم کی کل ازاوج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا. پھر یہ آیت نازل ہوئی. اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کر دی ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کر لی. اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بیبیوں سے صحبت ترک کر دی اور ماریہ قبطیہ (ابراہیم کی ماں) کے بالاخانہ پر رہے. دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت بی بی عائشہ کے حجرے میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کرنا میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے لیکن بی بی حفصہ نے کہہ دیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کر دی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو اس پر مطلع کر دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی "وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا" حضرت نے جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطاء المکی ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بیبیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جوں ہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ انہوں

نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا اس سے آپ نے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپکایا گیا ہے اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیونکہ اس دن اُنکی باری تھی پھر بی بی حفصہ نے کہا مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہوسکتا کہ خاص اسی دن اُنہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُنکی باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے۔ نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کر بلایا ہوتا کہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا۔ اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جاسکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا۔ کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپ نے اس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اِس قدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اِس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجئے حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ جبکہ نہ اُن کے حجرے میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کے باری کے روز ایسا ہوا پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ یہ اِس قدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور خیال ہوسکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کس قدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کچھ اندیشہ تھا اس لیے آپ نے منع فرما دیا تھا۔ جب بھی اِس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لیے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو

جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے. آج نبی نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے یا دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا. اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہم نے تجھ پر حلال کر دیا ہے تو اُسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا راز والی آیت کے اُترنے سے آپ ناراض ہوگئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج یا ان دو بیبیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالا خانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جسکا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو اس قدر خوف زدہ بنایا کہ جسکی انتہاء نہیں یعنی آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کرلی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کرلیا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو اس قدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالا خانہ میں رہے اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہ سے نکالتی اور ذرہ بھی زبان ہلاتی خیال ہوسکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرات کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کسی بی بی کی پرواہ، نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ مہینہ بھر گزارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیتے اور اُنہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر اور عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے ایک صورت تو اِس روایت کی یہ ہوئی. دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ حجرے میں تھی اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں اُنکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ ان کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا پھر خوف کھانے کے کیا معنی تھے دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ کا اُن کے حجرہ میں چلا جانا یہ مطلق سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ اسلام میں پردہ ہوگیا تھا اور قرآن مجید

میں صاف آ گیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازے کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں تو حضرت ابوبکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں جا ہے جس دن جا سکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز اُن کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالا خانہ بُرا اور رہنے کے قابل نہ تھا اِس لیے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لیکے چلے آئے. تیسرا پہلو اِس روایت کا یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ سے اس موقع پر گناہ ہو گیا تھا تو اس سے بھی کوئی بڑا جرم یا الزام لازم نہیں آتا. کیونکہ وہ اپنی خطا سے تو توبہ کر چکی ہیں اور اُن کا توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے "اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا" (التحریم:۴) کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو توبہ کی ترغیب دی ہے ان پر یہ کسی طرح بھی گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے توبہ نہیں کی. ان کا عالی مرتب ہونا ثابت ہو چکا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جسکی ایک نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دے دیا تھا کہ کیا وہ دنیا کی زندگی اور اسکی زیب و زینت کو اختیار کر لیں اور یا اللہ کو اسکے رسول کو اور آخرت کو اختیار کر لیں. انہوں نے دنیا کی زیب و زینت کے مقابلہ میں اللہ کو اللہ کے رسول اور آخرت کو اختیار کیا. یہ قرآن کی نص سے امہات المومنین ہیں پھر انکی عظمت ان کی وجاہت آسانی سے کون انکار کر سکتا ہے. اس معاملہ کی چوتھی صورت یہ کہ جس طرح حضور انور کی ازواج پاک کے بارے میں مذکور ہے ایسی ہی آپ کے اہلبیت اور ان صحابہ کے بارے میں بھی مذکور ہے جن کے لئے جنتی ہونیکی خوشخبری مل چکی ہے. مثلاً حدیبیہ کے دن جب حضور مشرکین سے صلح کر چکے تو آپ نے موجود الوقت صحابہ سے ارشاد کیا کہ تم یہیں قربانی کر لو اور سر منڈوا کے احرام سے حلال ہو جاؤ مگر حضور کے اس حکم کی تعمیل فی الفور نہیں کی گئی. خدا معلوم صحابہ کو ایسا کیا خیال پیدا ہوا حضور کو اس تامل سے غصہ آ گیا اور آپ اسی غصہ میں ام سلمہ کے ہاں چلے گئے وہ آپ کی حالت کو دیکھ کے چونکیں اور عرض کیا کہ حضور کو کس نے غصہ کروایا خدا اس پر غصہ ہو غصہ کی جو وجہ تھی وہ آپ

نے بیان فرمائی. ام سلمہ نے یہ رائے دی کہ آپ اس کا کچھ خیال نہ کیجئے بلکہ آپ اپنی ہدی منگا کر اس کی قربانی کر دیجئے. اور نائی کو بلوا کر خط بنوا لیجئے پھر آپ کو دیکھ کر یہ سب ایسا ہی کرنے لگیں گے. اس صلح نامہ کے لکھے جانے کی وقت آپ نے علی ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ رسول اللہ کے الفاظ اس میں سے مٹا دو حضرت علی نے عرض کیا میں ایسا نہیں کرنے کا اور پھر زور دے کے کہا خدا کی قسم میں کبھی نہیں مٹاوں گا. حضور کو اس نافرمانی پر غصہ آیا اور آپ نے اسی غصہ میں انکے ہاتھ میں سے وہ صلح نامہ لے لیا. اور ان الفاظ کو خود ہی مٹا دیا. اب یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی وغیرہ صحابہ نے حضور انور کے ارشاد کی تعمیل میں اس قدر دیر کی کہ آپ غصہ میں بھر گئے. اگر اسطرح پیغمبر کا ناراض کرنا ایک بہت بڑا گناہ کبیرہ یا جرم عظیم قرار دیا جائے تو بس پھر عائشہ صدیقہ کے اوپر جو اعتراض ہوا ہے اس میں بھی ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر کو ناراض کر کے گناہ کیا جس طرح حضرت علی نے کیا تھا. اور اگر یہ کہیں کہ صحابہ نے ایک تاویل کی وجہ سے یہ تاخیر کی تھی یعنی انہیں یہ امید تھی کہ ہمارے اصرار کرنے سے شاید صلح نامہ نہ ہو اور مکہ معظمہ میں داخل ہو جائیں. تو ایسی ہی تاویل حضرت صدیقہ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے. مگر ہم صحابہ کی یہ تاویل نہیں مانتے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کی یہ تاویل مقبول ہوتی تو حضور انور کو ان پر غصہ نہ آتا بلکہ یہ اس میں پورے طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ نے اپنی اس تاخیر سے توبہ کر لی تھی اور حضور انور سے معافی چاہ لی تھی اور ان صحابہ میں حضرت علی بھی تھے. فقط.

اب رہی وہ حدیث جو رافضیوں نے روایت کی ہے یعنی عائشہ سے حضور نے یہ فرمایا کہ تو علی سے لڑے گی تو ظالم ہوگی یہ حدیث علم کی معتمد کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہیں ہے نہ اس کی کوئی معروف سند ہے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ یہ قطعی جھوٹ اور لغو ہے. اس کا اصلی واقعہ سنئے! کہ عائشہ صدیقہ نہ خود لڑیں اور نہ لڑنے کے قصد سے گھر سے نکلیں وہاں مسلمانوں میں صلح کرانے کے ارادہ سے بے شک نکلی تھیں اور آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میرے باہر نکلنے سے مسلمانوں میں باہم صلح ہو جائے گی. لیکن بعد میں آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میرا تو نہ آنا ہی بہتر تھا. اس قصہ کے بعد جب کبھی آپ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تھا تو آپ اس قدر روتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا. جنگ جمل

ایک غلط افسانہ اور بے بنیاد گپ ہے حضرت عائشہ صدیقہ ایک لمحہ کیلئے بھی میدان جنگ میں حضرت علی کے مقابلہ میں نہیں آئیں نہ حضرت علی ان سے لڑے جتنی روایتیں اس جنگ کے متعلق ہیں سب بے سند اور جھوٹ ہیں. فاضل ابن تیمیہ نے اس فرضی جنگ جمل کے اصلی واقعات پر روشنی ڈالی ہے وہ کہتے ہیں کہ اصلیت یہ ہے کہ علی، طلحہ اور زبیر میں خط و کتابت ہونے کے بعد سب کا یہ ارادہ ہوگیا کہ جو بات مصلحت کی ہو اس پر سب کا اتفاق ہو جائے اتفاق کے بعد موقع دیکھ کے مفسدوں سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو لے لیں خود حضرت علی حضرت عثمان کے قتل ہونے سے خوش نہیں ہوئے تھے نہ اس بارے میں انہوں نے مدد دی آپ نے کئی بار حلف اُٹھایا اور علی الاعلان یہ بیان کیا کہ خدا کی قسم میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ میں نے اُن کے قاتلوں کو مدد دی اس میں شک نہیں کہ آپ اپنی قسم میں سچے اور یقیناً اس سے بری تھے. جب یہ بات طے ہوگئی تو قاتلوں کو یہ ڈر ہوا کہ اب ہمارے گرفتار کرنے پر علی اور یہ سب متفق ہوئے ہیں اسکی کوئی تدبیر کرنی چاہیے چنانچہ انہوں نے یہ چال چلی کہ وہ طلحہ اور زبیر کے لشکر پر آ پڑے طلحہ اور زبیر سمجھے کہ علی کے آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا چنانچہ اُنہوں نے محض اپنی جان بچانے کیلئے حضرت علی کے ایک دستہ فوج پر حملہ کیا. حضرت علی بھی اُسی مغالطہ میں پڑ گئے اُنہوں نے بھی طلحہ اور زبیر کی فوج کے ایک حصہ پر حملہ کر دیا. اِس مغالطہ میں چند آدمی قتل ہوئے اور چند زخمی ہوئے. مگر خوش قسمتی سے فوراً راز کھل گیا اور رفع شر ہوگیا. حضرت عائشہ صدیقہ تو سوار ہی رہیں نہ وہ خود لڑیں نہ کسی کو لڑنے کا حکم دیا. بس تر کی تمام شد. اس جنگ جمل کو بعض شیعی مصنفوں نے اور غیر محتاط مورخوں نے بکثرت غلط اور بے بنیاد روایتیں جمع کر کے جس رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے اُن کا بیان بوستان خیال عرف بحار الانوار کے بیان سے بھی بڑھ گیا ہے. اسی قسم کے مغالطے اور فاسد بعض اوقات بڑی بڑی جماعتوں میں ہو جاتے ہیں. چند آدمیوں کا مجروح و مقتول ہونا نہ کسی بڑی جنگ پر دلالت کرتا ہے نہ باہمی مخالفت پر مصری باغیوں نے چال تو بہت بڑی چلی تھی کہ ایک لگاتار جنگ کا سلسلہ شروع ہو جائے مگر اُن کی مراد بر نہ آئی اور چند جانوں ہی پر خیر گزری۔ ہم تمام شیعی علماء کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ جنگ جمل کا بے بنیاد افسانہ اگر صحیح اور مستند و قابلِ اعتبار روایتوں سے ثابت کر دیں تو ہم اُن کے اور موضوعات پر بھی توجہ کرنے کا وعدہ

کرتے ہیں. بدنصیبی سے جنگ جمل وغیرہ پر جس طرح کہ شیعی اعتقاد رکھتے ہیں. اسی طرح عام سنی بھی اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ایک صحیح روایت بھی تمام اسلامی کتابوں میں ایسی نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائی ہوئی تھی. فاضل ابن تیمیہ ایک ایسا بڑا عالم ہے کہ جس پر اسلامی دنیا ہمیشہ فخر کرے گی یہاں تک کہ مخالفوں نے بھی اسکی بے انتہاء تحقیق اور لا اندازہ علم کے آگے سر جھکا دیا ہے. ایک بڑی تحقیق کے بعد اس کا یہ انقطاعی فیصلہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائی نہیں ہوئی. کسی کی مجال ہے جواب ہمارے آگے زبان کھول سکے اور اس واقعہ کی ایک صحیح سند بھی دے سکے. اس وقت یہ کتاب یعنی "کتاب شہادت" کرزن گزٹ کے ذریعہ سے تمام ہندوستان میں شائع ہو رہی ہے تو اب تک بہت سے رازدارانہ معاملات پر اور شیعوں کی صریح جھوٹ اور غلط بیانی پر روشنی پڑ چکی ہے. تمام شیعی اخبارات مجتہد اور علماء بالکل ساکت ہیں اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ ایک بات کا بھی جواب دے سکیں. یقیناً ہندوستان اور ایران میں ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ جو کتاب شہادت کے دلائل قاطعہ کی کسی دلیل کو توڑ سکے جو کچھ لکھا جا رہا ہے اِس قدر تحقیق تنقید اور جانچ پڑتال سے لکھا جا رہا ہے کہ اسکے آگے کسی کو دم زدن کا یارا نہیں ہو سکتا. ہاں یہ صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے. "فاش می گویم واز گفتہ خود دلشادم"

اب سنئے! رافضیوں کا یہ اعتراض کہ عائشہ نے اللہ کے اس حکم کی مخالفت کی جو آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب:۳۳) میں پایا جاتا ہے محض لغو اور بیہودہ ہے اِس لئے کہ عائشہ صدیقہ یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوئی کہ جاہلیت کی رسم کے موجب اپنی زینت دکھانے کے لئے نکلی تھیں جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے اور گھروں میں رہنے کا حکم کسی کام کی مصلحت سے باہر نکلنے کی منافی نہیں ہے جیسا کہ کوئی عورت حج یا عمرہ کرنے نکلے یا اپنے شوہر کے ساتھ سفر میں چلی جائے تو اس آیت کا امتناعی حکم اُس کے لیے صادق نہیں ہو سکتا. یہ آیت حضور انور کی زندگی اور صحت میں نازل ہوئی تھی اس کے نازل ہونے کے بعد آپ ازواج مطہرات کو حجۃ الوداع میں اپنے ساتھ لے گئے تھے. اس کے علاوہ عائشہ صدیقہ وغیرہ کو بھی حضور انور نے اپنے سفر میں ساتھ رکھا. پھر صدیقہ کو اُن کے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ بھیج

دیا وہ انہیں اونٹنی پر اپنے پیچھے بیٹھا کر لے گئے اور تنعیم سے عمرہ کر لیا حجۃ الوداع کا وقوع حضور انور کی وفات سے تین مہینے پہلے اس آیت کے نازل ہونے بعد ہوا۔ اسی وجہ سے اس حج میں ازواج مطہرات پردہ کرتی تھیں اور اس پردہ کا سلسلہ فاروق اعظم کی خلافت میں اس حج میں بھی جاری رہا جس میں ازواج مطہرات شریک ہوئی تھیں اور فاروق اعظم نے حضرت عثمان یا عبد الرحمان بن عوف کو ان کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ جب کسی مصلحت کی وجہ سے عورتوں کو سفر کرنا جائز ہے تو عائشہ کا جب اس جنگ میں یہی عقیدہ اور قصد تھا کہ یہ سفر مسلمانوں کی مصلحت کے لئے میں کرتی ہوں تو انکا یہ فعل اس مذکورہ آیت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ جو اعتراض کہ گھر سے نکلنے اور وطن چھوڑنے کا عائشہ صدیقہ پر ہوتا ہے بعینہ وہی اعتراض حضرت علی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور انور یہ فرما چکے تھے۔ "لا یخرج احد من المدینة رغبة عنها الا ابدالها الله خیر امة" یعنی جو شخص مدینہ منورہ سے گھبرا کے نکلے گا تو اللہ تعالے اس سے بہتر مدینہ میں آباد کر دے گا۔ یقیناً اس وعید میں حضرت علی شامل ہیں کیونکہ انہوں نے مدینہ چھوڑ دیا تھا پھر انہیں مدینہ میں آنا اور رہنا نصیب نہیں ہوا جس طرح ان سے پہلے خلفا رہے تھے۔ اب حضرت علی کی طرف سے جو جواب دیا جائے گا۔ وہی جواب حضرت عائشہ کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ شریعت کے احکام میں جب ایک ہی نوعیت کے حکم ہوں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ حضرت علی نے خواہ کسی حکمت عملی سے ہو پایہ تخت اسلام یعنی مدینۃ النبی چھوڑ دیا۔ مگر یہ بات ماننی پڑے گی کہ اُن کے زوال کی تاریخ اسی دن سے شروع ہوتی ہے۔ جس دن کہ انہوں نے مدینہ سے منہ پھیرا جو مقصد حضرت عائشہ صدیقہ کا مدینہ سے باہر آنے کا تھا وہ مقصد حضرت علی کا مدینہ سے باہر نکلنے کا نہیں تھا۔ ہم درحقیقت اس سے حضرت علی کی بزرگ ذات پر کوئی الزام نہیں قائم کرنا چاہتے ہمارا مقصد اس لکھنے سے فقط یہ ہے کہ معترض اپنے گریباں میں منہ ڈالیں اور کل واقعات پر انصاف کی نظر کر کے اسبات کو دیکھیں کہ آیا وہ خصم پر نکتہ چینی کر رہے ہیں یا درحقیقت اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں۔

پھر رافضیوں کا یہ کہنا عائشہ۔ علی سے ناحق لڑنے کے لئے ورنہ مردوں میں نکل کھڑی ہوئیں یہ صدیقہ پر اوّل درجہ کا الزام ہے کیونکہ نہ وہ لڑنے کے ارادہ سے نکلیں۔ نہ حضرت علی سے

لڑیں نہ طلحہ و زبیر کا قصد حضرت علی سے لڑنے کا تھا نہ وہ لڑنے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے. اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان دونوں کا یہ قصد تھا تو اسے ہم قتال نہیں کہہ سکتے. قتال اگر ہے تو یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کے آگے آنیوالی آیت میں ذکر ہے "وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (الحجرات:۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کو باوجود قتال کے اللہ تعالیٰ نے بھائی بند ٹھہرایا ہے اور جب یہ ایسے مسلمانوں سے بھی ثابت ہو گیا جو طلحہ و زبیر سے کم درجہ کے ہیں پھر ان کے حق میں یہ حکم بدرجہ اولے ثابت ہوگا. پھر رافضیوں کا یہ کہنا حضرت عثمان کے قتل کرنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو گیا تھا محض غلط اور لغو ہے حضرت عثمان کے مطاعن میں ہم اسے ثابت کر چکے ہیں کہ مسلمان اس میں شریک نہیں تھے۔ اب ہم اس کے متعلق ایک اور مختصر سی بحث کرتے ہیں تاکہ یہ مسئلہ اور زیادہ روشنی میں آ جائے. اس اعتراض کا جواب دو طرح سے سمجھنا چاہیے اول جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عثمان کے قتل پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا یہ محض غلط اور صریح جھوٹ ہے اس لئے کہ سب مسلمانوں نے نہ عثمان غنی کے قتل کرنے کو کہا نہ اس میں شریک ہوئے نہ وہ اس پر راضی ہوئے ہمارے پہلے قول کی دلیل تو یہ ہے کہ سارے مسلمان تو درکنار مسلمانوں کا ایک جز بھی اس میں شریک نہیں ہوا کیونکہ مسلمان مکہ، یمن، شام، کوفہ، بصرہ، مصر، خراسان وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے کونسی تاریخ یا روایت اسبات کی سند میں پیش ہو سکتی ہے کہ ان سب مسلمانوں کا عثمان کے قتل پر اتفاق ہو گیا تھا یہ بھی تو نہیں ثابت ہو سکتا کہ مدینہ کے جزوی مسلمانوں کا بھی آپ کے قتل پر اتفاق ہوا تھا۔ دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ اور جسکی وجہ سے ہم نے اسے صریح جھوٹ کہا ہے کہ خیار مسلمین میں سے ایک آدمی بھی شریک نہیں ہوا بلکہ اوباش قبائل اور مفسدوں کی ایک جماعت نے اتفاق کر کے آپ کو شہید کر دیا تھا. حضرت علی ہمیشہ اس بات پر قسم کھایا کرتے تھے کہ واقعی میں نے عثمان کو شہید نہیں کیا نہ میں نے کسی کو یہ رائے دی بلکہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ عثمان کے قاتلوں پر جہاں کہیں ہوں لعنت کرے خواہ وہ کسی جنگل میں ہوں یا دریا میں یا پہاڑوں پر یا کسی نشیبی زمین بس اس سے زیادہ ثبوت اس بات کا اور نہیں ہو سکتا کہ خیار مسلمین سے ایک شخص بھی

آپ کے قتل میں شریک نہیں ہوا. دوسرا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کے قول میں نہ صرف جھوٹ بلکہ تناقض بھی ہے کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جتنے آدمیوں کا عثمان کی بیعت پر اجماع ہوا تھا ان میں فیصدی دس کا بھی آپ کے قتل پر اجماع نہیں ہوا کیونکہ تمام روئے زمین کے مسلمان آپ سے بیعت ہو چکے تھے. اگر ظاہر اجماع سے حجت کرنی جائز ہے تو اُن کی بیعت کے حق ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے. اور اگر اس اجماع پر حجت کرنی جائز نہیں ہے تو عثمان کے قتل کرنے پر بھی اجماع سے حجت دلانی باطل ہوگی. خاص کر اُس حالت میں کہ جب یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع وغیرہ کچھ نہ تھا بلکہ چند اوباش مفسدوں نے مل کے آپ کو شہید کر ڈالا تھا. ہاں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ رافضی ان کی بیعت پر اجماع ہونے کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ محض خوف کی باعث سے بیعت کر لی تھی مگر ایسے لوگوں کے ناموں کی فہرست جنہوں نے خوف کی وجہ سے بیعت کی تھی پیش نہیں کرتے اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی طرف یہ اشارہ ہے کہ اُنہوں نے خوف کی وجہ سے بیعت کی تھی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد اگر وہ وجہ خوف باقی رہی تو اس سے معلوم ہوا کہ کل مسلمان عثمان کے قتل پر سخت برفروختہ تھے. اور اگر وجہ خوف باقی نہیں رکھی جاتی تو اس سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ پہلا ادعا غلط ہے یعنی جب حضرت عثمان نہیں رہے تو یہ خوف کس کا ہوا ہم اس بات کو صاف طور پر کہتے ہیں اور ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ عرب اور بالخصوص قریش خوف میں آکر جھوٹ بولنے والے نہیں تھے پچاس دفعہ ان کو قتل کرو اور پھر زندہ کرو مگر وہ جھوٹ بولنا نہیں جانتے کسی قسم کا خوف اُن کو حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا اُنہوں نے بڑے بڑے شاہوں کے درباروں میں حق کہنے سے اپنی زبان نہیں روکی پھر کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ حضرت علی جیسا غیور اور بہادر اپنی جان کے خوف سے ایک عرصہ تک حق کو چھپائے رکھے اور مدت العمر اُسے ظاہر نہ ہونے دے اور ایک صورت یہ ہے کہ حضرت علی کے قتل پر بھی اگر کوئی دعوے کر کے کہ عام مسلمانوں کا اجماع ہو گیا تھا تو اسکا جواب کیا ہوگا. جو جواب رافضی اس کا دینگے وہی جواب حضرت عثمان کی طرف سے سمجھا جائے یہ اچھی طرح سے سمجھ لو اور اس سے مغرب اور مشرق

میں کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ جن مسلمانوں نے علی کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ اُن سے کہیں زیادہ تھے جن کا عثمان کے قتل پر اجماع ہوگیا تھا کیونکہ حضرت علی کے زمانہ میں مسلمان تین قسم کے تھے ایک وہ جنھوں نے اُن کا ساتھ دیا. دوسرے وہ جنھوں نے مقابلہ کیا تیسرے وہ جنھوں نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ مقابلہ کیا اکثر سابقین اولین اسی تیسری قسم میں تھے اور مسلمانوں کو جانے دو صرف اُن مسلمانوں کو لو جنھوں نے حضرت معاویہ کا ساتھ دیا تھا تو وہ مسلمان بھی عثمان کے قاتلوں سے کئی حصہ زیادہ تھے اور جو عثمان کے قتل کا انکار کرتے تھے وہ بھی علی کا ساتھ دینے والوں سے کئی حصہ زیادہ تھے. اب اگر یہ قول کہ علی سے قتال کرنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہوگیا تھا غلط کہا جائے تو رافضیوں کا یہ کہنا کہ عثمان کے قتل پر سب کا اجماع ہوگیا تھا بدرجہ اولٰی غلط اور جھوٹ کہا جائے گا. اور اگر یہ قول کہ عثمان کے قتل کرنے پر اجماع ہوگیا تھا اس وجہ سے جائز ہو کہ قتل کی خبر عام طور پر مشتہر ہونے پر بھی کوئی ان کی مدد کو کھڑا نہ ہوا تو اس کے مقابلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی سے قتال کرنے پر اور اُن سے بیعت نہ کرنے پر سب کا اتفاق ہوگیا تھا. کیونکہ یہ واقعہ بھی شہرآفاق ہوگیا تھا اس پر بھی علی کی مدد کو کوئی نہ آیا اور یہ کہا جائے کہ جو لوگ علی کے ساتھ تھے اُن میں اتنی قدرت نہیں تھی کہ وہ اوروں کو بیعت کراتے یا اس قتال کو روک دیتے غرض وہ اس میں مجبور تھے تو دوسرا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ عثمان کے ساتھ تھے اور جب آپ کے مکان کا محاصرہ ہوگیا تو ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ اس قتال کو آپ سے دفع کردیتے. اب رافضیوں کا یہ کہنا کہ عائشہ ہر وقت عثمان کو قتل کرانے کی لوگوں کو ترغیب دیا کرتی تھیں اور یہ وردِ زبان پر تھا کہ قاتل کو قتل کرو نعثل کو خدا غارت کرے اور جب ان کے قتل کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئیں حضرت عائشہ پر صریح بہتان اور من گھڑت کہانی ہے. رافضی سر ٹیک کے بھی رہ جائیں جب بھی کوئی صحیح روایت ایسی پیش نہیں کرسکتے جس میں حضرت عائشہ کا یہ قول موجود ہو. عائشہ صدیقہ سے جو اس بارے میں روایت ہے وہ اسکی بالکل تکذیب کرتی اور صاف طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس قتل سے ہرگز خوش نہ تھیں اور عثمان کے قاتلوں کے اعلی الاعلان بُرا کہتی تھیں اور اپنے بھائی محمد وغیرہ پر اس وجہ سے اس کا دعوے کیا تھا کہ یہ بھی اس میں

شریک تھے۔ اور بغرض محال اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ صحابہ میں سے عائشہ صدیقہ نے یا اور کسی نے حضرت عثمان کی باتوں پر غصہ ہونے کی وجہ سے ان کے بارہ میں کوئی سخت کلمہ کہہ دیا تھا تو ایسا کلمہ حجت نہیں ہوسکتا نہ اس کے قائل اور مقول لہ کے ایمان میں اس سے کسی قسم کی خرابی آسکتی ہے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو یقیناً ولی اللہ ہیں اور انکا رجنتی ہونا تحقیقی ہے یہ ایک دوسرے کے قتل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ ایک دوسرے پر کفر تک کا گمان کر لیتے ہیں اگر چہ یہ گمان محض غلطی پر مبنی ہوتا ہے جیسے کہ صحیحین میں علی وغیرہ سے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں ثابت ہوا ہے صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حاطب کے غلام نے حضور انور سے عرض کیا تھا کہ حاطب تو ضرور دوزخ میں جائے گا۔ حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ دوزخ میں کیونکر جائیگا۔ وہ تو بدر اور حدیبیہ دونوں غزووں میں شریک ہو چکا ہے۔ سنئے! حضرت علی کی روایت میں ہے کہ حضور انور نے غزوہ فتح کا ارادہ کیا تو حاطب نے مشرکین مکہ کو ایک خط لکھا جس میں حضور انور کی بہت سی تدابیر اور پوشیدہ باتیں لکھ دیں مگر جب حضور انور کو اس قسم کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر کو حکم دیا کہ تم دونوں جاؤ اور جب روضہ خاخ کے قریب پہنچو تو وہاں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملیگی تم اسے گرفتار کر لینا اور اسکی تلاشی لینا اس کے پاس سے ایک خط نکلے گا۔ وہ خط محفوظ کر لینا دونوں نے حضور انور کے ارشاد کی تعمیل کی عورت اُسی مقام پر گرفتار ہوئی تلاشی کے بعد وہی خط اس سے برآمد ہوا جو مطلوب تھا وہ خط لے کے دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط پیش کر دیا۔ خط کے مضمون سے آگاہ ہو کر حضور نے حاطب کو بلا کر کہا کہ حاطب یہ کیا بات ہے؟ حاطب نے قسم کھا کے کہا یا رسول اللہ یہ کام اسلام سے پھیرنے کی وجہ سے یا کفر پر راضی ہونے کی غرض سے میں نے ہرگز نہیں کیا۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ میں قریشی نہیں ہوں تھوڑے دنوں سے قریش میں جارہا تھا حضور کے ساتھ جتنے مہاجرین ہیں ان سب کے مکہ میں بہت سے قرابت دار ہیں اور وہ انکے بال بچوں کی خبر گیری کرتے ہیں اسلئے میں نے یہ سوچا کہ میں سوائے اس کے کہ اہل مکہ کے اس احسان کا بدلہ جو میرے رہنے سے انہوں نے مجھ پر کیا تھا اور کسی صورت سے نہیں اُتار سکتا کہ میں اُن سے آپ کی

بعض باتوں کی مخبری کر کے کچھ سلوک کر دوں تا کہ احسان کا بدلہ بھی اُتر جائے اور میرے بال بچے جو اس وقت مکہ میں ہیں اہل مکہ کی طرف سے ان کی خبر گیری بھی ہوتی رہے. یہ سُن کر فاروق اعظم کو غصہ آ گیا اُنہوں نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا حضور مجھے حکم دے دیں تو میں اِس منافق کی گردن اڑا دوں حضور نے کہا نہیں یہ تو بدر میں حاضر ہو چکا ہے. اور تمہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی مغفرت کر دی ہے. اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ کی شروع کی یہ آیتیں نازل فرمائیں. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ. (الممتحنۃ:۱) اس قصہ کے صحیح ہونے پر تمام علما کا اتفاق ہے اور اُن کے نزدیک متواتر ہی مثلاً علمائے تفسیر علمائے مغازی، سیر، تواریخ، علماء فقہ وغیرہ سب کے ہاں مشہور و معروف ہے. حضرت علی اپنی خلافت کے بعد اس قصہ کو بیان کیا کرتے تھے اور اُن سے اُن کے محرر عبداللہ بن ابو رافع نے روایت کیا ہے تا کہ سامعین پر یہ ظاہر ہو جائے کہ سابقین اولین کی مغفرت ہو چکی ہے اگرچہ اُن سے بعض خطائیں ہو گئی تھیں. عثمان، طلحہ اور زبیر تو حاطب بن ابی بلتعہ سے باتفاق سب مسلمانوں کے افضل و اکرم ہیں. حاطب کا اپنے غلاموں سے بُری طرح رہنا مشرکین سے خط کتاب کرنا حضور انور اور آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرنا. انکی ایسی خطائیں ہیں جو اُن کے گناہوں سے بدر جہا بڑھی ہوئی ہیں اور باوجود اس کے حضور انور نے ان کے قتل کرنے سے منع کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ حاطب دوزخی ہے اُسکی تکذیب کی محض اس وجہ سے کہ وہ بدر اور حدیبیہ کی جنگ میں شریک ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل بدر کی مغفرت کر دینے کی خبر سنائی. باوجود اس کے کہ فاروق اعظم نے یہ کہا کہ حضور مجھے حکم دیں تو میں اس منافق کی بھی گردن اڑا دوں فاروق اعظم نے حاطب کو منافق بھی کہا اُن کا خون کرنا بھی حلال سمجھا لیکن اس بات نے ان دونوں میں سے ایک کے ایمان پر بھی کچھ خرابی نہ ڈالی نہ اُن کے اہل جنت ہونے میں کوئی نقص پیدا کیا. اسی طرح صحیحین وغیرہ میں افک کے قصہ کے متعلق ہے کہ جب حضور انور ممبر پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے عبداللہ بن اُبی منافقوں کے سردار کی شکایت کی اور فرمایا۔ کوئی ہے جو ایسے شخص کے مقابلہ میں میرا ساتھ

دے جس نے میری بی بی کے بارے میں مجھے بہت بڑا صدمہ پہنچایا ہے خدا کی قسم میں اپنی بی بی میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتا نہ اس مرد میں کوئی بُرائی پاتا ہوں جس کا یہ نام لیتے ہیں یہ سنتے ہی سعد بن معاذ قبیلہ اوس کا سردار اُٹھ کھڑا ہوا. (یہ وہی سعد ہیں جن کے انتقال پر عرش رحمان بھی لرز گیا تھا اور یہ وہی سعد ہیں جنہوں نے اپنے ہم قسم بنی قریظہ کے بارے میں یہ حکم لگا دیا تھا کہ اُن کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے. اور اُن کے بال بچوں کو قید کر دیا جائے اور اُن کا سارا مال لٹوا دیا جائے) اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کا ساتھ دینگے اگر وہ اس کے خاندان کا ہے تو بھی ہم اُسکی گردن اڑا دیتے ہیں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ کا ہوگا تو آپ حکم دیجئے ہم آپ کے حکم کی اِس میں ضرور تعمیل کرینگے. یہ سُن کے سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور سعد بن معاذ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تم جھوٹے ہو خدا کی قسم نہ تم اُسے قتل کرو گے اور نہ کر سکتے ہو. پھر اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے سعد بن عبادہ کے قول کی تردید کی اور کہا تو جھوٹا ہے ہم اُسے ضرور قتل کریں گے تو منافق کی طرفداری کرتا اور حمایت لیتا ہے. قریب تھا کہ اوس وخزرج میں ایک فساد عظیم برپا ہو جائے کہ حضور انور ممبر سے اُتر آئے اور اُن سب کو خاموش کرا دیا. یہ تینوں صحابی خیار سابقین اولین میں سے ہیں جن میں اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ کو کہا تو منافق ہے. منافقوں کی طرف سے لڑتا ہے. حالانکہ یہ مسلمان ہیں ولی اللہ ہیں اور اہل جنت سے ہیں اور وہ بھی مسلمان ولی اللہ اور اہل جنت سے ہیں. اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کبھی ایک مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو کسی تاویل سے کافر یا منافق کہہ دیتا ہے. مگر اُن میں سے ایک بھی کافر اور منافق نہیں ہے. یہ بات پوری تحقیق اور ثابت ہوگئی کہ صحابہ میں سے ایک شخص خواہ وہ عائشہ صدیقہ ہوں یا عمار یا سر وغیرہ ہوں اگر کسی دوسرے صحابی عثمان یا کسی اور کو کسی تاویل کی وجہ سے کافر کہہ دیں یا اس کے قتل کرنے کو مباح کہہ دیں تو یہ بھی اسی مذکور تاویل کی قسم سے ہوگا اور اُن دونوں میں سے ایک کے ایمان میں بھی اس سے کچھ خرابی نہ آئے گی نہ اُن کے اہل جنت ہونے میں کچھ نقص پیدا ہوگا. اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ عثمان وغیرہ حاطب بن ابی بلتعہ سے بدرجہ افضل ہیں اور فاروق اعظم، عائشہ اور عمار وغیرہ سے افضل

ہیں. جب فاروق اعظم اور اسید ابن حضیر جیسے صحابیوں کا تکفیر میں اجتہاد کرنا جائز ہو گیا تو پھر عائشہ اور عمار سے ایسا ہونا بدرجہ اولی جائز ہوگا. اب رافضیوں کا یہ قول کہ عثمان کے قتل کی خبر سُن کے عائشہ نے یہ پوچھا کہ اب خلیفہ کون ہوا ہے لوگوں نے کہا کہ علی خلیفہ بنے ہیں عائشہ یہ سنتے ہی عثمان کا خون لینے کے بہانہ سے علی سے لڑنے نکل کھڑی ہوئیں. بھلا اس میں علی نے کیا خطا کی. فقط.

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عائشہ طلحہ اور زبیر نے علی پر یہ اتہام لگایا تھا کہ اُنہوں نے عثمان کو قتل کر دیا اور اسی پر علی سے لڑے تھے. محض غلط ہے صریح جھوٹ اور اتہام ہے. بات اصل یہ ہے کہ حضرت علی سے عثمان کے اُن قاتلوں کو مانگا تھا جو علی کے مکان میں جا چھپے تھے. اس بات کو تو وہ خوب جانتے تھے کہ عثمان کے خون سے علی بھی ایسے ہی بری ہیں جیسے اس سے ہم بری ہیں. سوائے اس کے ان کا اور کوئی خیال نہ تھا. انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ عثمان کے قتل میں علی شریک ہیں. اگر چہ رافضی اِس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی ان لوگوں میں سے تھے جو عثمان کو قتل کرنے اور ان سے جنگ کرنے کو حلال سمجھتے تھے اور اس میں شریک تھے. مگر ہمارا یہ خیال ہر گز نہیں ہے. ہم حضرت علی کو راست باز سمجھتے ہیں. وہ اگر قسم بھی نہ کھائیں جب بھی ہمیں ان کا اعتبار ہے حالانکہ انہوں نے قسم کھا کے اس بات سے انکار کیا لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کا حلف تسلیم نہ کریں. رافضیوں کا بھی عجب تناقض ہے ایک طرف تو وہ حضرت علی کو بے خطا ثابت کر رہے ہیں. دوسری طرف صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت علی عثمان کے قتل میں شریک تھے.

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا"

باقی رافضیوں کا یہ کہنا کہ طلحہ اور زبیر وغیرہ نے علی کے خلاف عائشہ کی اطاعت کرنے کو کیسے جائز سمجھ لیا اور اب یہ رسول خدا سے کس منہ سے ملیں گے باوجودیکہ ہم میں سے اگر کوئی دوسرے کی بی بی سے بات کرے یا اُسے اُسکے گھر سے نکال دے یا سفر میں لے جائے تو وہ اس کا انتہا درجہ کا دشمن ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ. اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی رافضیوں کے تناقض اور اُن کی جہالت پر مبنی ہے کیوں کہ یہ تو خود عائشہ صدیقہ کے ذمہ بڑی بڑی تہمتیں لگاتے ہیں اور ایسے اتہام

بھی رکھتے ہیں جس سے اللہ نے ان کو بری کر دیا اور بریت کے لیے آیتیں نازل فرمائیں کچھ عائشہ صدیقہ ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ رافضیوں نے اور انبیاء کی ازواج پر بھی ایسی ہی تہمتیں لگائیں ہیں مثلاً ان کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کی بی بی بدکار تھی ان کا وہ بیٹا جسے اُنہوں نے کشتی میں بلایا تھا ان کے خون سے نہ تھا اور کہتے ہیں کہ آیت اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کے یہ معنی ہیں کہ یہ لڑکا زنا سے ہے پھر فَخَانَتَاهُمَا کے وہ یہ معنی لیتے ہیں کہ نوح کی بی بی نے ان ہی کے بستر پر زنا کرایا تھا اور وہ فاحشہ عورت تھی. انسان کے لیے سب سے بڑے صدمہ کی بات یہ ہے کہ کوئی اسکی بی بی پر ایسا خطرناک اور آزاردہ الزام لگائے یعنی اُسے فاحشہ قرار دے اس سے زیادہ اور بڑا گناہ کیا ہو سکتا ہے اسی وجہ سے اس میں اللہ تعالیٰ نے حد قذف مقرر کر دی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ متہم کو جیسا صدمہ اس تہمت سے ہوتا ہے ویسا صدمہ اور کسی تہمت سے نہیں ہوتا. کیونکہ اگر کوئی کسی پر کفر کی تہمت لگائے تو متہم اسلام کو ظاہر کر کے اس تہمت لگانے والی کی تکذیب کر سکتا ہے. برخلاف فاحشہ ہونے کی تہمت کے کہ اس مفتری کی تکذیب ہی نہیں ہو سکتی. خلاصہ یہ ہے کہ شواہد شرعیہ اور طریقہ دونوں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کو اسکی بی بی کے فاحشہ ہونے کی تہمت لگانے سے جو صدمہ پہنچتا ہے وہ اس صدمہ پہنچنے سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے جو اس عورت کو اسکے گھر سے نکالنے پر اُسے صدمہ پہنچتا ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وہ نکالنے والا اس میں ایک عام مصلحت خیال کرتا ہو حالانکہ طلحہ اور زبیر نے تو عائشہ صدیقہ کو ان کے گھر سے نکالا بھی نہ تھا بلکہ جب حضرت عثمان شہید کئے گئے ہیں تو عائشہ صدیقہ مکہ میں تھیں مدینہ منورہ میں نہ تھیں طلحہ اور زبیر جا کر تو اُن سے مکہ ہی میں ملے تھے.

رافضی انبیاء کی بیبیوں مثلاً عائشہ صدیقہ اور نوح علیہ السلا کی بی بی پر فاحشہ ہونے کی تہمت رکھتے ہیں اور اس سے ہمارے نبی ﷺ اور انبیاء کو ایسے سخت صدمے پہنچاتے ہیں کہ منافقین سے بھی جو اُن کی تکذیب کرتے تھے. انہیں ایسے صدمے نہیں پہنچتے تھے اس سے زیادہ رافضیوں کی جہالت اور تناقض کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے. اہل سنت والجماعت یعنی مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء ہے کہ انبیاء میں سے کبھی کسی بی بی نے زنا نہیں کرایا اور کبھی کوئی فاحشہ نہیں ہوئی. نوح علیہ السلام کا وہ بیٹا جسے وہ صرف ان کی بی بی کا بیٹا قرار دیتے ہیں نوح ہی کا بیٹا تھا. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَادَىٰ نُوحٌ

ابنہٗ یعنی نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور خود نوح نے فرمایا تھا جیسا کہ کلام الٰہی میں موجود ہے یا بنی ارکب معنا یعنی اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور فرمایا ان ابنی من اھلی یعنی میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے غرض یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول دونوں کا قول یہ ہے کہ وہ لڑکا نوح کا بیٹا تھا مگر رافضی اُسے نوح کا بیٹا قرار نہیں دیتے اس سے زیادہ خطرناک اتہام ایک نبی کی بی بی پر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح سے کبھی یہ نہیں کہا کہ لیس ابنات یعنی یہ تیرا بیٹا نہیں بلکہ یہ کہا انہ لیس من اھلک یعنی یہ تیرے اہل میں سے نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا تھا۔ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ (ھود:۴۰) ہم نے نوح سے کہہ دیا تھا کہ ہر چیز کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کر لو اور اپنے اہل کو بھی بٹھا لو) مگر جن پر پہلے سے (غرق ہونے کا) حکم ہو چکا ہے اور اُن لوگوں کو بھی جو ایمان لائے ہیں۔ اس میں اللہ نے آپ کی اہل کے سارے آدمیوں کو سوار کر لینے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اُن میں اُنہیں مستثنے کر لیا تھا جن پر غرق ہونے کا پہلے ہی سے حکم ہو چکا تھا۔ اور آپ کے بیٹے پر بھی پہلے سے یہ حکم لگ چکا تھا مگر آپ کو اسکی خبر نہ تھی اسی وجہ سے حضرت نوح نے یہ التجا کی کہ میرا بیٹا تو میرے اہل میں ہے یعنی یہ بھی منجملہ انہیں کے ہے جنکی نجات ہونے کا وعدہ ہو چکا ہے اسی لیے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ لڑکا آپ کے اس اہل میں سے نہ تھا جسکی نجات کا آپ سے وعدہ ہو چکا تھا اگر چہ نسبت کی رو سے یہ آپکی اہل میں یقیناً تھا لیکن دین کے اعتبار سے اُن میں نہ تھا کیونکہ کفر مسلمانوں اور کافروں کے درمیانی تعلقات کو بالکل قطع کر دیتا ہے جیسا کہ ہم یہ کہیں کہ ابو جہل آل محمد ﷺ اور آپ کی اہل بیت میں سے نہ تھا۔ اگر چہ آپ کے قرابت داروں میں سے تھا اور اسی وجہ سے الھم صل علی محمد وعلیٰ آلِ محمد میں داخل نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام کی بی بی اپنے شوہر کی خائن دینی امر میں تھی یعنی یہ کہ وہ عورت نوح کو دیوانہ کہتی تھی۔ اسی طرح لوط علیہ السلام کی بھی خیانت دینی تھی کہ اس نے اپنی قوم کو اُن کے مہمانوں کی خبر دی۔ رافضیوں کی اس سے بھی زیادہ صریح جہالت یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہ السلام کے انساب یعنی ان کے باپ دادا اور اولاد کی تو تعظیم کرتے ہیں اور اُن کی بیبیوں پر تہمتیں لگاتے اور بُرا کہتے ہیں یہاں تک کہ فاطمہ زہرا اور حسنین کی تو تعظیم کرتے ہیں اور ام

المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر ہمارا ایمان ہے کہ ابراہیم کا باپ آزر مومن مسلمان تھا اور نبی ﷺ کے والدین بھی مومن تھے یہاں تک اس امر میں قائل ہوئے ہیں کہ نبی کا باپ کافر نہیں ہوسکتا کہتے ہیں کافر کا بیٹا کیونکر مومن بن سکتا ہے کیونکہ نسب میں کوئی فضیلت نہیں ہوتی. رافضی یہ بھی کہتے ہیں کہ ابوطالب مومن تھا اور اُن میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب کا نام عمران تھا قرآن شریف میں اسی عمران کا ذکر ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. ان الله اصطفے آدم و نوحا و آل ابراهيم و آل عمران على العلمين اس قسم کے خیالات اور اقوال جن میں نہ صرف افترا اور بہتان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جن میں تناقض بھی موجود ہے رافضیوں کا مایہ ناز ہیں یہ کون نہیں جانتا کہ اگر ایک آدمی کا باپ یا بیٹا کافر ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسکی ذات میں کیا نقص پیدا ہوسکتا ہے. اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اس کے نزدیک کسی کافر کے بیٹے کو نبی کر دینا کوئی مشکل بات نہیں اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا صحابہ اپنے باپ دادا سے افضل تھے کیونکہ ان کے باپ دادا کافر تھے برخلاف اس کے وہ شخص زیادہ عیب دار ہے. جسکی بیوی بدکار فاحشہ ہو کیونکہ اسکی بیوی کے فاحشہ ہونے پر اور اس سے تعلق رکھنے پر خاص اس شخص کی ذات پر بُرائی کا اثر پڑتا ہے. اس کے مقابلہ میں باپ یا بیٹے کا کافر ہونا کوئی چیز نہیں ہے. اگر مومن کی اولاد مومن ہی ہوا کرتی تو ضرور تھا کہ ساری اولاد آدم مومن ہی ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا جسکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واتل عليهم نبا ابنى آدم بالحق اذقر با قرباناً فتقبل من احدهما و لم يتقبل من الاخر قال لا قتلنك قال انما يتقبل الله من المتقين. یعنی اے نبی اُن لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں (یعنی قابیل اور ہابیل) کا حال سچائی کے ساتھ پڑھ کر سُنا دو جوان دونوں نے قربانی کی نذر کی اور ان دونوں میں سے ایک کی (نیاز) قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نہ قبول کی گئی تو اُسنے کہا کہ میں یقیناً تجھے مار ڈالوں گا اُسنے جواب دیا کہ (اس میں میری کیا خطا ہے) اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے. فقط۔

صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کوئی ظلماً مارا جاتا ہے

اسکے خون کا کچھ حصہ آدم کے پہلے بیٹے کے ذمہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ دنیا آدمی کے خون کرنے کی بنیاد اُسی نے ڈالی۔ اس کے علاوہ رافضیوں کا بھی باوا آدم نرالا ہے وہ ایک طرف تو حضور انور کے چچا عباس کو بُرا کہتے ہیں جن کا مسلمان ہونا تواتر سے ثابت ہے اور دوسری طرف ابو طالب کی تعریف کرتے ہیں جسکے کفر پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کفر کی حالت میں مرا صحیحین میں سعید بن حزن سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب ابو طالب کا دم نکلنے لگا تو حضور انور اسکے پاس تشریف لائے دیکھا کہ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ ابن مغیرہ بیٹھے ہیں۔ حضور نے ارشاد کیا اے چچا اس وقت میرے روبرو اتنا کلمہ کہہ دو لا الـه الا الله میں اقرار کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کے حضور تمہارے مسلمان ہونے کی میں شہادت دے دوں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بولے اے ابو طالب کیا اس وقت تم اپنے باپ دادا کے دین سے پھر جاؤ گے دیکھو کبھی ایسا نہ کرنا) اس پر بھی حضور انور ابو طالب پر کلمہ طیبہ کے لئے اصرار کرتے رہے مگر ابو طالب نے نہ مانا پر نہ مانا یہاں تک کہ اخیر ابو طالب کی زبان سے یہ لفظ نکلا انا علی ملۃ عبدالمطلب "یعنے میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں۔ اس کے بعد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے صاف انکار کر دیا اس پر بھی حضور انور نے یہ فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کیا جاوے گا۔ میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مـا كـان لـلـنـبـى والذين امنوا ان يستغفر والمشركين ولـو كـانـوا اولـى قـربـى مـن بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم۔ یعنی نبی کو اور مسلمانوں کو یہ روا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت چاہیں بعد اس کے کہ انہیں یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہوں اور پھر اللہ نے ابو طالب ہی کی بابت یہ بھی اپنے رسول سے ارشاد کیا انک لا تهـدى مـن احبت ولكن الله يهدى من يشاء۔ صحیحین میں عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ میں نے حضور انور سے دریافت کیا یا رسول اللہ ابو طالب کو بھی آپ سے کچھ فائدہ پہنچا یا نہیں کیونکہ وہ آپ کا بڑا خیر خواہ تھا اُسنے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی مدد کی آپ کی وجہ سے اوروں سے بُرا بنا۔ حضور نے جواب دیا ہاں اُسے یہ فائدہ پہنچا کہ وہ دوزخ کے بالائی طبقہ میں رکھا جاوے گا اور اگر میرا قدم بیچ میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے اسفل السافلین طبقہ

میں رہتا. ابو سعید کی حدیث میں ہی ایک دن حضور انور کے آگے ابو طالب کا ذکر ہونے لگا تو آپ نے ی وفرمایا مجھے امید ہے کہ میری شفاعت سے ابو طالب کو اتنا فائدہ پہنچ جائے گا کہ وہ دوزخ کی اس طبقہ کی آگ میں رکھا جاوے گا جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی. مگر اتنی ہی آگ سے اس کا دماغ پکنے لگے گا (یہ حدیث بھی صحیحین میں ہے) یہ اچھی طرح سے سمجھ لیا جاوے اور غالباً ایک فہمیدہ شخص اس سے انکار نہیں کرتے کا کہ محض نسب پر اللہ تعالی نے کہیں کسی کی تعریف نہیں کہ بلکہ تقوی اور ایمان کی تعریف کی ہے چنانچہ فرمایا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم. رافضیوں کا دوسرا تناقض یہ ہے کہ وہ طلحہ اور زبیر پر طعن کرتے وقت اس بات کو نہیں سوچتے کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ کی تعریف کرر ہے ہیں جو طعن انہوں نے طلحہ اور زبیر پر کیا ہے اگر اس طعن کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علیؓ پر یہ طعن بدرجہ اولی ہوگا کیونکہ طلحہ اور زبیر تو صدیقہ کی یقیناً تعظیم کرتے تھے اور اُن کے ارشاد کی برابر پیروی کرتے تھے اب رافضی جو یہ کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کس منہ سے حضور انور سے ملیں گے وغیرہ وغیرہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ رافضیوں نے صدیقہ کو بمنزلہ اس بلکہ مان لیا ہے جسکی ہر امر میں اطاعت کرنی ضروری ہو اسکے جواب میں ایک ناصبی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ لوگ حضور انور شافع روز محشر کو کیا منہ دکھائیں گے جنہوں نے آپ کی چاہتی بیوی سے جنگ کی اپنے سپاہی اُن پر مسلط کر دے اُن سپاہیوں نے صدیقہ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں جس سے وہ ہودہ سے گر پڑیں اور ان کے دشمن چاروں طرف سے اُن پر چھا گئے گویا کہ اُنہیں محاصرہ میں کر لیا. اس میں شک نہیں کہ کسی کی بیوی کی ھرده دری کرنے اُسے قید کرنے، اجنبی آدمیوں کو اس پر مسلط کرنے میں اس شخص کی اس سے بدرجہا زیادہ اہانت اور بے عزتی ہے کہ کوئی اسے اسکے گھر سے نکالے خاصکر ایسی جگہ بلکہ کو جسکی بلا اجازت کوئی اسکے پاس جا بھی نہ سکتا ہو. طلحہ اور زبیر وغیرہ تو صدیقہ سے اجنبی بھی نہ تھے بلکہ اس لشکر میں تو صدیقہ کے بہت سے محارم بھی تھے مثلاً عبد اللہ بن زبیر صدیقہ کے سگے بھانجہ تھے انہیں صدیقہ کے ساتھ تنہا رہنا دیکھنا اور ہات لگانا تک کتاب، سنت اور اجماع تینوں سے جائز تھا. اسی طرح ایک عورت کو اپنے ذی رحم محرم کے ساتھ سفر میں جانا کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے درست ہے۔ صدیقہ نے سوائے

اپنے ذی رحم محرم کے اور کسی کے ساتھ سفر نہیں کیا. ہاں "لشکری (جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہو) صدیقہ سے لڑے ہیں اگر ان میں محمد بن ابی بکر نہ ہوتے جنہوں نے صدیقہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا تو یقیناً اُن کی کی طرف اجنبیوں ہی کا ہاتھ بڑھنا کیونکہ ان کے سوا اس لشکر میں اور کوئی صدیقہ کا ذی رحم محرم نہ تھا. اسی وجہ سے صدیقہ نے اس ہاتھ بڑھانے والے کو بددعا دی تھی کہ جسکا یہ ہاتھ ہو اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں جلادے اس پر محمد بن ابی بکر نے کہا اے بہن کیا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں جلواتی ہو فرمایا ہاں چنانچہ صدیقہ کی دعا قبول ہوئی اور جب وہ مصر پہنچے تو آگ میں جلادئے گئے بات یہ ہے کہ طلحہ اور زبیر کی رافضی جس قدر برائی کرینگے اس سے زیادہ حضرت علی کی بڑائی ہوگی اگر رافضی یہ کہیں کہ علی نے جو کچھ کیا وہ اپنے کام میں مجتہد تھے اور وہ طلحہ اور زبیر سے بڑھے ہوئے تھے تو ہم اسکے مقابلہ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر بھی مجتہد تھے ہاں یہ بات ہم مانتے ہیں کہ علی ان دونوں سے افضل تھے لیکن رافضیوں ہی کے قول کے مطابق ان دونوں نے عائشہ صدیقہ کے ساتھ ایسی بُرائی نہیں کی جیسی علیؓ نے کی اگر ان دونوں کا یہ فعل ان کی خطا شمار کی جائے تو حضرت علیؓ کے اس فعل سے بدرجہ اولیٰ حضرت علی کا خطا دار ہونا ثابت ہوا. اور اگر رافضی یہ کہیں کہ طلحہ اور زبیر نے صدیقہ کو علی سے لڑوایا تھا اس لئے علی نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ دار طلحہ اور زبیر ہیں علی کے ذمہ کچھ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اسی طرح امیر معاویہ کا عذر بھی قابل توجہ ہے کہ جب اُن سے کسی نے یہ کہا کہ تم نے عمار کو قتل کر دیا جسکی بابت حضور انور نے یہ فرمایا تھا کہ اسے باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی تو اس پر امیر معاویہ نے یہ جواب دیا کہ ہم نے عمار کو نہیں قتل کیا بلکہ قتل انہوں نے کیا ہے جو اسے لائے تھے اور ہماری تلواروں کے نیچے کر دیا تھا. اگر امیر معاویہ کی یہ حجت مردود ہے تو رافضیوں کی حجت بھی اس سے زیادہ مردود ہونی چاہیے اور اگر یہ مقبول کی تو امیر معاویہ کی حجت اس سے زیادہ مقبول ہونی چاہیے. باقی رافضیوں کا یہ رونا کہ دس ہزار مسلمانوں نے عائشہ کی اطاعت کیسے کر لی علیؓ کے مقابلہ میں انہیں کیسے مدد دی حالانکہ حضور کی صاحبزادی کی اُن میں سے ایک نے بھی مدد نہ کی اُس وقت کہ جب اُنہوں نے ابوبکر سے اپنا حق مانگا تھا. مدد کرنا تو کیسا ان کے مقدمہ میں کسی نے ان کے موافق ایک بات بھی نہیں کی. اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس میں کسی کو

بھی شبہ نہیں کہ یہ لوگ جنہیں رافضی مطعون کرتے ہیں حضور انور رسول خدا ﷺ سے انتہا درجہ محبت رکھتے تھے حضور کی آپ کے خاندان کی اور آپ کی صاحبزادی کی ابوبکر و عمر سے بھی بدرجہا زیادہ تعظیم کرتے تھے اسکے علاوہ اس میں بھی کوئی عاقل شک نہیں کرسکتا کہ سارا عرب جسمیں خواہ قریش ہوں یا اور قبیلہ والے یہ بنی عبد مناف کی تعظیم اوع عدی سے یقیناً زیادہ کرتے تھے۔ ان سب کے دلوں میں نبی عبد مناف کی وقعت بہت زیادہ تھی یہی تھی کہ جب حضور انور کا وصال ہوا اور ابوبکر خلیفہ ہوئے تو ابو قحافہ سے کسی نے کہا کہ رسول خدا کا وصال ہو گیا ابو قحافہ بولے اُف یہ بڑا بھاری حادثہ ہی پھر انہوں نے پوچھا کہ رسول اللہ کا جانشین کون ہوا۔ جواب ملا ابوبکر، یہ سُن کر ابو قحافہ چونک پڑے اور حیران ہو کر کہا کیا نبی عبد مناف اور نبی مخزوم بھی اس پر رضامند ہو گئے لوگوں نے کہا ہاں ابو قحافہ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء اسی روسے ابوسفیان حضرت علی کے پاس آئے اور یہ کہا کہ بنی تیم میں خلافت ہونے کو کیا تم نے بھی منظور کر لیا آپ نے فرمایا اے ابوسفیان اسلامی خلافت جاہلیت کی خلافت نہیں۔ میں کیوں نہ منظور کرتا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ سارے مسلمانوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت بی بی فاطمہؓ پر ظلم ہوا اور نہ یہ کہا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ذمہ اُن کا کچھ حق ہے تو اس سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ فاطمہ زہرا مظلومہ نہیں ہیں کہ ہمیں اُن کی مدد کرنی ضروری ہے کہ اگر وہ انہیں مظلور سمجھتے تو اُن کی مدد کرنے کے لیے کوئی چیز مانع نہ تھی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے مظلومہ سمجھ کر فاطمہ زہرا کی مدد نہ کی تو یہ تین صورتوں سے ممکن ہو سکتا ہے یا تو یہ کہ وہ زہرا کی مدد سے عاجز ہوں۔ یا اُنہیں اُن کے حق کی پروا نہ ہو۔ یا اُنہیں ان سے بغض ہو۔ مگر یہاں ان تینوں وجہوں میں سے ایک بھی نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ اس بات سے عاجز نہ تھے کہ کوئی انہیں حق گوئی پر روک سکتا بلکہ وہ خلافت کے بدل دینے پر اُسکی موجودہ حالت قائم رکھنے سے بھی زیادہ قادر تھے۔ اور نہ ابوبکر میں یہ بات تھی کہ وہ کسی کی فریاد سُنتے کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے بھی ابوبکر کو سنگدل اور ظالم نہیں قرار دیا اور یہ بات سب سے زیادہ مضحکہ خیز ہے کہ ابوبکر زہرا سے بغض رکھتے تھے اس لئے کہ کوئی وجہ بغض کی نہ قبل از اسلام تھی نہ بعد از اسلام اسی طرح کسی

مسلمان کو حضرت علیؓ سے کوئی عداوت نہ تھی نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں نہ حضرت علی نے کسی کے رشتہ دار کو قتل کیا تھا کیونکہ جو لوگ حضرت علیؓ کی تلوار کے نذر ہوئے وہ نہ زیادہ وجیہ تھے نہ بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اسکے مقابلہ میں فاروق اعظم بے شک کفار پر سخت تھے کفار بھی علی کی بہ نسبت اُن سے زیادہ عداوت رکھتے تھے عمر کی اُن سے عدوات ہوئی اور بحث مباحثے ہوئے مشہور و معروف ہیں باوجود اسکے عمر ان پر خلیفہ ہوئے اور جس وقت آپ کا انتقال ہوا وہ سب آپ کی تعریف کرتے تھے اور آپ کے لیے دعائے خیر کرتے تھے اور مسلمانوں کے اس صدمہ کا ان سب کو رنج تھا کوئی صحیح روایت رافضی ایسی پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ معلوم ہو کہ زہرا پر ظلم ہوا عقل باور نہیں کرتی کہ مسلمانوں کرتی کہ مسلمانوں نے عثمانؓ کی مدد کرنے میں تو اپنی جانیں تک دینی اختیار کرلی تھیں مگر اُن کی مدد نہ کی جو عثمانؓ سے زیادہ محبوب تھے. اور وہ حضور انور اور آپ کے اہل بیت ہیں سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا ساتھ دینے میں اور قبائل تو ایک طرف رہی بنی ہاشم کیوں نہ اُٹھ کھڑے ہوئے بنی ہاشم میں سب سے بڑی عباس بن عبدالمطلب اور بنی امیہ میں سب سے بڑے ابوسفیان بن حزب تھے اور ان دونوں کا میلان حضرت علی کی طرف تھا یہ کیوں نہ اُٹھ کھڑے ہوئے ممکن تھا کہ اگر یہ کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ خلافت علیؓ کی ہی یہی خلیفہ ہیں یہی وصی ہیں ان کے سوا ہم کسی سے بیعت نہیں کرتے نہ ہم حضور انور کی نافرمانی کرتے ہیں نہ ہم آپ کے وصی اور اہلبیت پر ظلم کرتے ہیں اور نہ نبی تیم کو بنی ہاشم پر مقدم کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کے اس کہنے کو کل مسلمان نہ مان لیتے حضرت علی کے وصی ہونے کا راگ جواب گایا جا رہا ہے کیا وجہ ہے کہ وقت پر ایک مسلمان کی زبان سے بھی یہ نہیں نکلا کہ یہ پیغمبر کے وصی ہیں انہیں خلیفہ بنانا چاہیے نہ حضرت علی نے خود کہا کہ میں وصی ہوں میرا حق خلافت ہے یہ لغو اور غلط الزام جو رافضی ابوبکر اور عمر پر قائم کرتے ہیں اس سے ایک غیر طرفدار شخص یہ نتیجہ نکال لے گا کہ جب ابوبکر و عمر اور سابقین اولین روئے زمین کے سب آدمیوں سے بُرے تھے اور جہالت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے کیونکہ انھوں نے رافضیوں کے قول کے مطابق اپنے نبی کے وفات پاتے ہی آپ کا طور طریق سب بدل دیا آپ نے وصی پر الزام کیا اور آپ کے اور اہل بیت کیساتھ وہ برتاؤ کیا جو موسیٰ و عیسیٰ کے مرنے

کے بعد یہود اور نصاریٰ نے بھی نہ کیا تھا۔ تو رافضیوں کے عقیدہ اور قول پر امت مرحومہ سب امتوں سے بدتر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اُن کے عقیدہ کے مطابق امت مرحومہ کے سابقین سب سے بدتر ہیں۔اب کسی کو بھی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ جس نے رافضیوں کا مذہب ایجاد کیا ہے۔ وہ بددین ہے۔ ملحد۔ اسلام اور اہل اسلام کا جانی دشمن تھا۔

ایک اور طعن: رافضی کہتے ہیں کہ سُنیوں نے عائشہ کا نام توام المومنین رکھ لیا اور اُسکے سوا کسی کو ام المومنین نہ کہا نہ اُن کے بھائی محمد بن ابی بکر کو خال المومنین (یعنی مسلمانوں کا ماموں) کہا حالانکہ وہ ۔بڑے جلیل القدر اور مرتبہ میں اپنے باپ اور بہن کے قریب ہی قریب تھے۔ دوسرے انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان کا نام خال المومنین رکھ دیا اس وجہ کی اُسکی بہن ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی حضور انور کی بی بیوں میں سے ایک بیوی تھی اسکے مقابلہ میں محمد بن ابی بکر کی بہن اور اُن کے باپ امیر معاویہ کی بہن اور اور اُنکے باپ سے مرتبہ میں بڑھے ہوئے تھے۔فقط۔

جواب: رافضیوں کا یہ کہنا کہ سنیوں نے عائشہ کا نام توام المومنین رکھ لیا اور کسی بیوی کا نام ام المومنین نہیں رکھا ایسا صریح بہتان ہے کہ اس سے زیادہ صریح بہتان نہیں ہوسکتا۔خدا معلوم جھوٹ اور ایسا سفید جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہے۔ایسے ہی وہ قول ہے جیسا کہ رافضی کہتے ہیں کہ جب بعض نواصب سے حسین نے یہ کہا کیا تم مجھے نہیں جانتے کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی فاطمہؓ کا بیٹا ہوں تو انہوں نے قسم کھا کر یہ جواب دیا تھا کہ ہاں ہمیں اسکی خبر نہیں بھلا کون عقل کا دشمن یہ یقین کرسکتا ہے کہ کسی نے ایسا کہا ہو۔کوئی شخص بھی خواہ وہ حضرت حسین کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اس کے رشتہ کا انکار نہیں کرسکتا۔نصیر یہ فرقہ نے جو خود رافضیوں کی ایک شاخ ہے حسن اور حسین کو حضرت علی کی اولاد نہیں مانا بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ سلمان فارسی کے بیٹے تھے وہ یہ بھی رکھتے ہیں کہ ابوبکر وعمر حضور انور کے پاس مدفون نہیں ہیں اُن کا یہ بھی قول ہے کہ رقیہ اور ام کلثوم عثمان کی دونوں بیبیاں حضور انور کی صاحبزادیاں نہ تھیں بلکہ وہ دونوں خدیجہ کی لڑکیاں پہلے شوہر سے تھیں۔غرض اس قسم کی افترا پردازیاں ناواجب اتہامات کس کس طرح اٹھانے گئے اور کیونکہ بے گناہوں کے سر چپک گئے ایسے ہی امام حسین کی شہادت کا واقعہ کس طرح بنا لیا اور کیونکر اس کا رواج دیا گیا یہ ساری باتیں

نصیریہ فرقہ کی ایجاد ہیں، رافضیوں اور مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ نصیریہ فرقہ کی ایک من گھڑت بات یعنی امام حسین کی شہادت کو تو مان لیں اور باقی باتوں کا نفرت سے انکار کر دیں۔ حضور انور کی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو ام المومنین کہا جاتا ہے مثلاً عائشہ، حفصہ زینب بنت جحش۔ ام سلمہ، سودہ بنت زمعہ، میمونہ بنت الحارث الہالیہ، جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ صفیہ بنت حیی بن اخطب الہارونیہ، خداوند تعالی نے فرمایا ہے النبی اولی بالمومنین وازواجہ امھاتھم یعنی نبی مسلمانوں کی نسبت انکی جانوں سے اولی ہیں اور اُن کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ یہ بات ساری امت کو عام طور پر معلوم ہے کہ حضور انور کی وفات کے بعد ان ازاوج مطہرات سے نکاح حرام ہونے اور تحریم دونوں میں امہات المومنین ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے پردہ کرنیکا حکم دیا چنانچہ فرماتا ہے یا ایھا النبی لا زواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیم من من جلابیبھم ذل ادنی ان یعرفن فلا یوذین یعنی اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھ لیں یہ اس بات سے زیادہ نزدیک ہے کہ پہچان لیجائیں تاکہ پھر اُنہیں تکلیف نہ دیجائے۔ اور فرمایا ہے واذ سالتمو ھن متاعاً فاسئلون من وراء حجاب ذلکم اطھر لقو بکم وقلوبھن وما کان لکم ان تودو ارسول اللہ ولا ان تنکو ازواجہ من بعدہ اباد ان ذلک کان عند اللہ عظیما۔ یعنی اور جب تم نبی کی بیوں سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کی آڑ سے مانگو یہ تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاک کرنے والا ہے اور تمہیں یہ سزا نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ تم اُن کی بی بیوں سے ان کے بعد کبھی نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک برا گناہ ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ازواج مطہرات ذی رحم محرم ہونے میں مسلمانوں کی مائیں نہیں ہیں بلکہ تحریم کے حکم میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں یعنی اُن سے نکاح کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے اس لحاظ سے ازواج مطہرات کے بھائیوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا انمیں سے کسی کو خال المومنین یعنی مسلمانوں کا ماموں کہا جائے یا نہیں بعض علماء اسے ناجائز نہیں سمجھتے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امیر معاویہ کی اس حکم میں کچھ خصوصیات نہیں ہے بلکہ اس

میں صدیق اکبر کے دونوں صاحبزادے عبدالرحمٰن اور محمد اور فاروق اعظم کے تینوں صاحبزادے عبد اللہ عبید اللہ اور عاصم بھی داخل ہیں۔ اسی طرح جویریہ بنت حارث کا بھائی عمرو بن الحارث بن ضرار اور امیر معاویہ کے دو بھائیں عتبہ بن ابی سفیان اور یزید بن ابی سفیان بھی اس میں داخل ہیں بعض مسلمان علماء کا یہ قول ہے کہ ازواج مطہرات کے بھائیوں پر خال المومنین کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ پھر اُن کی بہنوں کو مسلمانوں کی خالا میں کہنا پڑے گا اس سے بمشکل پیدا ہوگی کہ مسلمان کو اپنی خالہ سے نکاح کرنا اور مسلمان عورت کو اپنے ماموں سے نکاح کرنا حرام ہوجائے گا حالانکہ نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسلمان مردوں کو ازواج مطہرات کی بہنوں سے اور مسلمان عورتوں کو ازواج مطہرات کے بھائیوں سے نکاح کرلینا درست ہے جیسا کہ ام المومنین میمونہ بنت الحارث کی بہن ام الفضل سے حضرت عباس نے نکاح کیا اور ان سے عبداللہ اور فضل وغیرہ ان کی اولاد بھی ہوئی۔ اسی طرح ازواج مطہرات کے بھائیوں یعنی عبداللہ بن عمر، عبید اللہ امیر معاویہ، عبدالرحمان بن ابی بکر اور محمد بن ابی بکر نے مسلمان عورتوں سے نکاح کیے گئے تھے اگر یہ اُنکے ماموں ہوتے تو کیونکر اپنی بھانجیوں سے نکاح کر سکتے۔ اسی طرح ازواج مطہرات کی ماؤں کو کسی نے مسلمانوں کی نانیاں تسلیم نہیں کیا نہ اُن کے باپ کو مسلمانوں کے نانا کسی نے کہا کیونکہ امہات المومنین کے حق میں نسب کے سب احکام ثابت نہیں ہوتے فقط۔ احکام حرمت اور تحریم ثابت ہوئے ہیں۔ نسب کے احکام ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں مثلاً رضاعت سے تحریم اور محرمیت ثابت ہوجاتی ہے اور نسب کے بتمامہ احکام اس سے بھی ثابت نہیں ہوتے کہ سب مسئلے متفق علیہ ہوں ج۔ جن علماء نے ازواج مطہرات کے بھائیوں میں سے ایک کو مسلمانوں کا ماموں کہدیا ہے اس سے کچھ نزاع پیدا نہیں ہوسکتا ان کا مقصود اس کہنے سے یہ ہے کہ جس شخص کو وہ ماموں قرار دیتے ہیں اُسکے یہ معنی ہیں کہ حضور انور سے اس کا ازار بندی رشتہ ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضور انور کا اور کسی سے یہ رشتہ نہ ہو امیر معاوی چونکہ ایک مشہور ومعروف سپہ سالار، اور شام جیسے زرخیز صوبہ کے حکمران تھے لہٰذا خال المومنین کا لقب ان کے نام کے ساتھ زیادہ مشہور ہوگیا جس طرح کا لب وحی کا قلب ان کے نام کے ساتھ شہرت پکڑ گیا حالانکہ وحی کے کاتب تو اور بھی تھے۔ اس کے

علاوہ امیر معاویہ حضور انور کے ردیف بھی تھے حالانکہ حضور انور نے اوروں کو بھی اپنا ردیف مختلف اوقات میں بنایا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خال المومنین علماء کسی خصوصیت کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ معمولی طور پر حضور انور کا ایک تعلق ظاہر کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں جیسا کہ ایک صحابی کے فضائل میں وہ امور درکرتے ہیں جن میں اسکی کچھ خصوصیت نہیں ہوتی مثلاً حضرت علیؓ کے بارے میں حضور انور کا یہ ارشاد کہ میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے. اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں. اور حضرت علیؓ کا یہ فرمانا کہ مجھ سے حضور انور نے یہ فرمایا تھا کہ تم سے اُسی کو محبت ہوگی جو مومن ہوگا اور تم سے اسی کو بغض ہوگا جو منافق ہوگا وغیرہ وغیرہ ان امور میں حضرت علی کو کچھ خصوصیت نہیں ہے اس میں اور لوگ بھی داخل ہیں مسلمانوں میں اِن فضائل کی رواتیوں کو اِس لیے شہرت ہوگئی کہ خوارج مقابلہ میں حضرت علی کی نسبت کچھ طعن کیا کرتے تھے. خوارج وغیرہ کے اعتراضوں اور بدگوئیوں کو دفع کرنے کے لیے ایسی باتوں کو شہرت دی گئی. یہ لوگ علانیہ حضرت علی کو کافر اور ظالم کہتے ہیں. مسلمان ان کا منہ بند کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے یہ مناقب اور فضائل بیان کردیتے تھے. اسی طرح امیر معاویہ کو سمجھنا چاہیے جن سے حضور انور کو ایک خاص تعلق تھا. پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ امیر معاویہ کو بعض لوگوں نے کافر یا فاسق کہا یا ان پر لعنت ملامت کرنے کو حلال سمجھا لہذا مسلمان علماء نے ان کا منہ بند کرنے کے لیے امیر معاویہ کے مناقب بیان کئے اور حضور انور سے جو ان کا اتصال اور تعلق تھا اس کا کھلے الفاظ میں ذکر کیا تا کہ اسکے ذریعہ سے حضور انور کے متعلقین کے حق کی انکے مراتب کے اعتبار پر رعایت کی جائے۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس بارے میں اگر کوئی اپنے اجتہاد سے کام لے اور اس اجتہاد میں غلطی ہوجائے تو یہ غلطی اُس غلطی سے بدرجہا بہتر ہے جو اُن سے بغض رکھنے میں اجتہاد کرے اور اس میں غلطی ہوجائے کیونکہ آدمیوں کے ساتھ احسان کرنا ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا اُن کی بُرائی کرنے اور اُن سے بدلہ لینے پر مقدم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ادروا الحدود باج لشبہات یعنی شبہوں کی وجہ سے حدود کو قطع کردیا کرو اور یہی بات ایک حاکم کے لیے بھی ہے کہ اگر وہ ایک مجرم کے بری کرنے میں غلطی کرے تو یہ غلطی اس غلطی سے بدرجہا بہتر ہے کہ سزا دینے

میں اس سے غلطی ہو جائے۔ سنی علیٰ ہذا القیاس یہ بات مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو فقیر ظاہر کرے تو اسے صدقہ کے مال میں سے کچھ دے دیا جاوے جیسا کہ حضور انور سے دو تندرست اور قوی آدمیوں نے سوال کیا یعنی کچھ مانگا تو آپ نے انہیں صدقہ دے دیا مگر صدقہ دیتے وقت یہ فرمایا کہ ایسے مال میں دولتمند اور ہٹے کٹے لوگوں کا حصہ نہیں ہوتا وہی بات یہاں بھی سمجھنی چاہیے کہ دولت مند کو دے دینا فقیر کو محروم کر دینے سے بہتر ہے۔ اور بے گناہ کو سزا دینے سے مجرم کو معاف کر دینا بہتر ہی یعنی ایک شخص در حقیقت فقیر تھا اور تم نے اسے دولت مند سمجھ کے صدقہ سے محروم کر دیا ایک شخص واقع میں بے گناہ تھا اور تم نے اُسے گناہ گار سمجھ کے سزا دے دی تو اس سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ کوئی دولت مند ہوا اور تم اُسے فقیر سمجھ کے کچھ دے دیا اصل میں کوئی مجرم ہے اور تم اُسے بے گناہ سمجھ کے رہا کر دو۔ جب عام آدمیوں کے حق یہ حکم ہے تو صحابہ اس برتاؤ کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ مجتہد سے اس میں خطا ہو جاتی کہ وہ اپنے اجتہاد سے لوگوں کے حق میں دعاے خیر کرے اُن کی تعریف کرے ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ کوئی اپنے اجتہاد کی غلطی سے لوگوں پر لعنت وملامت اور طعن تشنیع کرنے لگے۔ صحابہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ گناہ ہو مگر گناہوں کی مغفرت ہونے کے متعدد اسباب ہیں اور ان اسباب کے صحابہ ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو اُن کے بعد ہوئے ہیں۔ مگر رافضی نہیں مانتے ان کے صغیرہ گناہوں پر علی الاعلان انہیں گالیاں دیتے ہیں اور اپنے معاونین۔ منافقین جیسے اسماعیلیہ اور نصیریہ وغیرہ کو اعلیٰ درجہ کا پاکباز اور بے خطا سمجھتے ہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ جو شخص مسلمانوں سے اُن کے معمولی گناہوں پر بھی مناقشات کرے اور کفار منافقین کے کفر ونفاق پر مناقشہ نہ کرے بلکہ اکثر اوقات ان کی تعریف اور تعظیم کرے تو اسکی یہ حالت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب سے زیادہ ظالم اور جاہل ہے۔ اسکے علاوہ رافضیوں کے تناقض کی ایک اور صریح دلیل یہ ہے کہ رافضی امیر معاویہ اور محمد بن ابی بکر کا ذکر کر کے تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنیوں یعنی مسلمانوں نے ان میں سے ایک ایک کو خال المومنین کہا مگر دوسرے کو نہ کہا اور ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتے جو خال المومنین ہونے میں ان دونوں کے شریک اور دونوں سے افضل ہیں مثلاً فاروق اعظم کے

صاحبزادے عبداللہ وغیرہ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان اس امر میں امیر معاویہ کی خصوصیات نہیں کرتے رافضی مقابلہ محمد بن ابی بکر کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ محمد بن ابی بکر علم اور دینداری میں عبد اللہ ابن عمر کے پاسنگ بھی نہیں ہیں بلکہ اپنے بھائی عبدالرحمان کے مرتبہ کے بھی نہیں ہیں کیونکہ عبدالرحمان کو صحبت اور فضیلت دونوں حاصل ہیں۔ محمد بن ابی بکر حجتہ الوداع کے سال ذوالحلیفہ پیدا ہوئے تھے ان کی والدہ اسماءبنت عمیس کو حضور انور نے یہ حکم دیا تھا کہ احرام کے لیے غسل کر لو اور وہ اُس وقت نفاس سے تھیں۔ پھر یہی سنت ہوگئی محمد بن ابی بکر نے حضور انور کی زندگی کا کل زمانہ اتنا دیکھا ہے کہ ذیقعدہ کے پانچ دن بھر ذی حجہ محرم، صفر، اور ربیع الاول کے کچھ دن یہ سب ملکر پورے چار مہینے بھی نہیں ہوتے۔ جب اُن کے والد صدیق اکبر کا انتقال ہوا تو اُن کی عمر تین برس کی بھی نہ تھی۔ نہ اُنہیں حضور انور کی اور نہ صدیق اکبر کی صحبت نصیب ہوئی۔ حضرت علی نے صدیق اکبر کی وفات کے بعد اُن کی بیوی یعنی محمد بن ابی بکر کی والدہ اسماء سے نکاح کر لیا تھا اُنہوں نے وہیں پرورش پائی اور اسی لیے اُنہیں حضرت علی سے خصوصیات تھی اور یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ محمد بن ابی بکر نے ایک ایسا فعل کیا تھا کہ جس سے شرعاً اُن پر حد لگائی جاتی چنانچہ حضرت عثمان نے شریعت کے قانون کے بموجب اُن پر حد لگادی اُس دن سے حضرت عثمان کی طرف سے اُن کے دل میں سخت غصہ پیدا ہو گیا۔ وہ موقع کی تاک میں لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ مصری باغیوں نے مدینہ میں شور برپا کیا تو یہ بھی اُن میں مل گئے اور جس مکان میں اُنہیں قید کر رکھا تھا یہ اُس میں گھس گئے اور اندر جا کے اُس بوڑھے واجب التعظیم خلیفہ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان خاموش بیٹھے رہے صرف اتنا فرمایا کہ جو ڈاڑھی تیرے ہاتھ میں ہے اُس ڈاڑھی کی تیرا باپ صدیق اکبر تعظیم کیا کرتا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ پیچھے ہٹ گئے اور جس تلوار سے حضرت عثمان کی گردن اُتارنا چاہتے تھے وہ تلوار اُنہوں نے میاں میں دے لی۔ یہ ہمیشہ حضرت علی کے ساتھ رہے تھے حضرت علی نے اُنہیں مصر کا حاکم کر دیا تھا مگر ان کی بہت سی ناروا باتوں سے مصری خوش نہیں تھے اُن ہی مصریوں نے جن کی مدد کے لیے یہ کھڑے ہو گئے تھے اور حضرت عثمان کو قتل کرنے کے لیے تیار تھے اُنہیں مار ڈالا اور اُن کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کے جلا دیا۔ رافضی خواہ مخواہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور

اُن کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کے جلا دیا۔ رافضی خواہ مخواہ ان کی تعریف رطب اللسان ہیں اور اُن کی تعظیم و تکریم میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ جسکی حد و پایان نہیں۔ تعریف کرنا صرف اس لئے ہے کہ اُنہوں نے حضرت عثمان پر خروج کیا اور فتنہ و فساد پھیلانے میں قدم آگے بڑھایا۔ اسی طرح اُن لوگوں کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں جنہوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا تھا۔ یہ کھلم کھلا محمد بن ابی بکر کو صدیق اکبر اُن کے باپ سے بھی بڑھا دیتے ہیں صدیق اکبر وہ ہیں کہ جو حضور انور کے بعد ساری اُمت سے افضل ہیں تعجب ہے رافضی اُن کے اُس بیٹے کی تعریف کرتے ہیں کہ نہ اُسے حضور انور کی صحبت نصیب ہوئی نہ سابقیت اور فضیلت۔ اسکے علاوہ رافضی انساب کی تعظیم کرنے میں بھی تناقض پیدا کر دیتے ہیں۔ جب یہ امر مسلم ہے کہ کسی کے باپ کا کافر یا فاسق ہونا انکے کچھ معترت نہیں پہنچا سکتا تو پھر حضور انور اور حضرت ابراہیم علیہما السلام اور حضرت علی کے باپ کا کافر ہونا بھی انہیں کچھ مضر نہیں ہو سکتا اور اگر مضر ہوتا ہے تو پھر رافضیوں پر لازم آوے گا کہ یہ محمد بن ابی بکر کو بھی اُن کے باپ کی وجہ سے خوب گالیاں دیں حالانکہ اس کی یہ تعظیم کرتے ہیں اور پھر لطف دیکھئے کہ محمد بن ابی بکر کے بیٹے قسام اور اُنکے پوتے عبدالرحمٰن بن قاسم جو مسلمان کے نزدیک محمد بن ابی بکر سے بدرجہا بہتر ہیں مگر رافضی ان دنوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ محض اس لیے یہ دونوں فتنہ و فساد سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ رافضی محمد بن ابی کو جلیل القدر کہتے ہیں اگر ان کا اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ نسب کی رو سے جلیل القدر تھے تو نسب میں اُن کے نزدیک اُن کی کوئی عزت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ اُن کے باپ اور بہن کو علی الاعلان گالیاں دیتے ہیں۔ اب رہے مسلمان اُن کے ہاں نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ تقوے کی وجہ سے تعظیم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اور اگر اُن کے جلیل القدر ہونے سے اُن کی سابقیت۔ ہجرت، جہاد اور نصرت مراد ہے تو محمد بن ابی بکر نہ صحابہ میں سے تھے نہ مہاجرین میں سے نہ انصار میں سے۔ اور اگر جلیل القدر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ بڑے متقی اور دیندار وں میں سے تھے تو بھی غلط ہے کیونکہ یہ اپنے طبقہ کے مشہور علماء و صالحین میں سے نہیں گنے جاتے تھے۔ اور اگر جلیل القدر انہیں اسلیے کہا جاتا ہے کہ وہ مصر کے گورنر اور صاحب ریاست تھے تو اُن کے مقابلہ میں حضرت معاویہ اُن سے کہیں زیادہ

بڑھے ہوئے تھے. بلکہ حضرت معاویہ اُن سے علم، دینداری، بردباری، خوش اخلاقی اور خوش انتظامی میں کہیں زیادہ تھے. حضرت معاویہ نے حدیثیں روایت کی ہیں. فقہ میں بھی بحث کی ہے. اُن کی حدیثوں کو محدثین نے صحاح اور مسانید وغیرہ میں روایت کیا ہے محققین علماء نے اُن کے فتوے اور فیصلے بھی نقل کیے ہیں باقی محمد بن ابی بکر کا حدیث اور فقہ کی معتمد کتابوں میں کہیں بھی کچھ ذکر نہیں پھر رافضیوں کا یہ کہنا محمد بن ابی بکر کی بہن اوران کے باپ معاویہ کی بہن اور اُن کے باپ سے مرتبہ میں بدر جہا بڑھے ہوئے تھے قابل بحث امر ہے یہ بات سمجھنی چاہیے کہ یہ حجت دونوں پہلوؤں پر باطل ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان تو ہر شخص کو اسکی ذاتی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دیتے ہیں اسلیے محمد بن ابی بکر کی صدیق اکبر اور عائشہ صدیقہ سے قرابت ہونی اُنہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ امیر معاویہ میں اس سے کچھ نقص آ سکتا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو اُن سے نسب میں افضل مانا جائے یہ قاعدہ مسلمانوں میں مشہور و معروف ہے جیسا کہ مہاجرین اور انصار میں سے وہ سابقین اولین جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اپنی جان و مال سے جہاد کیا تھا. مثلاً بلال صہیب خباب وغیرہ انہیں اُن طلقا کا (وہ لوگ جو مکہ فتح ہونے کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور انہیں امان دیدگئی تھی) اُن سے نسب میں افضل ہونا معتبر نہیں ہوسکتا جو اس جہاد میں اُن سے موخر ہیں جیسے ابوسفیان بن حرب. اُن کے دونوں بیٹے معاویہ اور یزید. ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابوطالب وغیرہ. یہ لوگ بنی عبدمناف کے ہیں جو قریش میں سب سے زیادہ واجب التعظیم خاندان تھا اور بلال وغیرہ ایسے شریف النسب نہیں ہیں لیکن انہیں فضیلت اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عطا کی کہ اُنہوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے جہاد کیا تھا اور پھر جو لوگ اُن کے بعد ہوئے ہیں انہیں اُن پر فضیلت ہونی لازمی ہے. رافضی بھی عجب عقل کے پتلے ہیں کیونکہ اگر یہ نسب کا اعتبار کریں تو اُن پر یہ لازم آتا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو سب میں سب سے گھٹا ہوا سمجھیں اسلیے کہ یہ اُن کے باپ اور بہن کو علی الاعلان بُرا کہتے ہیں اس قاعدہ کے مطابق اس رشتہ کی وجہ سے انہیں فضیلت دینی کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور اگر یہ مسلمانوں کو الزام دینے کے طریق پر ذکر کرتے ہیں تو مسلمانوں کے نزدیک وہی افضل ہے جو متقی و پرہیزگار ہے.

امیر معاویہ کے مطاعن: رافضیوں کا طعنہ رافضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ طلیق بن طلیق لعین بن لعین پر لعنت کی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ میرے منبر پر جب تم معاویہ کو دیکھو تو فوراً قتل کر دو یہ معاویہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھا اس نے علی سے جنگ کی حالانکہ علی سنیوں یعنی مسلمانوں کے نزدیک بھی چوتھے خلیفہ اور امام حق ہیں. جو کوئی امام حق سے جنگ کرے وہ باغی اور ظالم ہوتا ہے چونکہ محمد بن ابی بکر کو حضرت علی سے محبت تھی اور وہ اپنے باپ سے ناراض تھے اور جناب امیر کی وجہ سے معاویہ سے بغض رکھتے تھے اور اسکے مخالف تھے کیونکہ معاویہ کو جناب امیر سے بغض تھا. مگر سنیوں نے معاویہ کا نام کاتب وحی رکھ دیا حالانکہ معاویہ نے ایک لفظ بھی وحی کا نہیں لکھا وہ فقط اپنے رسالے لکھا کرتا تھا. رسول اللہ ﷺ کے پاس چودہ آدمی جو وحی لکھا کرتے تھے اُن میں سب سے اعلیٰ درجہ کے خاص مقرب کاتب جناب علی ابن ابی طالب تھے باوجودیکہ معاویہ نبی ﷺ کی مدت حیات میں مشرک رہا ہمیشہ وحی کو جھٹلاتا اور شریعت کا مضحکہ اڑاتا رہا لیکن سُنیوں نے اس کی ان باتوں کا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ فقط رافضیوں کا طعنہ ختم ہو گیا۔

جواب: یہ جو رافضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ پر لعنت کی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ جب کوئی انہیں منبر پر دیکھے تو قتل کر دے اس روایت کا حدیث کی اُن کتابوں میں جو علم نقل میں مرجع سمجھی جاتی ہیں کہیں بھی پتہ نہیں ہے. محدثین کے نزدیک یہ بالکل من گھڑت کہانی، سفید، جھوٹ اور حضور انور رسول اللہ ﷺ پر نرا بہتان ہے. اس روایت کا راوی صرف شیخ حلی ہے مگر اُس نے اپنی کتاب منہاج الکرامہ میں کہیں بھی اسکی اسناد ذکر نہیں کی کہ اس پر غور کی جاتی ہاں ابوالفرح ابن جوزی نے یہ حدیث موضوعات میں ذکر کی ہے اسکے جھوٹ ہونے کی ایک صریح دلیل تو یہ ہے کہ حضور انور کے منبر پر امیر معاویہ کے بعد بہت سے آدمی کھڑے ہوئے ہیں پس اگر امیر معاویہ کو محض منبر پر چڑھنے کی وجہ سے قتل کرنا واجب تھا تو پھر اُن سب کو بھی قتل کرنا واجب ہوگا حالانکہ دین اسلام جو علی التواتر معلوم ہوا ہے یہ بات اسکے بالکل خلاف ہے منبر پر چڑھنا کسی مسلمان کے خون کرنے کو مباح نہیں کر سکتا اور اگر امیر معاویہ کو قتل کر دینے کا حکم اس وجہ سے ہوا تھا کہ یہ خلیفہ ہو گئے تھے اور اس قابل نہ

تھے تو پھر اس حکم کے موافق ان سب کو قتل کرنا واجب ہوگا جو امیر معاویہ کے بعد خلیفہ ہوئے تھے اور معاویہ ان سے یقیناً افضل تھے۔ حالانکہ یہ بات بھی متواتر حدیثوں کے بالکل خلاف ہے جو حضور انور سے مروی ہیں۔ یعنی آپ نے حاکموں سے لڑنے اور اُن سے قتال کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا تھا۔ اسکے علاوہ ساری اُمت اس پر متفق ہے کہ حاکم کو قتل نہیں کرنا نہیں چاہیے اسلیے کبھی اس امت نے اپنے حاکم کو قتل نہیں کیا نہ اُس کے قتل کرنے کو حلال سمجھا۔ حاکم کے قتل کرنے سے فساد و خونریزی کا ہونا لازمی ہے اور یہ فساد و خونریزی ہر ظالم حاکم کے ہونے سے بدرجہا زیادہ ہے۔ پھر بھلا حضور انور ایسے کام کرنے کا کس طرح حکم دیتے جسکے کرنے میں نہ کرنے سے زیادہ فساد لازم آتا ہو۔ باقی رافضیوں کا امیر معاویہ کو طلیق بن طلیق کہنا اُن کی فضیلت میں کچھ قدح نہیں کرتا کیونکہ طلقا تو انہیں مسلمانوں کو کہتے ہیں جو فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے اور حضور انور نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور یہ تقریباً دو ہزار آدمی تھے۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو خیار مسلمین یعنی بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں جیسے حارث بن ہشام سہل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام اور حضور انور کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث (جو مسلمان ہونے سے پہلے حضور انور کی ہجو کیا کرتا تھا لیکن آخر میں بڑا پکا مسلمان ہوگیا تھا) اور عتاب بن اسید جسے حضور انور نے مکہ فتح کرنے کے بعد مکہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی ایسے مسلمان ہیں جنکا اسلام قابل تحسین ہے اور امیر معاویہ کے اسلام کے عمدہ ہونے پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اسی وجہ سے فاروق اعظم نے اُن کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد اُن کی جگہ امیر معاویہ کو ملک شام کا حاکم کر دیا تھا۔ اور یہ اُن افسروں میں سے تھے جنہیں صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے ملک شام فتح کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ یعنی یزید بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ، عمرو بن العاص، ابوعبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، امیر معاویہ کو خاص فاروق اعظم نے مقرر کیا تھا۔ فاروق اعظم کو احکام الٰہی بجالانے میں کسی ملامت وغیرہ کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی تھی نہ آپ عہدوں کے دینے میں کسی کی کچھ رعایت کرتے تھے نہ آپ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان سے محبت ہو بلکہ اُن کے مسلمان ہونے سے پہلے فاروق اعظم ہی کو اُن کے ساتھ

سب سے زیادہ عداوت اور مخالفت تھی۔ یہاں تک کہ جب فتح مکہ کے دن عباس انہیں پکڑ کر لائے ہیں تو اُن کے قتل کر دینے کے سب سے زیادہ مشتاق فاروق اعظم ہی تھے اور اسی معاملہ میں فاروق اعظم اور عباس کا آپس میں جھگڑا بھی ہو گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابو سفیان کے بیٹے کو فاروق اعظم کا حاکم مقرر کرنا کسی دنیاوی غرض کے لیے ہرگز نہیں تھا۔ اگر ان میں حاکم ہونے کی قابلیت اور استحقاق نہ ہوتا تو فاروق اعظم اُنکو ہرگز حاکم مقرر نہ کرتے۔ اسکے علاوہ امیر معاویہ بیس برس حاکم اور خلیفہ رہے ان کی رعیت کو جیسی اُن سے محبت تھی اور اُن کا لشکر جیسا اُن کا جان نثار تھا۔ اُس کی نظیر اُن کے بعد یا اُنکے وقت میں ملنی مشکل ہے یہاں تک کہ جیسا کہ نہج البلاغہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت علیؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر امیر معاویہ اپنے ایک سپاہی کے عوض میں مجھ سے بیس سپاہی لے لیں تو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ اسمیں کلام نہیں کہ حضرت علیؓ اُن سے افضل بھی تھے اور اُن کا مرتبہ بھی عالی تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا حق امیر معاویہ سے زیادہ تھا خود امیر معاویہ کا لشکر بھی اِس بات کو مانتا تھا کہ امیر معاویہ سے حضرت علیؓ افضل بھی ہیں اور حق پر ہیں۔ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ امیر معاویہ نے کبھی نہ تو اپنے کو امیر المومنین کہا نہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا امیر معاویہ کی فوج صاف صاف یہ کہتی تھی کہ ہم حضرت علیؓ سے تمھارے جھنڈے کے نیچے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ تم سے افضل ہیں سابقین اولین میں سے ہیں حضور انور کے داماد ہیں۔ غرض اُنہیں تم پر ہر طرح فضیلت حاصل ہے حضرت معاویہ بھی اس سے انکار نہیں کرتے تھے مگر حضرت علیؓ کے لشکر میں ایسے ہزاروں آدمی موجود تھے جن سے خود حضرت علی بھی سخت پریشان ہو گئے تھے جو جا و بیجا ظلم کرتے تھے اور جس طرح اُن لشکریوں نے حضرت عثمان پر ظلم توڑے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ کی فوج کے اُن لوگوں پر جو اُن کے ہتھے چڑھ جاتے تھے اس قدر شدائد توڑتے تھے۔ وہ اکثر اوقات ان شدائد سے جابر نہ ہو سکتے تھے۔ ایک آدھ دفعہ اگر فوجوں میں کچھ چھینا جھپٹی ہوئی تو وہ صرف مدافعت کے طریق سے تھی نہ کوئی باقاعدہ جنگ یا حملہ کے طریق سے اشتر نخعی نے صاف طور پر اس بات کو حضرت علی سے کہا کہ حضرت معاویہ کی فوج حملہ تو کیسے، مدافعت کے لیے بھی تلوار ہاتھ میں نہ اُٹھاتی اگر ہماری طرف سے اُن پر شدائد نہ ٹوٹتے حضرت علیؓ

پر اس کا کچھ حرف نہیں آسکتا وہ خود اُن لوگوں سے مجبور تھے جو ظلم کر رہے تھے اور ساتھ ہی آپ کے حکم سے سرتابی بھی وہ بڑی دلیری سے کرتے تھے جس کا ذکر نہج البلاغت میں بالتفصیل موجود ہے. ان مظالم کی جن کی بعض آدمیوں نے حضرت علیؓ پر تہمت لگائی ان کی ہم ہرگز تائید نہیں کرتے. حضرت علیؓ مجبور تھے اور ایسے مظالم کا اشارہ بھی ان کی طرف ہونا بالکل لایعنی ہے. جب یہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو امیر معاویہ کے لشکر نے علی الاعلان یہ کہا کہ ہم تو اسی سے بیعت کرینگے جو ہم میں انصاف کرے، ہم پر ظلم نہ کرے، ہم علیؓ سے کیونکر بیعت کریں جبکہ ان کا لشکر ہم پر برابر ظلم کر رہا ہے اور قابو پا کر اور بھی زیادہ ظلم کرے گا جیسا اس نے عثمان پر ظلم کیا علی یا تو ہم میں انصاف کرنے سے عاجز ہیں یا جان بوجھ کر نہیں کرتے لہٰذا جو انصاف کرنے سے عاجز ہو یا عمداً کرتا ہی نہ ہو اس سے بیعت کرنا ضرور نہیں ہے. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ معاویہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے کہ یہ کونسا عیب تھا ہم اسے مانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی تھے اور اکثر طلقا بلکہ سارے ہی طلقا مؤلفۃ القلوب تھے مثلاً حارث بن ہشام اور ان کا بھتیجہ عکرمہ بن ابی جہل سہیل بن عمرو صفوان بن امیہ، حکیم بن حزام. ان کی نسبت سب کا اتفاق ہے کہ یہ بہترین مسلمانوں میں سے ہیں. اور مؤلفۃ القلوب میں اکثروں کا اسلام اچھا ہی ہوا ان میں بعض آدمی بیشک ایسے ہیں کہ صبح کو تو دنیا کے لالچ پر مسلمان ہوئے اور شام ہونے نہ پائی تھی کہ اسلام انہیں تمام دُنیا سے زیادہ محبوب ہو گیا. مختلف لڑائیوں کی جو کہانیاں حضرت معاویہ اور حضرت علی کی بیان کی جاتی ہیں اس سے ہم صاف انکار کرتے ہیں. معمولی چھینا جھپٹی یا معمولی مدافعت کو ہم باقاعدہ جنگ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے یہ کہنا کہ مسلمانوں کے نزدیک جبکہ حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ اور امام حق ہیں تو معاویہ باغی اور ظالم ہوئے. اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی تاویل کی وجہ سے باغی کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور کبھی قصداً وہ بغاوت کرتا ہے اور یہ دل میں سمجھتا ہے کہ میں باغی ہوں اور کبھی بغاوت کسی شک شبہ یا خواہش کے باعث سے بھی ہوتی ہے اور اکثر باغی اس قسم کے ہوتے ہیں. ان تینوں صورتوں میں مسلمانوں کے مذہب میں کوئی برائی نہیں نکل سکتی اس لیے کہ مسلمان امیر معاویہ کو یا ایسے شخص کو جو اُن سے بھی افضل ہو گناہوں سے منزہ نہیں سمجھتا چہ جائیکہ اجتہاد میں غلطی ہونے سے

منزہ کہیں بلکہ ان کا تو صاف قول یہ ہے کہ گناہوں کے لئے بہت اسباب مثلاً توبہ، استغفار، حسنات ماحیہ، مصائب، مکفرہ وغیرہ ایسے ہیں جو اُن کی سزا کو بالکل رفع کرتے ہیں اور یہ حکم صحابہ وغیرہ سب کو شامل ہے مسعود بن مخرمہ کی ایک حکایت مشہور اور یہ مسور ہیں جو طبقہ ثانیہ کے صحابہ ہیں بہترین لوگوں میں سے ہیں جب یہ امیر معاویہ کے پاس پہنچے اور تخلیہ میں اُن سے ملاقات کی تو امیر معاویہ نے اُن سے کہا کہ جن خطاؤں کی وجہ سے تم مجھے بُرا کہتے ہو وہ سب میرے روبرو بیان کرو مسور نے نہایت آزادی سے ان کی ساری خطائیں بیان کر دیں امیر معاویہ نے کہا کہ خیر جو خطائیں تم بیان کرتے ہو ممکن ہے کہ یہ سب صحیح ہوں لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم سے بھی گناہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اُنہوں نے کہا ہاں ہوتے ہیں. پھر امیر معاویہ نے کہا کیا تمہیں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن گناہوں کی مغفرت کر دیگا مسور نے کہا ہاں مجھے اُمید ہے پھر معاویہ نے یہ کہا کہ اب بتاؤ کہ تمہیں اللہ کی رحمت کا مجھ سے زیادہ امیدوار کس چیز نے کر دیا میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جب مجھے اللہ کے اور غیر اللہ کے درمیان میں اختیار دیا گیا تو میں نے اللہ ہی کو اختیار کیا. اللہ کی قسم میں نے جہاد کرنے، حدود قائم کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں کبھی دریغ نہیں کی حالانکہ یہ امور تمہارے عمل سے افضل ہیں اور میں اس دین پر ہوں کہ اُس دین والوں کی نیکیاں مقبول ہوتی ہیں اور ان کے گناہوں سے درگزر کی جاتی ہے تو بھی اللہ کی رحمت اور مغفرت کے مجھ سے زیادہ تم امیدوار ہو مسور کہتے ہیں کہ مجھ سے امیر معاویہ کی ان باتوں کا جواب مطلق نہیں دیا گیا اور میں خاموش ہو رہا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصل تو بالکل مستقیم اور اس بارے میں کل جزئیات کو شامل ہے لیکن شیعی علماء کے اقوال میں شرعی تناقض کا ہونا بدیہات سے ہے جسکی تفصیل یہ ہے مثلاً خوارج وغیرہ میں سے وہ نواصب جو حضرت علی کو کافر یا فاسق سمجھتے ہیں یا بعض معتزلہ مروانی خلفاء کے انصاف کرنے میں شک کرتے ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ علی کے مسلمان ہونے امام ہونے اور عادل ہونیکی تمہارے پاس کیا دلیل ہے تو ہماری خیال میں شیعہ اسکی ایک حجت بھی پیش نہ کرسکیں گے کیونکہ اگر وہ یہ حجت پیش کریں کہ اُنکا اسلام اور اُنکی عبادت تواتر سے ثابت ہے تو خوارج یہ جواب

دیں گے کہ صحابہ تابعین خلفاء ثلاثہ، خلفاء بنی امیہ مثلاً امیر معاویہ یزید عبدالملک وغیرہ کا اسلام اور اُنکی عبادت بھی ایسی ہی تواتر سے ثابت ہے حالانکہ تم یعنی شیعہ اُن کے ایمان واسلام میں قدح کرتے ہو لہٰذا علی وغیرہ کے ایمان واسلام میں ہمارا قدح کرنا تمہارے ان حضرات کے ایمان میں قدح کرنے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ بلکہ جن میں تم قدح کرتے ہو وہ اُنسے بدرجہ اولیٰ افضل ہیں جن میں ہم قدح کرتے ہیں.اور اگر شیعہ اس ثناؤ مدح سے حجت کریں جو قرآن شریف میں ہے تو خوارج یہ کہیں گے کہ قرآن شریف کی آیتیں تو عام ہیں جنکا اطلاق جیسا حضرت علی پر ہوتا ہے ایسا ہی صدیق اکبر فاروق اعظم اور عثمان غنی پر بھی ہوتا ہے.حالانکہ شیعوں نے اُن کو اس مدح وثنا سے خارج کر دیا ہے تو بقول خوارج ان کا علی کو خارج کر دینا بہت ہی سہل ہے اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علی کے فضائل حضور انور سے مروی ہیں تو خوارج یہ جواب دینگے کہ ان فضائل کو انہیں صحابہ نے روایت کیا ہے جنھوں نے خلفائے ثلاثہ کے فضائل کو بھی روایت کیا ہے۔ اگر یہ راوی عادل ہیں تو سارے ہی فضائل تسلیم کرنے پڑینگے اور اگر وہ راوی فاسق ہیں تو فاسق کی نسبت تو اللہ یہ فیصلہ کر چکا ہے اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا. گواہوں کی نسبت کسی کو یہ کہنا جائز نہیں کہ اگر وہ میرے موافق گواہی دیں تو عادل ہیں اور اگر میرے خلاف گواہی دیں تو فاسق ہیں.اسی طرح اگر میرے دوست کی گواہی دیں تو عادل ہیں اور اگر میرے دشمن کی گواہی دیں تو فاسق ہیں. باقی رہی حضرت علی کی امامت تو اس میں بھی خوارج اور اُن کے سوا اور لوگ بھی شیعوں سے نزاع کرسکتے ہیں اُن کے جواب میں اگر شیعہ اس نص سے حجت کریں جسکے وہ مدعی ہیں تو اُن لوگوں کا اُن نصوص سے حجت کرنا جن سے وہ ابوبکر صدیق بلکہ حضرت عباس کے لیے امام ہونے کو ثابت کرتے ہیں شیعوں کی حجت کے معارض ہوجائے گا اور کسی محدث کو اسمیں شک کرنیکی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ تسلیم و تصدیق کرنے کے زیادہ لائق ان ہی کی حجت ہے اور اسی وجہ سے اس حجت کی تصدیق پر بہت سی ایسی دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں جنہیں علمائے حدیث کے علاوہ معمولی آدمی بھی جانتے ہوں اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علیؓ سے لوگوں نے بیعت کرلی تھی تو مقابل میں وہ لوگ یہ کہیں گے کہ جتنے آدمی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی بیعت پر جمع ہوئے تھے وہ علی کی بیعت پر جمع ہونے سے

بدرجہا زیادہ تھے اور پھر غضب یہ ہے کہ شیعہ ایسی بیعت میں بھی قدح کرتے ہیں تو اب حضرت علی کی بیعت میں قدح کرنا تو بہت سہل ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت علی کی امامت پر شیعہ نہ نص سے حجت کر سکتے ہیں نہ اجماع سے کیونکہ ان لوگوں کے پاس جو نص واجماع ہے وہ شیعوں کی حجت سے بدرجہا قوی ہے لہٰذا اے شیعو اسکی خلافت کا ثبوت جسکی خلافت میں تم قدح کرتے ہو اسکی خلافت کے ثبوت سے زیادہ ہوگا جسکی خلافت تم ثابت کرتے ہو مسلمانوں پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو سب ہی خلفاء کی خلافت کو ثابت کرتے اور اس پر ایسی نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو اس پر صریح دال ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلافت اہل شوکت کے بیعت کر لینے کی وجہ سے منعقد ہوئی تھی اگر چہ اہل شوکت نے حضرت علی سے بھی بیعت کی تھی مگر آپ پر ایسا اتفاق نہیں ہوا جیسا پہلے خلفاء پر ہو گیا تھا اس میں شک نہیں کہ اہل شوکت کے بیعت کر لینے کے بعد اُن میں قوت اور حکومت ہو گئی تھی اور نص سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کی خلافت نبوت کی خلافت تھی۔ ہاں جو لوگ اُن کی بیعت سے رہ گئے تھے ان کی بیعت نہ کرنیکا عذر ان لوگوں کے عذر سے زیادہ صریح نہیں ہے جو صدیق اکبر کی خلافت سے رہ گئے تھے جیسے سعد بن عبادہ وغیرہ اگر چہ سعد کے سوا اوروں نے اسی وقت بیعت کر لی تھی باقی حضرت علی وغیرہ کے صدیق اکبر بیعت کر لینے میں کسی اختلاف نہیں ہوا۔ ہاں بعض کمزور آوازیں ایسی موجود ہیں جن سے یہ پایا جا ہے کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینہ کے بعد بیعت کی تھی۔ باقی رافضی علماء کا یہ کہنا کہ محمد بن ابی بکر کو حضرت علی سے محبت تھی اور وہ اپنے باپ سے ناراض تھے محض غلط بالکل غلط اور سراپا جھوٹ ہے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ جس وقت حضرت صدیق اکبر کا انتقال ہوا ہے اسوقت محمد بن ابی بکر کی عمر تین برس کی بھی نہ تھی جب یہ صاحبزادے بڑے ہوئے تو اپنے باپ کا نام اُسی تعظیم وتکریم سے ملتے تھے جیسے سعادت مند فرزند لیا کرتے ہیں یہی وجہ تھی کہ انہیں شریف کہتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں انکی عزت بھی تھی کسی مستند روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ محمد بن ابی بکر نے اپنے والا شان باپ کی ذات میں کچھ قدح کی یا اُن کے کسی کام پر کوئی اعتراض کیا۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں رافضی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر اپنے والد سے ناراض تھے۔ اب رہی یہ بات کہ کل مسلمان

امیر معاویہ کو خال المومنین کہتے ہیں اور محمد بن ابی بکر کو نہیں کہتے اس کا سبب رافضی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ محمد بن ابی بکر حضرت علی سے محبت رکھتے تھے اور معاویہ سے بغض اسی جلن کے مارے سنیوں نے انہیں معاویہ کے مقابلہ میں خال المومنین نہیں کہا اس کا جواب یہ ہے کہ خال المومنین کہنے کی جو وجہ رافضیوں نے بیان کی ہے یہ محض غلط اور سراسر دھوکہ ہے کیونکہ اس سبقت کے مستحق امیر معاویہ اور محمد بن ابی بکر دونوں سے عبداللہ بن عمر زیادہ ہیں وہ امیر معاویہ اور حضرت علی کے جھگڑے میں ایک کے بھی ساتھ نہیں ہوئے تو بھی حضرت علی کی بہت تعظیم کرتے تھے اُن سے انہیں بہت محبت تھی. اُن کے فضائل اور مناقب برابر ذکر کیا کرتے تھے ہاں جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ امیر معاویہ کی بیعت پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے تو انہوں نے بھی بیعت کر لی کون نہیں جانتا اور اس سے انکار کرنے کا کسے زہرہ ہے کہ اُن کی بہن امیر معاویہ کی بہن سے اور اُن کے والد امیر معاویہ کے والد سے بدر جہا افضل تھے اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اُن کی تعظیم و توقیر اور محبت معاویہ اور محمد بن ابی بکر دونوں سے زیادہ تھی باوجود اس کے کبھی انہیں خال المومنین کہہ کے نہیں پکارا گیا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس کا یہ سبب نہیں ہے جو رافضی بیان کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اہل سنت والجماعت کو ان لوگوں سے زیادہ محبت ہے جنہوں نے حضرت علی کے مقابلہ میں تلوار نہیں اٹھائی اور اُنہیں کو فضیلت بھی دیتے ہیں جیسے سعد بن ابی وقاص۔ اسامہ بن زید محمد بن سلمہ عبداللہ بن عمر. حضرت علی کی موالا اور محبت کے واجب ہو پر سب اہل سنت متفق ہیں خوارج جو حضرت علی کو کافر و ظالم کہتے ہیں اُن کا دندان شکن جواب ہمیشہ اہل سنت ہی نے دیا ہے۔ اسکے مقابلہ میں رافضی علماء کبھی حضرت علی کی موالا کے واجب ہونے کو ثابت نہیں کر سکتے سُنیوں کا تو یہاں تک اتفاق ہے کہ خوارج سے اگر قوت ہو تو قتال کیا جائے پھر یہ کیونکہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ امیر معاویہ کی تعریف حضرت علی سے بغض ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے اور محمد بن ابی بکر کو اسلئے وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا کہ وہ حضرت علی سے محبت رکھتے تھے. ایک یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ سُنیوں میں نہ کوئی علیؓ سے بغض رکھنے کو طاعت سمجھتا ہے نہ اُسے نیکی قرار دیتا ہے نہ کوئی اُس کے کرنے کو کہتا ہے نہ اُن سے محبت رکھنے کو گناہ قرار دیتا ہے نہ اسے معصیت سمجھتا ہے اور نہ کوئی اس سے کسی کو منع کرتا ہے کہ تم علی سے محبت نہ رکھو.

سنیوں کے تمام فرقوں کی کتابیں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح خوارج کی برائیوں سے جو حضرت علی کو ظالم و کافر کہتے ہیں اُنکی کتابیں لبریز ہیں۔ رافضیوں کا یہ اعتراض کہ معاویہ کاتب وحی نہ تھے یہاں تک کہ انہوں نے ایک لفظ بھی کبھی وحی کا نہیں لکھا اور سنیوں نے انہیں کاتب وحی قرار دیا بالکل بے بنیاد ہے۔ اسکی کوئی حجت اور دلیل دیکھنے میں نہیں آئی کہ امیر معاویہ نے کبھی کوئی لفظ وحی کا نہیں لکھا خالی دعویٰ کر دینے سے کسی بات کا انقطاعی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کہنا کاتب وحی چودہ آدمی تھے اور اُن سب میں حضور انور کے خاص مقرب حضرت علی تھے صریح مبالغہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی بھی کاتب وحی تھے چنانچہ حدیبیہ کے سال مشرکین اور پیغمبر خدا میں صلح ہو جانے پر جو معاہدہ ہوا تھا وہ حضرت علی ہی نے لکھا جس طرح حضرت علی کاتب تھے اسی طرح صدیق اکبر فاروق اعظم اور زید بن ثابت بھی کاتب وحی تھے۔ چنانچہ صحیحین میں آیا ہے کہ جب یہ آیت لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو یہ زید ہی نے لکھی تھی۔ حضور انور کے کاتبوں کے نام یہ ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، ابی بن کعب، ثابت بن قیس، خالد بن سعید بن عاص، حنظلہ بن ربیع، اسدی، زید بن ثابت، معاویہ، شرجیل بن حسنہ۔ پھر رافضیوں کا یہ طعنہ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے پیغمبر ہونے کے زمانہ میں معاویہ مشرک رہا کچھ قابل توجہ نہیں ہے اس میں کسی کو شک نہیں کہ معاویہ اُن کے بھائی اور اُن کے والد حضور انور کی وفات سے تقریباً تین برس پہلے فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبری کے سارے زمانہ میں وہ مشرک تھے حضور انور جب پیغمبر ہوئے ہیں تو معاویہ کی بہت ہی کم عمر تھی معاویہ کا بھائی یزید سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب فتح مکہ کے مسلمانوں میں تھے اور یہ لوگ مسلمان ہونے سے پہلے کفر میں اور حضور انور کی مخالفت کرنے میں معاویہ سے بہت ہی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ غزوہ احد اور غزوہ خندق میں صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان مشرکوں کے لشکر کے افسر تھے اس پر بھی سہیل، صفوان اور عکرمہ کے اچھے مسلمان ہونے میں کسی کو شک نہیں جنگ یرموک میں یہ شہید ہو گئے ان کے مقابلہ میں امیر معاویہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُنھوں نے اپنے زمانہ

شرک میں حضور انور کو کبھی صدمہ پہنچایا ہو نہ ہاتھ سے نہ زبان سے تو اب اس کہنے میں کوئی حجت باقی نہیں رہی کہ جب وہ لوگ جو حضور سے عداوت رکھنے میں معاویہ سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے اچھے مسلمان ہو گئے اور ان میں شمار کیے گئے جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اُن سے محبت رکھتا ہے تو پھر امیر معاویہ کے اچھا مسلمان ہونے میں کیونکر کلام ہوسکتا ہے. معاویہ سیرت کے اعتبار سے اپنی حکومت میں اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں سے ہیں. یہ محض لغو اور مہمل بات ہے کہ اُن لوگوں پر جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے طعن کیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جو حضور انور کے ہمرکاب ہو کے غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں لڑے ہیں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا اور جنگ میں حضور انور کی مدد کرنا اور اپنی تلواروں کو حضور انور کے قدموں پر نثار کرنا ایسا ہے جسکی نظیر نہیں ملتی پھر ان لوگوں کو کافر اور فاسق کیونکر کہہ سکتے ہیں حالانکہ یہ پورے تین سال یعنی ۸ھ، ۹ھ، ۱۰ھ ہجری جسمیں ۱۱ھ کا بھی کچھ حصہ لے لینا چاہیے مومنین ومجاہدین رہ چکے ہیں مکہ معظمہ رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں فتح ہوا اور حضور انور کا وصال باری تعالیٰ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں ہوا حضور انور پر ایمان لانے سے پہلے سب آدمی کافر تھے اور بعض اُن میں حضور انور سے دشمنی رکھنے میں امیر معاویہ سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ مگر مسلمان ہونے کے بعد وہ بہت نیک اور اچھے مسلمان ہو گئے مثلاً ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور انور کا چچازاد بھائی جو مسلمان ہونے سے پہلے حضور انور کی ہجو کرنے اور آپ سے دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ تھا. اسی طرح معاویہ کے والد اور اُن کی ماں کو بھی حضور سے بہت بغض تھا یہاں تک کہ جب وہ مسلمان ہو گئی تو اس نے حضور انور کی خدمت میں یہ عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی قسم کھا کے کہتی ہوں کہ مسلمان ہونے سے پہلے مجھے اس سے زیادہ کوئی بات محبوب نہ تھی کہ سب آدمیوں سے زیادہ آپ کے آدمی ذلیل ہوں اور اب میری یہ کیفیت ہے کہ مجھے آپ کے آدمیوں کے معزز ہونے سے زیادہ روئے زمین پر کسی کا معزز ہونا محبوب نہیں اسے بخاری نے بھی نقل کیا ہے اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے. عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الممتحنہ:۷) یعنی عنقریب اللہ تم میں اور اُن لوگوں

میں جن سے تم نے عداوت کر لی ہے محبت پیدا کر دے گا اور اللہ بڑا قدرت والا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور اور آپ کے دشمنوں یعنی ابوسفیان اور ہندہ وغیرہ میں محبت پیدا کر دی تھی اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنی کو محبت سے بدل دینے پر قادر ہے ان لوگوں نے جب شرک سے توبہ کر لی تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا بلا شک یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے مسلمان ہونے میں کسی کو بھی کچھ شک نہیں۔

امیر معاویہ پر شیعی علماء کا بہت بڑا طعنہ: رافضیوں کا سب سے بڑا فاضل اور سب سے بڑا مجتہد اور سب سے بڑا امام شیخ حلی اپنی کتاب مہناج الکرامہ میں لکھتا ہے کہ فتح مکہ کے دن معاویہ یمن میں تھا اور وہیں سے حضور انور پر طعن و تشنیع کیا کرتا تھا اُسی زمانہ میں اُس نے اپنے باپ صخر بن حرب کو ایک خط لکھا تھا جسکا مضمون یہ تھا کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ تم محمد ﷺ کے دین میں آ گئے۔ حضور انور جب مدینہ میں تشریف لائے ہیں تو اُسکے آٹھویں سال رمضان کے مہینہ میں مکہ فتح ہوا تھا اب بھی معاویہ اپنے شرک پر قائم تھا اور حضور انور کی صورت سے بھاگتا تھا اور چونکہ اسنے ایک خون کر دیا تھا لہٰذا مکہ سے فرار ہونے کی اس کی یہی وجہ ہے مگر جب وہ چاروں طرف سے مجبور ہو گیا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں اسکے پانچ مہینے کے بعد حضور کی وفات ہو گئی۔ اس نے حضرت عباس آپ کے چچا کو اپنا سفارشی بنایا حضور نے اسکی خطا معاف کر دی ان ہی کی سفارش سے حضور نے حکم دے دیا کہ وحی کے کاتبوں میں تو بھی شریک ہو جا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ کاتب وحی تھا تو اتنے تھوڑے زمانہ کے لیے اُسے یہ خطاب دینا سنیوں کی زیادتی ہے باوجودیکہ علامہ زمخشری جو مشائخ حنفیہ میں سے ہے اپنی کتاب ربیع الابرار میں یہ لکھتا ہے کہ معاویہ نے نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا اسکے علاوہ وحی کے کاتبوں میں ایک عبداللہ بن سعد بن سرح بھی ہے جو اسلام سے مرتد ہو کر مشرک ہو گیا تھا اور اُسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل:۱۰۶) لیکن جو دل کھول کر کفر کرے تو اُن پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کے لیے بڑا سخت عذاب ہے۔ پھر بھی شیعہ شیخ حلی لکھ ہے عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں حضور انور کی خدمت میں ایک دن جب حاضر ہوا تو

میں نے سنا آپ یہ فرما رہے تھے کہ اب ذرا سی دیر میں تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا جو میرے طریقہ کے مخالف ہو کر مرے گا اتنے میں معاویہ آیا حضور انور خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو معاویہ اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑ کر اُسی وقت چل دیا اور خطبہ نہ سُنا اسکے جاتے ہی حضور نے فرمایا کہ اس قائد اور مقود (یعنی جو لے گیا ہے اور جسے لے گیا ہے) دونوں پر خدا کی لعنت ہے (پھر وہی شیخ حلی کہتا ہے) اس معاویہ بدکار سے امت کو کونسے دن نفع پہنچا ہے اس نے جناب امیر سے بڑی خون ریز جنگ کی اور بہت سے بہترین صحابہ کو قتل کر دیا منبر پر کھڑے ہو کر اُس نے جناب امیر پر لعنت کی ۱۰۰ھ ہجری تک برابر یہ سلسلہ لعنت کا جاری رہا عمر بن عبدالعزیز نے خیر اس سلسلہ کو بند کیا. حضرت امام حسن کو اسی نے زہر دیا تھا اور اسکے بیٹے یزید نے حضرت حسین کو شہید کیا مستورات کو بے عزت کیا اور لوٹ لیا اور اُس کے باپ ابوسفیان نے حضور انور کے آگے کے دانت توڑ دیئے تھے اور اسکی ماں ہندہ نے حضور کے چچا حمزہ کا کلیجہ کھا لیا تھا. فقط.

جواب: شیخ حلی باوجودیکہ مقدس علماء شیعہ سے ہے مگر بے پَر کی اُڑانے اور سفید جھوٹ بولنے میں اسنے اتنا ملکہ حاصل کر لیا ہے کہ بحار الانوار کا مصنف بھی شرماتا ہے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے کہ فتح مکہ کے دن امیر معاویہ یمن میں تھے لہٰذا وہ مراسلت جو اسنے اپنے باپ کو بھیجی تھی وہ درحقیقت شیخ حلی کی ایجاد کردہ ہے حضور انور کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ابوسفیان مسلمان ہو چکے تھے اُن کے مسلمان ہونے سے پہلے حضرت عباس نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ابوسفیان مسلمان ہونا چاہتے ہیں یہ سنتے ہی حضور نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آ جائے وہ امن میں ہے اور جو مسجد میں آ جائے وہ بھی امن میں ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی امن میں ہے. یہ بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ امیر معاویہ سے حالت شرک میں حضور انور کو یا اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا نہ اُن کے بھائی یزید سے. پھر شیخ حلی کا کہنا کہ معاویہ حضور انور کی وفات سے پانچ مہینہ پہلے مسلمان ہوئے تھے بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ فتح کے سال مشرف با سلام ہوئے اور تماشا دیکھئے کہ ادہر تو شیخ حلی اور اسکے ہم نوا معاویہ کو مولفتہ القلوب کہتے ہیں کہ جب وہ مولفتہ القلوب ہوئے تو مدینہ میں اُن کا مسلمان ہونا کیسا، ساتھ ہی یہ

بات بھی تعجب کی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو تو حضور انور نے جنگ حنین میں قبیلہ ہوازن کی بہت سی غنیمتیں دی تھیں اور اُن غنائم کا حصہ امیر معاویہ کے بھی ہاتھ تھا. پھر بھلا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ حضور کی وفات سے پانچ مہینہ پہلے ایمان لائیں اور حنین کے غنائم کے حصہ دار بنیں۔ اس کے بعد کسی شخص کے قتل کا الزام اور اُس سے امیر معاویہ کا بھاگے بھاگے پھرنا بھی مطلق سمجھ میں نہیں آتا اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ معاویہ نے کسی کو قتل کرڈالا تھا تو یہ واقعہ مسلمان ہونے سے بہت پہلے کا ہوگا فتح مکہ کے سال امیر معاویہ نے کوئی خون نہیں کیا تھا اس پر سب کا اتفاق ہے عروہ بن زبیر زہری، موسیٰ بن عقبہ ابن اسحاق، واقدی سعید بن یحییٰ اموی، محمد بن عائذ، اور ابواسحاق خزاری وغیرہ . کے مغازی اور کتب تفسیر وحدیث سب شیخ حلی کی افتراپردازی کی کھلے الفاظ میں تردید کررہے ہیں. مسلمان ہونے کے بعد جاہلیت کے زمانہ کے سارے گناہ نیست ونابود ہوجاتے ہیں. پھر جاہلیت کے گناہوں پر امیر معاویہ کو ملزم گرداننا اور اُن پر طعن کرنا محض لغو اور بیہودہ بات ہے. اب رہا عبداللہ بن سعد بن سرح یہ بے شک اسلام سے پھر گیا تھا اور حضور انور پر افتراپردازی کیا کرتا تھا مگر بعدازاں پھر مسلمان ہوگیا اور مسلمانوں نے اُسے قبول کرلیا اس پر بھی طعن کرنا انسانیت وشرافت سے بعید ہے. معاویہ کے کاتب الوحی ہونے کے متعلق ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں اسلیے یہاں اسکا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں. باقی شیخ حلی کا یہ کہنا کہ آیت وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے. بالکل غلط ہے کیونکہ یہ آیت تو مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی کہ جب عمار اور بلال پر مشرکوں نے جبر کیا تھا کہ تم اسلام سے پھر جاؤ اور اپنے آبائی مذہب پر آجاؤ عبداللہ بن سعد کا مرتد ہونا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا اور بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ آیت اُسی کے حق میں نازل ہوئی ہے تو بھی یہ بات نہیں بن سکتی کیونکہ حضور انور اسکے اسلام کو قبول فرماچکے اور اس سے بیعت لے چکے تھے دیکھو اللہ تعالیٰ اس موقع پر کیا فرماتا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (آل عمران:۸۷تا۸۹)
یعنی بھلا ایسی قوم کو اللہ راہ راست پر کیوں لانے لگا جو اپنے اسلام لانیکے بعد کافر ہو گئی ہو اور یہ گواہی دے چکی ہو کہ رسول برحق ہیں اور اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں آ چکی ہیں اور اللہ بے انصافوں کو راہ راست پر نہیں لاتا اس گروہ کی یہ سزا ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو وہ ابدالآ تک اسی میں رہیں گے نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت ہی دیجائے گی مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اب شیخ حلی کا حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبد اللہ کی روایت نقل کرنا ایک عجیب وغریب استدلال ہے۔ہم اس پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ روایت قطعی جھوٹ اور محض غلط ہے جنہیں حدیث میں معرفت ہے اور جنھوں نے صحیح اور غیر صحیح کا ایک معیار قائم کر دیا ہے وہ اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں یہ روایت اُن دواوینِ حدیث میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جنکی طرف حدیث کی صحت معلوم کرنے میں رجوع کیا جاتا ہے نہ اسکی اسناد معروف ہیں شیخ حلی نے اس کی اسناد نقل کی اس سے زیادہ جہالت شیخ حلی کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسنے عبد اللہ بن عمر سے کہ جنہیں صحابہ کی برائیاں بیان کرنے سے سخت نفرت تھی بلکہ وہ مناقب بیان کرتے تھے ایسی روایت نقل کی ہے اُن کی عادت مشہور ومعروف ہے کہ وہ صحابہ کے مثالب بیان کرنے سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے اُن کا تو اوڑھنا بچھونا یہی تھا تو صحابہ کہ مناقب بیان کریں خود امیر معاویہ کی تعریف میں ان کے بہت سے اقوال مشہور ومعروف ہیں یہاں تک آپ کا قول موجود ہے کہ حضور انور کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ بردبار میں نے کوئی نہیں دیکھا کسی نے کہا کیا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق بھی بردباری میں ان سے بڑھے ہوئے نہ تھے۔اس کا جواب عبد اللہ بن عمر نے یہ دیا کہ ابوبکر صدیق وعمر فاروق یقیناً ان سے افضل تھے اسکے بعد پھر یہی کہا حضور انور کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ بردبار میں نے کوئی نہیں دیکھا۔خطبہ کے بارے میں جو شیخ حلی نے طعن کیا ہے کہ یہ حضور انور کا خطبہ سنتے ہی اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑ کے اُٹھ کر چلے گئے محض غلط اور بالکل مہمل ہے حضور انور ہر جمعہ کو خطبہ پڑھتے تھے ہر عید کو خطبہ پڑھتے تھے امیر معاویہ مثل اور مسلمانوں کے خطبہ میں حاضر رہتے تھے اور

سنتے تھے امیر معاویہ کی سیرت سے یہ بات ظاہر ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا وہ اپنے ایذا دینے والے سے بردباری کرتے اور اس پر صبر کرتے تھے اپنے دشمن کی حد سے زیادہ دلجوئی کرتے تھے پھر اس طبیعت کا شخص کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ حضور انور سے نفرت کرتا حالانکہ حضور انور دین و دنیا میں خوش اخلاقی کے مراتب میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اور امیر معاویہ اپنے سب کاموں میں حضور انور کے محتاج تھے پھر کون عقل کا دشمن یہ وہم بھی لا سکتا ہے کہ امیر معاویہ حضور کا کلام سننے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اور ایک تماشا کی بات ہے کہ شیخ حلی اپنے جھوٹ بولنے کی رو میں آ گا پیچھا کچھ نہیں دیکھتا اور جو زبان پر آتا ہے اناپ شناپ کہے جاتا ہے جیسے اُسنے لکھا ہے کہ معاویہ اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑ حضور انور کے خطبہ کی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا ایک ایسا مضحکہ انگیز ہے اور ایسی بے وقت کی راگنی ہے جسکی نظیر مشکل سے ملے گی یزید اسوقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا دنیا میں اس کا وجود نہ تھا نہ صرف یزید بلکہ امیر معاویہ کا حضور انور کے زمانہ میں کوئی بیٹا ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ تمام مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یزید حضرت عثمان کی خلافت میں پیدا ہوا حافظ ابوالفضل بن ناصر نے لکھا ہے کہ حضور انور کے زمانہ میں معاویہ نے کئی جگہ شادی کا پیغام دیا مگر کسی نے منظور نہ کیا کیونکہ یہ فقیر آدمی تھے۔ فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں انکی شادی ہوئی اور پھر حضرت عثمان بن عفان کے زمانہ خلافت ۲۷ھ میں یزید پیدا ہوا۔ اور جواب سُنئے! اس حدیث کا اسی قسم کی دوسری حدیث سے معارضہ ہوسکتا ہے جو امیر معاویہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے شیخ ابوالفرح بن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ بعض مدعیان سنت نے رافضیوں کو جلانے کی غرض سے امیر معاویہ کے فضائل میں بہت سے حدیثیں وضع لر کی ہیں جیسا کہ رافضیوں نے تعصب سے امیر معاویہ کی برائی میں حدیثیں وضع کر لی ہیں لیکن دونوں فریق غلطی پر ہیں۔ فقط۔

جس کی جو اصلی حالت ہے وہ کس طرح بھی چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی غلط واقعات خود اپنے غلط ہونے کی شہادت دیتے ہیں مثلاً یزید کا حضور انور کے زمانہ میں موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ کس بے باکی سے امیر معاویہ پر الزام قائم کرنے کے لیے یہ روایت شیخ حلی یا اسکے اور ہم مذاقوں نے گھڑ لی اسی طرح حضرت علیؓ پر امیر معاویہ کو فضیلت دینا یہ بھی ایک لغو اور بیہودہ بات

ہے۔ پھر شیخ علی کا جنگ کے متعلق لکھنا کہ علی اور معاویہ میں خونریز جنگ ہوئی ایک خیالی افسانہ ہے جسکی تشریح آئندہ علیحدہ موقع پر آئے گی۔ اب ہم اُن علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جنہوں نے معاویہ اور علی کی لڑائیوں کو تسلیم کرنے کے بعد اپنی رائے دی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ معاویہ اور علی دونوں مجتہد اور حق پر تھے چنانچہ متکلمین فقہا اور محدثین میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے اُن کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں مجتہد تھے اور دونوں حق پر تھے یہی قول اشعریہ، کرامیہ اور فقہا وغیرہ میں سے اکثر کا ہے اور یہی قول اکثر اصحاب ابی حنیفہ اصحاب شافعی اور اصحاب احمد وغیرہ کا ہے۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں امام حق پر تھے ضرورت کے وقت دو اماموں کا مقرر کر لینا جائز ہے بعض کہتے ہیں دونوں میں سے حق پر ایک ہی تھا لیکن کسی کی تعیین نہیں کہ کونسا حق پر تھا بعض کہتے ہیں حق پر علی تھے اور امیر معاویہ سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تھی جو یقیناً معاف ہو جاتی ہے اہل کلام اور فقہا مذہب اربعہ میں سے بہت سے علماء کا یہی قول ہے اور یہ تینوں قول ابوعبیداللہ ابن حامد نے اصحاب احمد وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حق یہی تھا کہ جنگ نہ ہوتی اس کا نہ کرنا دونوں فریق کے حق میں کرنے سے بہتر تھا مگر امیر معاویہ کی نسبت علی حق پر زیادہ تھے اور یہ جنگ فتنہ فساد کی تھی نہ واجب تھی نہ مستحب یہی قول امام احمد، اکثر محدثین اور اکثر ائمہ فقہا کا ہے اور یہی قول اکابر صحابہ اور تابعین کا ہے عمران بن حصین کا بھی یہی قول ہے یہ منع کرتے تھے کہ اس فتنہ وفساد کے وقت ہتھیاروں کی تجارت جائز نہیں ہے یہی قول اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ، ابن عمر، سعد بن وقاص اور اکثر سابقین اولین وغیرہ کا ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے بڑی آزادی سے ان دونوں کی نسبت رائے قائم کی ہے ان میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ علی نہیں بلکہ معاویہ فاسق تھے۔ یہی خیال بعض معتزلہ کا ہے بعض کہتے ہیں معاویہ کافر تھے جیسا کہ بعض رافضی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ علی اور معاویہ دونوں کافر تھے جیسے کہ خوارج بعض کا قول یہ ہے کہ معاویہ حق پر تھے علی حق پر نہیں تھے جیسے کہ مروانیہ ان مختلف اقوال سے ہر شخص بشرطیکہ کوئی رائے قائم کرنا چاہے کر سکتا ہے۔
جن امور کا جاننا عوام الناس کے لئے ضرور ہے وہ یہ ہیں قتل وقتال کرنا، لعنت کرنا کسی کو کافر کہنا۔ ایسی باتیں تاویل کرنے کی وجہ سے واقع ہو جاتی ہیں بشرطیکہ وہ تاویل نیک نیتی سے کی گئی ہو جیسین

میں اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور انور نے مجھے ایک رسالہ کا سرکردہ بنا کے کسی مہم میں بھیجا امیر ارسالہ علی الصباح قبیلہ وجہینہ کے موضع حرقات میں پہنچا تو مجھے پہلے ایک آدمی ملا میں اُسے بچھاڑ کر اس کی چھاتی پر چڑھ گیا اُسنے فوراً لا الــه الا اللّٰــه پڑھا مگر میں نے اسکے پڑھنے کا کچھ خیال نہ کیا اور اُسے قتل کر دیا مگر اسکے خون کرنے سے میرے دل میں ایک خوف پیدا ہو گیا اس لیے میں نے ساری کیفیت حضور انور سے عرض کر دی حضور انور نے تعجب سے فرمایا ہائیں لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اُسے قتل کر دیا میں نے کہا حضور اُسنے تو کلمہ ڈر کے مارے پڑھ دیا تھا آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا تا کہ تمہیں یقین ہو جاتا کہ اسنے یہ کلمہ خوف سے کہا ہے یا نہیں. آپ یہ بات لگا تار فرماتے رہے یہاں تک کہ میں اپنے دل میں یہ آرزو کرنے لگا کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تو بہتر تھا تا کہ میرا یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے. یہ روایت اپنے موقع پر گزشتہ صفحوں میں بھی کہیں آ چکی ہے۔ صحیحین میں مقداد بن اسود سے مروی ہے آپ کہتے ہیں میں نے حضور انور سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کفار میں کسی سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر مجھ سے بچ کر ایک درخت کی آڑ میں پناہ لے لے اور کہنے لگے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کہنے کے بعد بھی میں اُس کو قتل کر سکتا ہوں یا نہیں حضور نے ارشاد کیا نہیں تم اُسے قتل ہرگز نہ کرو میں نے کہا یا رسول اللہ اسنے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد یہ بات کہی کیا میں اس پر بھی اُسے قتل نہ کروں فرمایا نہیں کیونکہ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ تمہارے اس مرتبہ میں شمار کیا جائے گا۔ جو اس کے قتل کرنے سے پہلے تمہیں حاصل تھا اور تم اسکے اس مرتبہ میں شمار ہو گئے جو قتل ہونے سے پہلے اس کا مرتبہ تھا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے مرتبہ میں ہو کر مسلمان شمار ہوگا۔ اور تم اسکے مرتبہ میں ہو کر دین سے خارج گنے جاؤ گے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض نے ایسے مسلمانوں کو قتل کیا تھا جنکا قتل کرنا درست نہ تھا اور باوجود اسکے حضور انور نے ان کے عوض قاتلوں کو سزا نہیں دی اور نہ مقتول کے قصاص اور دیت کے آپ ضامن ہوئے نہ کفارہ کا حکم دیا اس کی وجہ صاف یہی سمجھ میں آتی ہے کہ قاتلوں نے یہ خون ایک تاویل کے وسیلہ سے کیا تھا. جمہور علماء مثلاً امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد، اور ایک قول کے مطابق امام شافعی فرماتے ہیں کہ اہل عدل اور

باغی جب کسی تاویل کے ذریعہ سے آپس میں جنگ کریں تو آپس میں ہر ایک گروہ ایک دوسرے کے جان و مال کے تاوان کا ذمہ دار نہیں ہونے کا جیسا کہ امام زہری کا قول ہے کہ یہ فتنہ ایسے وقت میں پھیلا تھا کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بکثرت موجود تھے. اور ان سب کا اس پر اجماع و اتفاق ہو گیا تھا کہ جو جان و مال قرآن میں تاویل ہونے کی وجہ سے ضائع ہو تو وہ ھدر ہے. یعنی اس کا قصاص، دیت، تاوان وغیرہ کچھ نہیں اور اُنہوں نے باتفاق اس واقعہ کو بمنزلہ واقعات جاہلیت کے رکھا تھا جسکا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے قاتلوں کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ہم نے حرام فعل کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ چند مسلمانوں نے مالک بن دخشن کی بابت یہ کہا تھا کہ یقیناً یہ منافق ہے حضور انور نے اس سے اُنہیں منع کر دیا کہ تم اُسے منافق نہ کہو اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ صحابہ میں ایک دوسرے کو محض کسی تاویل کی وجہ سے منافق کہہ دیا کرتے تھے اور اس کے کہنے کی وجہ سے حضور انور ان میں سے کسی پر کفر کا حکم نہیں لگاتے تھے. صحیحین میں ہے کہ ایک صحابی نے عبداللہ خمار صحابی پر بکثرت شراب پینے کی وجہ سے لعنت کی تھی حضور انور نے اُسے منع کیا کہ اس پر لعنت مت کرو کیونکہ اُسے اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت تھی اور لعنت کرنے والے صحابی کو بھی آپ نے کچھ سزا نہ دی کیونکہ اُسنے تاویل سے ایسا کہا تھا اور تاویل کرنے والے کی خطا معاف ہو جاتی ہے۔ کتاب سنت سے ثابت ہے چنانچہ مسلمانوں کی دعائیں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرہ:۲۰۶) یعنی اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی سے کچھ کرلیں تو اس پر تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان یعنی اللہ میری امت کی بھول چوک سے درگزر فرماتا ہے. اس بیان کے بعد ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شیعی علماء کے اقوال کس قدر متناقص ہوتے ہیں مثلاً وہ سب سے زیادہ بُرائی اُس شخص کی کرتے ہیں جو حضرت علی سے لڑا ہواسکے مقابلہ میں حضرت عثمان کے قاتلوں کی تعریف کرتے ہیں یہ عجیب تماشہ ہے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کی بُرائی اور خطا حضرت علی سے لڑائی کرنے والوں کی بُرائی اور خطا سے بدرجہا زیادہ ہونی چاہیے

کیونکہ عثمان وہ خلیفہ تھے کہ اُن پر سب مسلمانوں کا اتفاق اور اجماع ہو گیا تھا اس پر بھی وہ اپنے گرفتار ہونے پر کسی مسلمان سے نہیں لڑے حالانکہ بعض مسلمان اُن سے لڑنے پر آمادہ تھے تا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ کا عذر اپنی خلافت پر قائم رہنے میں بہت محکم تھا برخلاف حضرت علی کے عذر سے وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرانا چاہتے تھے عثمان کے صبر کو دیکھو کہ انہوں نے اپنی جان بچانے کی ذرا کوشش نہ کی اور مظلومی کی حالت میں شہید ہو گئے. جبکہ علاوہ ان کے جنگجو غلاموں کے صحابہ کی ایک کثیر تعداد شمشیر بکف اُن کی مدد کرنے کے لیے تیار تھی اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُنہوں نے صاف انکار کر دیا اور شہید ہو گئے. اسکے مقابلہ میں حضرت علیؓ نے جیسا کہ شیعی علماء کا اعتقاد ہے امیر معاویہ کے لشکر سے خود ہی جنگ کی ٹھرادی حالانکہ وہ لڑنا نہیں چاہتے تھے صرف حضرت علی کی بیعت سے رُکے ہوئے تھے. اب اگر ایسے لوگوں سے جنگ کرنا جائز ہو جنہوں نے فقط ایسے امام سے بیعت نہ کی ہو جسکی بیعت صرف چند مصری باغیوں تک محدود ہو تو ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ جو لوگ ایسے امام سے لڑے ہوں بلکہ اُسے شہید بھی کر دیا ہو جسکی بیعت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہو تو اُسکے مقابلے میں سے لڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے. اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت علی کے لشکر میں مظلوم عثمان کے قاتل بہت سے تھے مگر کیا تو حضرت علی میں یہ قوت نہ تھی کہ وہ اُنہیں اپنے لشکر سے علیحدہ کر دیتے یا اُن کی دلی خواہش ہی نہ تھی کہ وہ مظلوم عثمان کے خون کا بدلہ لیتے اگر کوئی یہ کہے کہ عثمان نے بہت سے ناسزاوار امور کئے تھے اس سبب سے حضرت علی نے اُن کے قاتلوں کی ڈھیلی ڈوری چھوڑ رکھی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم اُن ناسزاوار امور کو تسلیم ہی کر لیں تو بھی ان سے یہ نہیں پایا جاتا کہ عثمان کو اسکی وجہ سے خلافت سے معزول کر دینا جائز اور مباح ہو گیا ہے اگر اُن کے قتل کو مباح اور جائز قرار دیا جائے گا تو پھر حضرت علی پر لوگوں کا ناراض ہو کر بیعت نہ کرنا بدرجہ اولیٰ مباح ہوگا۔ جو الزام حضرت عثمان پر لگائے گئے تھے ویسے ہی الزاموں سے حضرت علی بھی اپنا پہلو نہیں بچا سکتے ہزاروں آدمی اُنہیں علی الاعلان ظالم اور غیر منصف کہتے تھے اور سب یک زبان ہو کر یہ گویا تھے کہ حضرت علی نے امیر معاویہ کے معزول کرنے میں بے فائدہ جلدی کی اُنہیں اتنی جلدی معزول نہ کرنا چاہیے تھا. حضور انور نے امیر معاویہ

کے والد ابوسفیان کو خود نجران کا عامل مقرر کیا وہ ایک عرصہ دراز تک گورنری کرتے رہے اور حضور انور کے وصال کے بعد بھی آپ اُسی عہدہ پر مامور رہے ابوسفیان کے علاوہ بنی امیہ کے بہت سے آدمی حضور انور نے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کئے تھے مثلاً مکہ معظمہ کا گورنر عتاب بن اسید بن ابی الاص بن امیہ تھا۔ اسی طرح خالد بن سعید بن عاث اور آبان بن عاص کو دیگر صوبہ جات کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ صحیح میں حضور نے فرمایا لا تزال طائفہ من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خالفھم ولا من خذلھم یعنی میری امت میں سے ایک فرقہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ انہیں کسی کا مخالف ہونا یا کسی کا اُن سے ترک تعلق کرنا ضرر نہ دے گا۔ فقط

مالک بن نخامر کہتے ہیں میں نے معاذ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ شام میں ہیں اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ فرقہ سے مطلب امیر معاویہ کا لشکر تھا۔ پھر صحیح مسلم میں حضور سے مروی ہے لا یزال اھل الغرب ظاھرین حتی تقوم الساعۃ یعنی قیامت قائم ہونے تک اہل غرب برابر غالب رہیں گے۔ امام احمد کا قول ہے کہ اہل غرب سے مراد اہل شام ہیں اور اس نص سے امیر معاویہ کا لشکر مراد ہے اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علی نے عہدے دئے تھے یا مختلف صوبوں پر گورنر مامور کئے تھے اُن میں اکثر سے امیر معاویہ بدرجہا بہتر تھے حضرت علی کو یہ استحقاق کب حاصل ہوسکتا تھا کہ امیر معاویہ کو تو معزول کر دیں اور اُن کی جگہ ایسے شخص کو تجویز کریں جو سیاست میں اُن سے بہت ہی کم درجہ ہو اس لیے کہ یہ عہدہ حضرت علی نے زیاد بن ابیہ کو دینا چاہا تھا مگر صحابہ کا ایک جم غفیر یہ کہتا تھا کہ نہیں، حضرت معاویہ ہی کو اس عہدہ پر مامور رہنے دو زیادہ قابلیت اور جہانداری میں اُن کے آگے کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ ہاں! حضرت علی کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ وہ امیر معاویہ کی جگہ زیاد کو مقرر کرنے میں مجتہد تھے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان بھی اپنے کاموں میں مجتہد تھے اُن پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے. عجب تماشا ہے کہ ایک قابل گورنر تو معزول کیا جاتا ہے اور اُسکی جگہ ایک کم درجہ کے شخص کو پیش کیا جاتا ہے اور وہ پیش کرنا تلوار کے ساتھ ہے. صرف زیاد کے مقرر کرنے کے لئے تلوار چلائی جاتی ہے جہاد کیا جاتا ہے اور ہمارے شیعی علماء کے خیال کے مطابق ایسی خونریزی جائز سمجھی گئی جن سے سارے مسلمان

ذلیل وخوار ہو کر دیگر مخالف بادشاہوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو گئے مخالف مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر بغلیں بجانے لگے اور اس بات کے لئے تیار ہو گئے کہ مسلمانوں کو بس پیس دیا جائے وہ نیم مردہ ہو گئے ہیں اور ان میں کوئی سکت باقی نہیں رہا شیعی علماء معاویہ پر جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بہترین صحابہ کو قتل کر ڈالا تھا یہ اعتراض بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کوئی تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دیتی کہ معاویہ کی تلوار ایک صحابی کی گردن پر بھی چلی ہو۔ رہا میدان جنگ میں (بشرطیکہ جنگ کا ہونا قبول کر لیا جائے) ایک دوسرے کے مقابلہ میں کٹ جانا جس طرح اس سے امیر معاویہ پر الزام آتا ہے حضرت علی بھی نہیں بچ سکتے دونوں طرف اشتعال دینے والے لوگ موجود تھے جنہوں نے لڑائیوں کی ایسی صورت پیدا کر دی جس صورت کو ہم بدوی چھین جھپٹ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ہم باقاعدہ جنگ اور خونریزی کے قائل نہیں ہیں مگر ہاں جنگ پریشان یعنی بدوی جنگ کو مانتے ہیں جو بعض اوقات طرفین کے لشکروں کے دستوں میں ہو گئی۔ یہ ہمارا ہی خیال نہیں ہے بلکہ زہری جیسا زبردست (شیعہ) بھی اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیاں جاہلیت کی لڑائیاں شمار کی گئی ہیں جن پر باقاعدہ جنگ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اب رہا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ امیر معاویہ کے لشکری حضرت علی پر لعنت بھیجتے تھے تواتر سے ثابت نہیں ہوتا اور اگر ثابت ہو جائے تو مقابل لشکروں کا ایک دوسرے کے خلاف کہنا یا ایک دوسرے پر بددعا کرنا یہ خلاف فطرت نہیں جس طرح امیر معاویہ کے لشکری حضرت علی کے لشکریوں کے لیے بددعا کرتے تھے اسی طرح حضرت علی کے لشکری بھی امیر معاویہ کے لشکریوں کے لئے برابر بددعا کرتے رہتے تھے۔ یاد رکھو کہ ہاتھ سے قتل کرنا زبان کی لعنت کرنے کی نسبت بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہ سب امور خواہ گناہوں یا اجتہادی ہوں اور پھر اجتہادی بھی خواہ حق ہو یا غلط ہو سب برابر ہے کیونکہ اللہ کی رحمت اور مغفرت توبہ اور حسنات وغیرہ کے ذریعہ سے ان سب گناہوں یا کمزوریوں کو مٹا دیتی ہے۔ تماشا در، تماشا دیکھئے! کہ شیعی اصحاب حضرت علی کو بُرا کہنے پر تو اعتراض کرتے ہیں اور خود صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی کو علی الاعلان بُرا کہتے ہیں یہاں تک کہ ان کا درجہ کفر تک پہنچانے میں بھی دریغ نہیں کرتے حتیٰ کہ جو شخص ان سے محبت رکھے اُسے بھی گالیاں دیتے ہیں یہ بات بھی سمجھنے

کی ہے کہ امیر معاویہ اور اُن کے اصحاب حضرت علی کو کافر نہیں کہتے تھے. خوارج جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں امیر معاویہ اُن کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اب شیعی اصحاب خوارج سے اپنا مقابلہ کر کے دیکھیں کہ اگر خوارج کو منع کریں کہ تم حضرت علی کو کافر نہ کہو تو انہیں اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے کہ صدیق اکبر فاروق اعظم، عثمان غنی کو کیوں بُرا کہتے ہیں. صحابہ میں سے تو کسی کو بُرا کہنا جائز نہیں ہے نہ حضرت علی کو نہ حضرت عثمان کو نہ اور نہ حضرت معاویہ کو، اور نہ کسی کو جو شخص خلفائے ثلاثہ کو گالیاں دے وہ اُس سے یقیناً بدتر ہے جو تنہا حضرت علی کو گالیاں دیتا ہے. کیونکہ ان تینوں کو گالیاں دینے والے کا گناہ صرف ایک اکیلے کو گالیاں دینے والے سے بدر جہا بڑھا ہوا ہوگا ان تینوں کو بُرا کہنے کے جواز کی تاویل بھی اُسکی تاویل سے بالکل ردی ہوگی اور ان تینوں کو تاویل سے گالیاں دینے والا گنہگار نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی کو تاویل سے گالیاں دینے والا کب گناہ گار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شیعوں کی گناہ گاری جو خلفائے ثلاثہ کو گالیاں دیتے ہیں ان ناصبیوں سے بدر جہا بڑھی ہوئی ہے جو صرف اکیلے حضرت علی کو گالیاں دیتے ہیں. حضور انور نے فرمایا ہے لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احدذھبا ما بلغ مداحدھم ولا نصیفہ یعنی میرے اصحاب کو گالیاں نہ دیا کرو قسم ہے اُس اللہ کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ اُن کے ایک مُد وسات چھٹانک جو کے بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ معاویہ نے امام حسن کو زہر دے دیا تھا محض غلط اور لغو ہے ممکن ہے کہ بعض کا یہ خیال ہو مگر کسی شرعی دلیل یا معتبر اقرار یا یقینی نقل سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ایسے امر کا یقینی حال معلوم ہونا ممکن نہیں ہے لہٰذا ایسی وہمی بات کا قائل ہو جانا جہل کی دلیل ہے خود اپنے زمانہ پر غور کرو اور دیکھو کہ جس شہر میں تم رہتے ہو اُس میں روزمرہ بہت سے وقوعے اور حادثے ہوتے رہتے ہیں مگر ہر واقعہ اور حادثہ کے متعلق ایسی مختلف روائتیں اڑتی ہیں کہ کبھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہو سکتا روایتوں کا اُتار چڑھاؤ خیالی اُمور پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ اُن لوگوں کی روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا ہے تو پھر بالغ نظر کیونکر اس بات کا اعتراف کر سکتا ہے کہ حضرت امام حسن کی زہر خوارنی کی روایت کا منہ

بالکل امیر معاویہ کی طرف کر دیا جائے حضرت امام حسن کے زہر کے متعلق مختلف روایتیں ہیں بعض کہتے ہیں اُن کی بیوی نے زہر دیا تھا اور اس عورت کے زہر دینے میں کوئی غرض مخفی تھی اور وہ غرض تھی اور وہ غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام حسن بہت کثرت سے طلاقیں دیا کرتے تھے بعض کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے باپ اشعث بن قیس نے اس عورت سے کہہ کے زہر دلوایا تھا کیونکہ در پردہ اس پر یہ تہمت لگائی جاتی تھی یہ حضرت علی اور آپ کے صاحبزادے حسن سے منحرف ہے. شیعی علماء اس پر جھکے ہوئے ہیں کہ معاویہ نے اس عورت کو اغوا کر کے امام حسن کو زہر دلوایا تھا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے کہ حضرت امام حسن کا انتقال مدینہ میں ہوا ہے حضرت معاویہ اس وقت شام میں تھے. یہ محض گمان ہی گمان ہے کہ حضرت معاویہ شام سے چند آدمی اس عورت کے پاس بھیجیں اور اُسے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو اپنے شوہر کو قتل ڈال ایسا وہم وگمان شریعت میں کسی کو ملزم گردانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں. ایاکم والظن فان الظن الکذب الحدیث یعنی تم خواہ مخواہ گمان مت کیا کرو کیونکہ گمان بالکل جھوٹی بات ہوتی ہے. تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت میں ایسے گمان پر کبھی حکم نہیں کیا جاتا نہ اس پر ظاہر کوئی امر مرتب ہوتا ہے نہ اس سے مدح ہوسکتی ہے نہ ذم۔ اگر اس زہر خورانی کا محرک اشعث بن قیس کو قرار دیں تو سمجھ میں نہیں آتا اسکا انتقال ۴۰ یا ۴۱ ھ ہجری میں ہوا اسی وجہ سے اس کا اس صلح میں کچھ ذکر نہیں ہے جو امیر معاویہ اور امام حسن میں اس سال ہوئی تھی جس کا نام عام الجماعت ہے یہ اشعث امام حسن کا سُسر تھا یہ اگر موجود ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ صحیح روایت ہے یہ ہے کہ امام حسن سے تقریباً دس برس پہلے مر چکا تھا پھر یہ کتنا مضحکہ خیز امر ہے کہ اسنے امام حسن کو زہر دینے کے لیے اپنی بیٹی کو تحریک کی ہو پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ معاویہ کے باپ نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید کر دئے تھے اور اس کی ماں نے حضور انور کے چچا امیر حمزہ کا کلیجہ کھایا تھا. اس میں شک نہیں کہ جنگ اُحد میں ابوسفیان بن حرب مشرکوں کا سرگروہ اور اُن کی فوج کا افسر تھا اُسی جنگ میں حضور انور کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے مگر کوئی صحیح روایت اب تک ایسی نہیں ملی جس سے یہ پتہ چلے کہ دندان مبارک ابوسفیان کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہ شیعی علماء کی خیال آفرینی اور بے دلیل حجت ہے۔

عام قول یہ ہے کہ یہ کاروائی عتبہ بن ابی وقاص کی تھی اُسی نے پتھر مارا تھا اور اُسی سے حضور انور کے دانت شہید ہو گئے تھے اب رہی ہندہ، امیر معاویہ کی ماں اسنے امیر حمزہ کا کلیجہ بے شک لے کے چبایا اُسے نگل نہ سکی اور اُسے اٹھا کر زمین پر پھینک دیا یہ واقعہ یا واقعات ان سب مسلمان ہونے سے پہلے کے ہیں جب یہ مسلمان ہو گئے تو ان کا اسلام بہت اچھا رہا یہاں تک کہ حضور انور اس ہندہ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے. اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتا ہے اللہ تعالی اس بات کی خود شہادت دیتا ہے قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ یعنی اے نبی تم ان کافروں سے کہدو کہ اگر یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ اُن کے لیے بخش دیا جائے گا. صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن بن شماسۃ المھری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم عمرو بن العاص کے ہاں گئے وہ اُس وقت جانکنی کی حالت میں تھے اور رو رہے تھے دیوار کی طرف ان کا منہ تھا ان کے بیٹے نے کہا ابا جان تم کیوں رو رہے ہو کیا حضور انور رسول اللہ ﷺ نے تمہیں فلاں بشارت نہیں دی یا فلاں خوشخبری نہیں سنائی یہ سنتے ہی اُنہوں نے اسی جانکنی کی حالت میں کروٹ بدلی اور بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا بیٹا ہم ان خوشخبریوں سے بھی افضل اس شہادت کو گنتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اسکے سچے رسول ہیں. دیکھو میری تین حالتیں گزریں. ایک تو میری وہ حالت تھی کہ میں اپنے سے زیادہ حضور انور کا کسی کو جانی دشمن نہیں پاتا تھا مجھے سب سے زیادہ یہی بات بھاتی تھی کہ اگر میرا بس چلے تو میں رسول اللہ کی گردن اُتار لوں اگر میں اسی حالت میں مر جاتا تو بلاشک دوزخیوں میں سے شمار ہوتا جب اللہ تعالی نے میرے دل میں ایمان ڈال دیا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور اپنا سیدھا ہاتھ بڑھا میں میں آپ سے بیعت ہوتا ہوں. جس وقت آپ نے ہاتھ بڑھایا میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا اس پر آپ نے فرمایا کہ عمرو تمہیں کیا ہو گیا ہاتھ بڑھایا کیوں اور پھر کھینچ کیوں لیا. میں نے عرض کیا حضور کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کیا میں نے عرض کیا میرے مسلمان ہونے سے میری مغفرت ہو جائے گی آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے سارے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

خالد بن ولید کے بعض مطاعن: شیعی علماء کہتے ہیں کہ سُنیوں نے امیر المومنین علی سے عناد رکھنے کے باعث خالد بن ولید کا نام سیف اللہ (اللہ کی تلوار) رکھ لیا حالانکہ اس نام کے سب سے زیادہ مستحق جناب علی ہی ہیں اس لیے کہ آپ نے اپنی تلوار سے تمام کفار کو قتل کیا اور انہیں کے سبب سے دین کی بنیادیں قائم ہو گئیں اُن ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ **علی سیف اللہ وسہم اللہ** یعنی علی اللہ کی تلوار اور اللہ کا تیر ہے اور حضرت علی نے منبر پر کھڑے ہو کے سب کے آگے خود بھی فرمایا تھا کہ میں اللہ کے دشمنوں پر اللہ کی تلوار ہوں اور اُسکے اولیا کے حق میں رحمت ہوں۔ اسکے علاوہ یہ خالد ہمیشہ رسول اللہ کا دشمن رہا آپ کی تکذیب کرتا رہا جنگ اُحد میں مسلمانوں کو قتل کرانے رسول اللہ کے دندان مبارک شہید کرانے اور آپ کے چچا امیر حمزہ کو قتل کرانے کا بھی یہ باعث تھا جب اس نے اسلام ظاہر کیا تو رسول اللہ نے اُسے قبیلہ بنی خزیمہ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ ان سے صدقات وصول کر لائے وہاں اسنے بڑی بھاری خیانت کی رسول اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا جب رسول اللہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ منبر پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اس قدر اونچے کئے کہ دونوں بغلوں کی سپیدی لوگوں کو نظر آنے لگی اور آپ نے اس طرح دعا کی **اللّٰھم انی ابرالیک مما منع خالد** یعنی اے اللہ جو کارروائی خالد نے کی ہے میں اس سے تیری درگاہ میں اپنی بریت چاہتا ہوں اسکے بعد آپ نے خالد کی زیادتیوں کی تلافی کرنے کے لیے امیر المومنین علی کو اس قبیلہ کو راضی کرنے کے لئے بھیجا۔

جواب: خالد کا نام سیف اللہ ہونا خالد سے خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ اللہ کی اُن تلواروں میں سے جو اُسنے مشرکین وغیرہ پر سوتی تھیں ایک تلوار خالد بھی ہے حدیث میں حضور انور سے اسی طرح مروی ہے سب سے پہلے خالد کا یہ نام حضور ہی نے رکھا تھا چنانچہ صحیح بخاری میں ابوایوب سختانی سے مروی ہے وہ حمید بن احلال سے اور وہ مالک بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ زید، جعفر، اور ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر آنے سے پہلے حضور انور نے فرمایا کہ پہلے جھنڈا زید نے لیا وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے پھر ابن رواحہ نے لیا تو وہ بھی شہید ہو گئے اب وہ جھنڈا اللہ کی

تلواروں میں سے ایک تلوار (یعنی خالد نے) پکڑا ہے اس پر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دے دی. اس وقت حضور انور کی چشمان مبارک سے آنسوؤں کے قطرے بہہ رہے تھے. اس سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی کہ کوئی خاص شخص سیف اللہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی تلواریں بہت سی ہیں ان میں سے ایک تلوار خالد بھی ہے. اس میں کسی کو بھی کلام نہیں کہ خالد بہت بڑا صف شکن تھا اور بے دھڑک دلیری میں اس کا نظیر بہت کم نکلے گا وہ اکثر بڑی بڑی خونریز جنگوں میں فتح نصیب رہا مخالف اسکے نام سے کانپتے تھے اور بڑے بڑے جنگجوؤں کے کلیجے اسکے سامنے آنے سے تھرآتے تھے مکہ فتح ہونے سے پہلے اور غزوہ حدیبیہ کے بعد خالد، عمرو بن العاص اور شیبہ بن عثمان وغیرہ مسلمان ہو گئے تھے. خالد کے مسلمان ہوتے ہی حضور نے انہیں مختلف جہادوں میں فوج کا سرگروہ بنانا شروع کر دیا یہ جنگ موتہ میں بھی گئے تھے جسکے بارے میں حضور نے فوج کو مخاطب کر کے یہ فرمایا تھا کہ تمہارا افسر زید ہے اگر وہ شہید کر دیا جائے تو پھر جعفر ہے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ ہے یہ جنگ فتح مکہ سے پہلے ہوئی اسلئے یہ لوگ فتح مکہ میں حاضر نہیں ہوئے کیونکہ اس سے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے ان تینوں سرداروں کے شہید ہونے کے بعد فوج بغیر افسر تھی خالد نے جھنڈا لے لیا اللہ نے اسی کے ہاتھ پر فتح دی اس جنگ میں خالد کے ہاتھ نو تلواریں ٹوٹیں اخیر میں صرف ایک ٹکڑا یمنی تلوار کا رہ گیا تھا. اس واقعہ کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے. اسکے علاوہ حضور انور نے فتح مکہ کے دن خالد کو افسر فوج بنایا اور عزیٰ بت کے توڑنے کو بھی انہیں کو مامور کیا تھا علاوہ بنی خزیمہ کے اور قبائل پر بھی آپ نے خالد کو سرکردہ بنا کر بھیجا تھا محض بشریت کے لحاظ سے اگر خالد سے کوئی غلطی ہو گئی اور حضور انور اس پر ناراض ہوئے یا اس غلطی کی باز پرس کی تو کونسا غضب برپا ہو گیا جیسا کہ بنی خزیمہ کا واقعہ ہو گیا تھا جسکو شیعی علماء بڑی رنگ آمیزی کر کے نقل کرتے ہیں یہ ہے صحیح بات اس حرکت سے حضور انور نے ضرور اپنی برأت ظاہر کی تھی مگر خالد کی اس کمزوری کے اظہار کے بعد بھی حضور نے معزول نہیں کیا بلکہ بدستور سابق اُسے اسی عہدہ پر رکھا پھر صدیق اکبر نے خالد کو مرتدوں کی جنگ میں فوج کا سرکردہ بنا کے بھیجا فتح عراق اور شام میں بھی یہی افسر تھے یہ ایسے مشہور واقعات ہیں کہ اُن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ان کی بہادری اور فتح مندی مسلم ہے اب اس میں ذرا

شک نہیں رہا کہ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے جو اللہ نے مشرکین پر سوت رکھی تھیں. باقی شیعی علماء یہ کہنا کہ جناب امیر یعنی حضرت علی امیر المومنین سیف اللہ کے لقب کے سب سے زیادہ مستحق ہیں. اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا مخالف کون ہوسکتا ہے. کون کہتا ہے کہ حضرت علی سیف اللہ نہیں تھے اور حضور انور کا وہ ارشاد جو صحیح میں ثابت ہوا ہے اس پر صاف دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی تلواریں متعدد ہیں اور بلا شک وشبہ حضرت علی ان سب میں سے بڑی تلوار ہیں. کوئی مسلمان خالد کو علی پر فضیلت نہیں دے سکتا پر یہ اعتراض کیونکر ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں یعنی سنیوں نے سیف اللہ کا لقب خالد ہے کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ خالد کا یہ نام تو خود حضور نے ہی رکھا ہے جسکا ذکر کر ہم پہلے کر چکے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کا مرتبہ اور ان کی شان سیف اللہ کے لقب سے بہت ارفع واعلی ہے یہ اُن کی جناب میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہوگی کہ اُن کی فضیلت کا انحصار سیف اللہ کے لقب پر ہی کر دیا جائے. ہم حضرت علی کے علم. دین وایمان اور سابقیت کو وقعت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور یہی صفتیں آپ کے علو مرتبت کی شہادت دیتی ہیں سیف اللہ فقط جنگ کے وقت کام آتی ہے اگر اسے حضرت علی کی فضیلتوں میں سے قرار دیا جائے تو منجملہ اور بہت سی فضیلتوں کے ایک یہ بھی فضیلت ہے. اب رہے خالد اُنہیں امتیاز دینے والی فضیلت صرف تلوار ہی ہے نہ اُن میں سابقیت ہے نہ کثرت علم اور نہ حضرت علی کے مرتبہ کا زہد ہاں جہاد میں وہ بے شک اول رہتے تھے اسی لیے حضور انور نے اُنہیں سیف من سیوف اللہ سے نامزد کیا ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ جناب امیر نے اپنی تلوار سے بہت سے مشرک قتل کئے تھے اسکے ماننے میں ہمیں تامل ہے. ہاں ملا باقر مجلسی کی کہانیاں اور قہوہ خانوں کی گپوں کو اگر ہم تسلیم کرلیں تو بے شک اس مان لینے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا مگر معتبر روایتیں اس بات کی شہادت نہیں دیتیں کہ مشکروں اور ظالموں کے قتل کرنے میں حضرت علی اور صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے صرف چند ایسے ظالم یا مشرک ہیں. جو حضرت علی کی تلوار کے گھاٹ اُترے ہیں باقی صفر ہے ہاں وہ صحابہ جو جنگ کرنے میں مشہور تھے. مثلاً عمر، زبیر، حمزہ، مقداد، ابوطلحہ، براء بن مالک وغیرہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے. جس نے اپنی تلواروں سے ظالم مشرکوں کے پرے کے پرے نہ کاٹ دئے ہوں. براء بن مالک نے بلا کسی کی شرکت اور مدد کے

بڑے جری اور دلیر سو مشرکوں کو میدان جنگ میں قتل کیا تھا ایسی نظیر حضرت علی میں ایک بھی نہیں پائی جاتی ایک بار حضور انور نے ان کی نسبت یہ فرماتا تھا صوت ابی طلحة فی الجیش خیر من فئة یعنی لشکر میں اکیلے ابوطلحہ کی آواز ایک فوج (کی قوت) سے بہتر (اور بڑھ کے) ہے پھر آپ نے یہ فرمایا ان لکل نبی حواری وان حواری الزبیر یعنی ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں. یہ دونوں حدیثیں صحیح میں ہیں. مغازی میں لکھا ہے کہ جنگ احد کے دن جب حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ سے یہ کہا کہ اس تلوار کو دھوڈ والو اس میں کوئی بُرائی نہیں ہی یہ بہت اچھی تلوار ہے اس کے جواب میں حضور انور نے یہ فرمایا کہ اگر تم نے کوئی اچھا کام کیا ہے تو اس میں تمہاری خصوصیت ہی کیا ہے فلاں اور فلاں نے بھی بہت اچھا کام کیا ہے. پھر براء ابن مالک کے بارے میں آپ نے فرمایا ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ منهم البراء بن مالک اللہ کے بندوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کسی کام پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے منجملہ اُن میں ایک براء بن مالک بھی ہیں. لڑائیوں میں لوگ براء سے کہا کرتے تھے کہ اے براء فتح کے لیے قسم کھالو عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ جہاں اُنہوں نے قسم کھائی اور تلوار لے کے مشرکوں پر دوڑے فوراً مسلمانوں کو فتح ہوگئی. اخیر لڑائی میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کی تھی اے میرے پروردگار میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ ان مشرکوں پر ہمیں فتح دے انہیں ہمارے قبضہ میں کر دے اور مجھے اوّل درجہ کا مرتبہ شہادت عطا کردے یہ بالکل جوں کا توں ہوا اُن کی دعا بارگاہ صمدی میں قبول ہوئی وہ شہید ہوگئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی اس پر بھی ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی براء ابن مالک سے ان فضیلتوں اور صفتوں کے ہونے پر بھی افضل ہیں پھر بھلا وہ خالد سے افضل کیوں نہ ہوں گے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا حضور انور نے حضرت علی کو سیف اللہ اور سہم اللہ فرمایا ہے محض غلط اور بالکل لغو ہے حدیث کی کتابوں میں سے کسی میں بھی یہ نہیں لکھا نہ اسکی کوئی معروف سند ہے اور اگر اسے تسلیم بھی کرلیں تو یہ بہت ہی لچر و پوچ بات ہوگی کیونکہ اس سے حصر لازم آتا ہے اور سیف اللہ یا سہم اللہ کا انحصار حضرت علیؓ ہی کی اکیلی ذات پر کسی طرح نہیں ہوسکتا.

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے منبر پر کھڑے ہوکے یہ فرمایا تھا کہ میں اللہ کے

دشمنوں پر اللہ کی تلوار ہوں اور اولیاء اللہ کے لئے اسکی رحمت ہوں محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے اسکی کوئی سند نہیں. نہ کہیں سے اسکی صحت کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے حضرت علی نے ایسا فرمایا ہو مگر یہ وصف علی اور ان کے ہم عصروں میں ایک قدر مشترک ہے. جس کی نسبت خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ یعنی کفار پر تشدد کرنے والے اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں اور فرمایا اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ یعنی مسلمانوں کے ساتھ عاجزی سے پیش آنے والے اور کفار کے ساتھ دباؤ اور دبدبہ سے پیش آنے والے ہیں۔ مہاجرین مجاہدین میں سے ہر شخص اللہ کے دشمنوں کے حق میں اللہ کی تلوار تھا اور اولیا اللہ کے حق میں اللہ کی رحمت تھا. حضرت علی ایسے نہیں تھے کہ ایسا خطرناک خیال اور قصد کر لیتے کہ میں ہی اکیلا اللہ کی تلوار ہوں اور اولیاء اللہ کے لیے میں ہی اکیلا رحمت ہوں. حضرت علی پر یہ ایک بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے اور اگر بفرض محال ہم اسے تسلیم کرلیں کہ حضرت علیؓ نے ہی ایسا فرمایا ہے تو یہ اُنہوں نے اپنے زمانہ کے لیے فرمایا ہوگا. کیونکہ جو نمایاں کام اُن سے پہلے خلفاء نے کیے اور اس خاص صفت میں جیسے پہلے خلفاء مشہور تھے. حضرت علیؓ اس سے ناواقف نہ تھے ہر شخص جانتا ہے کہ مشرکوں پر فاروق اعظم کا رعب داب حضرت علی سے کہیں زیادہ تھا اور بہ نسبت حضرت علی کے فاروقِ اعظم سے مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا جو شخص عمر اور علی کی سیرت سے واقف ہے وہ بلاخوف تردید یہ گواہی دے سکتا ہے کہ فاروق اعظم کی خلافت میں جو دینی اور دنیاوی فائدہ مسلمانوں کو پہنچا حضرت علی کی خلافت میں بجائے کوئی نیا فائدہ پہنچنے کے اُلٹا پہلے فائدہ میں بھی رخنہ پڑ گیا. اللہ کے تمام دشمنوں یعنی مشرکین اور منافقین کو طرح طرح کی ذلتیں اور شکستیں فاروق اعظم کی خلافت میں ہوئیں اسکے مقابلہ میں حضرت علی کی خلافت میں مسلمانوں کی گردنوں پر تلواریں چلیں ان دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے کے بعد کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ فاروق اعظم اور فاروق عثمان غنی پر حضرت علی مقدم ہیں. شیعی علماء کے اقوال میں تناقص اس بلا کا ہوتا ہے کہ طبیعت پریشان ہو جاتی ہے ایک جگہ تو یہ دعویٰ کہ اگر حضرت علی حضور انور کے ناصر و معاون نہ ہوتے تو آپ کا دین بھی قائم نہ ہوتا اور پھر دوسری جگہ حضرت علی کو اول درجہ کا بیچارہ، عاجز اور ذلیل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ مشہور ہے

کہ فاروق اعظم نے جلتا ہوا کواڑ آپ کی زوجہ محترمہ کے پیٹ پر گرا دیا تھا اس سے حمل ساقط ہو گیا تھا چونکہ حضرت علی بہت ہی عاجز تھے اس لیے اسکا انتقام فاروق اعظم سے نہ لے سکے۔ پھر شیعی علماء کا خالد پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضور انور کا ہمیشہ دشمن رہا ہر بات میں آپ کو جھٹلاتا رہا وغیرہ وغیرہ۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ خالد کی یہ کیفیت مسلمان ہونے سے پہلے تھی مگر اس میں خالد ہی کی خصوصیت کیا ہے مسلمان ہونے سے پہلے تو سب صحابہ کی یہی کیفیت تھی جس طرح خالد نے جھٹلایا تھا اُنہوں نے بھی جھٹلایا تھا بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم ایک حمام میں سب ہی ننگے تھے مثلاً ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اُن کا بھائی ربیعہ حضور انور کے چچا حمزہ عقیل وغیرہ سب ایسے ہی تھے صرف خالد ہی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تعجب ہے کہ ایسے بے بنیاد اور مہمل طعن خواہ مخواہ کیوں کیے جاتے ہیں۔ پھر شیعی علماء کا خالد پر یہ طعن کرنا کہ بنی خزیمہ کے صدقات کی تحصیل کے لیے حضور انور نے خالد کو بھیجا تھا خالد نے ایک خیانت بھی کی اور آپ کے حکم سے سرتابی بھی کی مسلمانوں کا خون کر دیا پھر حضور انور خالد کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اتنے اُٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی معلوم ہونے لگی (الخ) اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں ایسے تعصب اور تحریف سے کام لیا گیا ہے جو سیرت کے جاننے والوں میں سے کسی پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس قصہ کی اصلیت یہ ہے کہ حضور انور فتح مکہ ہونے کے بعد خالد کو بنی خزیمہ کے پاس محض تبلیغ اسلام کو بھیجا تھا خالد نے نہایت قابلیت سے اُن میں تبلیغ اسلام کی اور وہ سب مسلمان ہونے لگے مگر ناواقفیت کی وجہ سے بجائے اسلمنا (ہم مسلمان ہو گئے) کہنے کے صبانا صبانا کہنے لگے جسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم نے دین چھوڑ دیا ہم نے دین چھوڑ دیا خالد کو یہ سُن کر سخت غلط فہمی ہوئی اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ دین اسلام میں آنے سے انکار کرتے ہیں اور نہ خالد نے ان الفاظ کو اسلام کے معنوں میں قبول کیا۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ بڑے بڑے صحابہ جو اُن کے ساتھ تھے مثلاً سالم مولی ابوحذیفہ اور عبداللہ بن عمر وغیرہ اُنہوں نے خالد پر اعتراض کیا اور اسے قتل عام سے روک دیا جب حضور انور کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کے یہ دعا کی اللھم انی ابرا الیک مما صنع خالد حضور انور کو یہ

اندیشہ ہوا تھا کہ خالد کی اس تعدی کا مطالبہ اللہ تعالیٰ محمد سے نہ کرلے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسکین کے لیے یہ فرمایا فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی اے رسول اگر یہ تیری نافرمانی کریں تو تو کہدے کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔ اسکے بعد آپ نے بہت سا مال دیکر حضرت علی کو بنی خزیمہ کے پاس بھیجا کہ ہر مقتول کی نصف خون بہا دیکر انہیں راضی کرلیں۔ جو جو چیزیں اُنکی تلف ہوئی تھیں حضور انور نے سب اپنے ذمہ لے لیں یہاں تک کہ ان کے کتے کے پانی پینے کا برتن بھی اپنے ذمہ لے لیا اور اندازہ سے زیادہ محض اس احتیاط کے لیے انہیں دے دیا کہ اُنکا کوئی ایسا حق ہمارے ذمہ نہ رہ جائے جو ہمیں معلوم نہ ہو۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضور نے ان سب باتوں کے باوجود خالد کو اسکے عہدے سے معزول نہیں کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ خالد کی یہ غلط فہمی نیک نیتی پر مبنی تھی آپ ہمیشہ اُسے افسر کرتے اور لشکروں کا پیشوا بناتے رہے ہیں۔ خدانخواستہ خالد کو حضور انور سے کوئی عناد نہ تھا بلکہ وہ آپ کے فرمانبردار غلام تھے۔ ہاں فقاہیت اور دین میں اوروں کے مرتبہ کے نہ تھے اسلیے اس واقعہ کا نفس الامری حکم اُنہیں نہیں معلوم نہ ہوا۔ بعض کا یہ قول ہے کہ خالد کے اور اس قوم کے درمیان جاہلیت کے زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی اور اسی عداوت کے جوش میں خالد نے اُن میں سے چند آدمیوں کو قتل کر دیا مگر یہ صرف قصہ آفرینیاں ہیں جنہیں واقعات سے کچھ تعلق نہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ خالد نے حضور انور کی کوئی خیانت نہیں کی نہ آپ کے حکم سے سرتابی کی نہ مسلمانوں کو قتل کیا یہ صریح جھوٹ اور خالد پر نرا اتہام ہے کیونکہ خالد نے کسی ایسے شخص کو بھی قتل نہیں کیا جو اُن کے نزدیک مسلمان اور بے جرم تھا ہاں غلط فہمی کی وجہ سے بے شک اُن سے یہ خطا سرزد ہوگئی جیسے اسامہ بن زید سے غلطی ہوگئی تھی کہ اُنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کا مفصل ذکر گزشتہ صفحوں میں ہو چکا ہے اسی طرح ایک مسلمان بدرقہ نے ایک شخص کو اس حالت میں کہ وہ اپنی مسلمانی کا اقرار کرتا تھا قتل بھی کر دیا تھا اور اسکے مویشیوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا جسکے بارے میں اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ

قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. (النساء:۹۴) یعنی اے ایمان والو جب تم جہاد کے لیے سفر کرو تو تحقیق کو مدنظر رکھا کرو جو تمہیں سلام کرے اُسے مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے تم دنیا کا مال متاع چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے تم پر اللہ نے احسان کیا پس تم تحقیق کر لیا کرو بیشک اللہ تمہارے عملوں سے خبردار ہے۔

شیعی علماء کا خالد پر ایک اور بہت بڑا طعن: اس طعن میں حضرت صدیق اکبر پر بھی چوٹ ہے مگر چونکہ خالد عملی معد پر اُن معاملات میں شریک ہیں جن سے صدیق اکبر پر چوٹ کی گئی ہے لہٰذا خالد کے مطاعن میں اس کا ذکر کرنا کچھ نازیبا نہیں معلوم ہوتا شیعی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو ابوبکر نے اس خالد بن ولید کو اہل یمامہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا اس نے اُن میں سے بارہ سو آدمی قتل کر دئے جو اپنے کو علی الاعلان مسلمان کہتے تھے. اسی طرح مالک بن نویرہ کو مشکیں کس کے قتل کیا اس کی بیوہ کو اپنی بیوی بنالیا پھر خالد نے بنی حنیفہ کا نام مرتدین رکھا محض اسلئے کہ اُنہوں نے ابوبکر کو زکوٰۃ کا روپیہ نہیں دیا. زکوٰۃ نہ دینے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ وہ ابوبکر کی امامت وخلافت کے معتقد نہ تھے اس پر ابوبکر نے ان کا خون کرنے ان کا مال واسباب لٹوانے اور ان کی عورتوں کو اپنے لیے حلال کرنے کی ٹھان لی حتیٰ کہ اس بارے میں ابوبر پر عمر نے بھی اعتراض کیا مگر شنوائی نہ ہوئی تعجب ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کا نام تو مرتد رکھ دیا گیا اور جس نے سینکڑوں مسلمانوں کا خون کرنے اور اکثر مومنین سے لڑنے کو حلال سمجھ لیا اس کا نام مرتد نہ رکھا. باوجود یہ کہ لوگ رسول اللہ سے آپ کا یہ ارشاد سن چکے تھے کہ اے علی تجھ سے لڑنا مجھ سے لڑنا ہے اور تجھ سے صلح کرنا مجھ سے صلح کرنا ہے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے والا بلا اجماع کافر ہے. اللہ غنی مرتدوں کی حمایت کرنے میں شیعوں نے اپنے دین وایمان کا بھی بالکل پاس ولحاظ نہ کیا پھر کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ حامیان مرتدین حضور انور کے برگزیدہ صحابہ سے بغض اور حسد رکھیں. اس واقعہ کی تفصیل ملاحظہ ہو. اہل یمامہ ہی بنو حنیفہ ہیں. جس لقب پر شیعی علماء فخر کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے جسے حضور انور کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا پہلے تو وہ مدینہ منورہ میں آیا اور اس نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا مگر در پردہ لوگوں سے یہ کہتا رہا کہ اگر محمد ﷺ مجھے اپنا

جانشین مقرر کردیں تو میں ان پر ایمان لے آؤں جب اسکی یہ مراد بر نہ آئی اور وہ ناکام واپس یمامہ چلا گیا تو وہاں اسنے یہ دعویٰ کیا کہ میں محمد کی نبوت میں برابر کا حصہ دار ہوں اور میری اس شرکت کی محمد نے بھی تصدیق کر لی دجال بن عنفوہ اس کا گواہ بن گیا اور سب کے سامنے یہ شہادت دینے لگا کہ مسلیمہ سچ کہتا ہے اسی تاریخ سے اسے کذاب کا خطاب دیا گیا. اس کذاب کے لقب کی وجہ تسمیہ بھی ہے. پھر اس نے حضور کی خدمت میں ایک خط لکھا **من مسلیمة رسول الله اما بعد فانی قد اشرکت فی الامر معک** یعنی مسلیمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کو واضح ہو کہ میں نے اس نبوت میں تمہاری شراکت کر لی ہے حضور انور نے اس کا جواب جو کچھ اسے دیا تھا اس جواب کے سرنامہ پر لفظ لکھے ہوئے تھے **من محمد رسول الله انی مسلیمة الکذاب** حضور کی وفات کے بعد صدیق اکبر نے خالد بن ولید کو فوج کا سرگروہ بنا کے مسلیمہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا اس سے پہلے خالد بن ولید طلحہ اسدی سے لڑ چکے تھے اسنے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور مجذیوں کو شکست دی تھی. اور طلحہ اسدی مسلمان ہو گیا تو پھر مسلمانوں نے خالد کی سرکردگی میں مسلیمہ کذاب سے جنگ کرنے کے لیے یمامہ پر چڑھائی کی اس جنگ میں مسلمانوں کو سخت دقتیں اٹھانی پڑیں. بہترین صحابہ میں سے بہت سے شہید ہو گئے مثلاً زید بن خطاب، ثابت بن قیس بن شماس، اسید بن حضر وغیرہ۔ اصل مطلب یہ ہے کہ مسلیمہ کذاب کی حالت اور اس کا نبی ہونے کا دعویٰ کرنا اور بنی حنیفہ کا یمامہ میں اس کا پیرو ہو جانا اور صدیق اکبر کا اُن سے جہاد کرنا ایسا مشہور و متواتر امر ہے جسے عام و خاص سب جانتے ہیں۔ اس واقعہ کا جاننا اُن امور میں سے نہیں ہے جن کا علم خواص ہی کو ہو تا علماء کے کسی گروہ نے بھی اس واقعہ کا **من اوله الی آخره** انکار نہیں کیا ہاں اس کے مقابلہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کو لو تو معلوم ہو کہ بہت سے علمائے اہل کلام اس سے انکار کرتے ہیں اور وہ ان لڑائیوں کو سراسر بے بنیاد اور لغو کہتے ہیں۔ مگر یہ امر متواتر سے ثابت ہے اور آج تک لاکھوں نفوس میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جسنے اہل یمامہ کی جنگ سے انکار کیا ہو نہ اس بات کا کسی نے انکار کیا کہ مسلیمہ کذاب نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا. مسلمانوں کو اس سے لڑنے کی وجہ صرف یہی تھی مگر شیعی علماء کا اس پر اعتراض و انکار کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا یہ لوگ صدیق

اکبر اور فاروق اعظم کی بابت حضور انور کے پاس مدفون ہونے کا انکار کرتے ہیں اور شیخین کو حضور انور کا دوست نہیں تسلیم کرتے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور انور نے علی کی خلافت پر نص کر دی تھی بلکہ بعض شیعی علماء ایسے ہیں کہ زینب، رقیہ اور ام کلثوم کو حضور انور کی صاحبزادیاں نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لڑکیاں خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے شوہر سے تھیں جو کافر تھا۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ عمر نے علی کی بیٹی زبردستی چھین لی تھی اور پھر علی نے مجبور ہو کر عمر سے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ بعض کا یہ قول ہے کہ عمر اور اُن کے ساتھیوں نے فاطمہؓ کے پیٹ پر جلتا ہوا کواڑ گرا دیا تھا جس سے اسقاط ہو گیا تھا۔ اور پھر اُن کے گھر کی چھت کو گرا دیا جتنے آدمی اس گھر میں تھے وہ سب کے سب دب کے مر گئے اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شیعی علماء میں ایجادی قوت کتنی ہے اسی ایجادی قوت کے طفیل سے اُنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو میدان کربلا میں لا کر یزیدی فوج کے ہاتھ سے شہید کرا دیا عجیب بات ہے کہ امور متواتر معلوم اور مشہور سے تو صاف انکار اور جو امور بالکل معدوم ہوں اور جنکی کوئی حقیقت نہ ہو ان کو شیعی علماء ثابت مانتے ہیں اور اوروں پر بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں اسلیے یہ اس آیت کے پورے مصداق ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَے اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ یعنی اس شخص سے بڑھ کے کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچ بات کو جھٹلائے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے بنی حنیفہ کا نام مرتد اسلیے رکھ لیا ہے کہ اُنہوں نے اپنی زکوٰۃ کا روپیہ ابوبکر کو نہیں دیا تھا یہ محض غلط بالکل جھوٹ اور سراسر بہتان ہے۔ صدیق اکبر نے بنی حنفیہ سے تو محض اس لیے جہاد کیا تھا کہ یہ لوگ مسلیمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے اور اسکی نبوت کے معتقد ہو گئے تھے باقی زکوٰۃ نہ دینے والے تو اور لوگ تھے۔ بنی حنیفہ نہ تھے جن سے جہاد جائز ہونے نہ ہونے میں بعض صحابہ کو بھی شبہ ہوا تھا لیکن بنو حنیفہ سے جہاد واجب ہونے اور جہاد کرنے میں کسی نے بھی تامل و توقف نہیں کیا ہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی بابت بے شک عمر فاروق نے ابوبکر صدیق سے یہ کہا تھا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ان لوگوں سے کس طرح یعنی کس دلیل سے جہاد کرینگے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدون ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ فاذا قالو ھا عصمو منی دماء ھم و اموالھم الا تجھا

وحسابھم علی اللہ۔ یعنی ان لوگوں سے جہاد کرنے کا مجھے حکم ہو گیا ہے یہاں تک کہ یہ اسکی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کا رسول ہے جب یہ اسکے قائل ہو جائیں گے تو اپنی جان و مال مجھ سے بچالیں گے ہاں حق کا بدلہ اُن سے ضرور لیا جائے گا اور باقی حساب اللہ لینے والا ہے اس کا جواب حضرت صدیق اکبر نے یہ دیا کہ اے عمر تو نے حضور انور کے ارشاد لا بحقھا پر غور نہیں کیا یاد رکھو کہ زکوۃ اسی حق میں داخل ہے دیکھو میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر ایک بوتہ یعنی ایک رسی بھی جو یہ لوگ حضور انور کو زکوۃ میں دیتے تھے اور مجھے نہ دیں تو میں اس پر بھی ان پر جہاد کروں گا۔ فقط

یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ صدیق نے ان لوگوں سے محض اس وجہ سے جہاد نہیں کیا تھا کہ انہوں نے صدیق اکبر کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا بلکہ یہ نفس زکوۃ ہی سے انکار کرتے تھے اگر انہیں زکوۃ سے انکار نہ ہوتا اور یہ اپنے طور پر مستحقین زکوۃ کو اپنی زکوۃ دے دیتے تو صدیق اکبر بھی کبھی ان سے جہاد نہ کرتے یہی قول جمہور علماء مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرہ کا ہے ان کا کھلا ہوا قول موجود ہے کہ اگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اپنی زکوۃ ہم آپ ہی دے لیں گے اور خلیفہ کو ہم اپنی زکوۃ نہیں دیتے تو صدیق کو اُن سے جہاد کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ صدیق نے اپنی اطاعت کرانے پر بھی کبھی کسی سے قتل و قتال نہیں کیا اور نہ کسی سے زبردستی اپنی بیعت کرائی یہی وجہ تھی کہ جب سعد بن عبادہ آپ کی بیعت سے رُک گیا تو آپ نے اس پر بھی زبردستی نہیں کی حاصل کلام یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے بنی حنیفہ کا نام مرتدین محض اسلیے رکھ لیا ہے کہ انہوں نے ابوبکر کو زکوۃ نہیں دی تھی اس لیے کہ وہ اُن کی امامت اور خلافت کے معتقد نہ تھے صریح جھوٹ اور اوّل درجہ کا بہتان ہے اور اسی طرح شیعوں کا یہ کہنا کہ بنی حنیفہ سے جہاد کرنے کا عمر نے بھی انکار کر دیا تھا ایک من گھڑت اور بہتان عظیم ہے۔ پھر شیعی علماء کا یہ اعتراض کہ جس نے مسلمانوں کا خون بہایا اس کا نام تو سنیوں نے مرتد نہ رکھا بلکہ اس شخص نے تو امیر المومنین علی مرتضی سے جنگ کرنے کو مباح سمجھ لیا تھا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ اے علی تم سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے اور تم سے صلح کرنا مجھ سے صلح کرنا ہے لہذا جس طرح کہ رسول اللہ سے جنگ کرنیوالا بلا اجماع کافر ہے اسی طرح حضرت علی سے جنگ کرنے والا بھی بلا اجماع کافر ہے اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث

کا احادیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں بھی پتہ نہیں لگتا اور نہ کسی معروف سند سے کہیں اور مروی ہے. تمام علمائے حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر یقینی بہتان اور جھوٹ ہے اگر ہم جنگ صفین اور جمل کو تسلیم کرلیں کہ یہ دونوں لڑائیاں ہوئی تھیں جیسا کہ شیعی علماء مانتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ لڑائیاں حضرت علی کی رائے اور مرضی سے ہوتی تھیں چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں قیس بن عباد سے بالاسناد روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے دریافت کیا کہ آپ یہ بتایئے کہ آپ نے یہ لڑائیاں جو لڑی ہیں کیا ان کا حکم آپ کو حضور انور نے دے دیا تھا. یا صرف ان لڑائیوں کا دارومدار آپ ہی کی رائے پر ہے حضرت علی نے جواب دیا مجھے نبی ﷺ نے ان لڑائیوں کا حکم نہیں دیا میں نے اپنی رائے سے یہ لڑائیاں لڑیں ہیں. اس بات کو بھی غور سے دیکھو کہ اگر حضرت علی سے لڑنے والا ایسا ہی ہوتا کہ گویا وہ حضور انور سے لڑنے والا ہے تو حضرت علی کو نہایت ضروری تھا کہ اُن لوگوں یعنی مخالفین سے مرتدوں کا سا برتاؤ کرتے مگر جنگ جمل کے تسلیم کرنے والوں کی کتابوں میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت علی نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا نہ کسی زخمی کو قتل کیا نہ مخالف کا مال لوٹا نہ اُن کے بال بچوں کو قید کیا بلکہ اپنے لشکر میں منادی کرادی کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے نہ کسی زخمی کو قتل کیا جائے نہ اُن کے مال کو لوٹا جائے اور نہ اُن کے بال بچوں کو قید کیا جائے اگر وہ لوگ مرتد ہوتے تو ایسا برتاؤ حضرت علی کبھی نہ کرتے خوارج نے حضرت علی پر بھی اعتراض کیا تھا کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہیں تو ان سے جنگ کرنی کیونکر قرار دے لی گئی اور اگر یہ لوگ کافر ہیں تو پھر ان کا مال واسباب لوٹنے اور اُن کے بال بچوں کو قتل کرنے کو کیوں حرام سمجھتے ہو. اس کا جواب دینے کے لئے حضرت علی نے ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا اُنہوں نے خوارج سے جا کے مناظرہ کیا اور یہ کہا کہ جو لوگ علی سے لڑے ہیں ان میں عائشہ صدیقہ بھی ہیں اب اگر تم یہ کہو کہ عائشہ ہماری ماں نہیں ہیں تو تم اللہ کی پاک اور سچی کتاب کے منکر اور کافر ہو اور اگر یہ کہو کہ وہ ہماری ماں ہیں اور پھر تم اُن کے قید کرنے کو درست سمجھو تب بھی تم منکر و کافر ہوتے ہو. اسی طرح دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی حضرت علی یہ فرمایا کرتے تھے اخوانا بغوا علینا طهر هم السیف یعنی ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی تھی تلوار نے انہیں پاک کردیا حضرت علی سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے دونوں طرف مقتولین پر نماز جنازہ پڑھی تھی. اگر یہ لوگ مرتد تھے تو

حضرت امام حسن نے جو شیعوں کے نزدیک معصوم ہیں اسلامی حکومت سے کنارہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ایک کافر مرتد کے حوالے کیوں کر دیا تھا ایسا کرنا ایک مسلمان کے لیے اور وہ بھی ایک معصوم مسلمان کے لئے ہرگز شایانِ شان نہیں ہے دوسرے یہ کہ اگر حضرت علی کے مخالف سارے مرتد تھے اور آپ کے ساتھی مومن مسلمان تھے تو کیوں ان مومنین مسلمانوں پر ہمیشہ ان مرتدوں اور کافروں ہی کا غلبہ رہا حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ. (المؤمن:۵۱) یعنی دنیا کی زندگی اور قیامت کے دن ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی ضرور مدد کرینگے پھر فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصّٰفّٰت:۱۷۱تا۱۷۳) یعنی ہمارے پیغمبروں سے جو ہمارے بندے ہیں ہمارا پہلے ہی یہ عہد ہو چکا تھا کہ ضرور ان کی مدد کی جائے گی اور بلا شبہ ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا اور فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور اُس کے رسول اور ایمان والوں کے لئے تو اب حضرت علی کے لشکر حضرت امام حسن کے لشکر اور حضرت امام حسین کی فوج کی کیفیت دیکھی جائے کہ اُن پر کیا کیا بنی. اب ہم خود شیعی علماء سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر خوارج وغیرہ تم سے یہ کہیں کہ علی نے مسلمانوں کی خونریزی مباح کر دی تھی اور بغیر اللہ اور اسکے رسول کے حکم محض اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے اُنہوں نے لڑائیاں لڑی تھیں حالانکہ حضور انور کا صاف ارشاد موجود ہے. سباب المسلم فسوق وقتاله کفر یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے اور پھر فرمایا لا ترجعو بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض یعنی میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو خوارج کہتے ہیں کہ ان صحیح حدیثوں سے علی کا کافر ہونا ثابت ہو گیا بلا خوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خوارج کی حدیثیں شیعوں کی حدیثوں سے زیادہ صحیح و مستند ہوتی ہیں. خوارج یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمیوں کا قتل کرنا مجسم فساد ہے اور جس نے اپنی حکومت کا سکہ بٹھانے اور اپنی اطاعت کرانے کے لئے بہت سے خون کر دئے ہوں تو وہ فساد کا بڑا زبردست بانی ہوا. یہی حال فرعون کا تھا جسکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی

ہم آخرت کا گھر اُن لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تعلی اور فساد کرنے کا ارادہ نہیں کرتے اور نیک انجام تقویٰ والوں کا ہے. اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ جو شخص زمین میں تعلی اور فساد چاہے وہ آخرت میں اہل سعادت سے ہرگز نہ ہوگا. حضرت علی کی جنگ ابوبکر صدیق کی اس جنگ سے کبھی مشابہت نہیں پیدا کرسکتی جو ان کے زمانہ میں مرتدوں سے زکوۃ ادا نہ کرنے پر ہوئی تھی یہ جنگ محض اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرانے کی غرض سے ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے زکوۃ جیسے فرض کا انکار کردیا تھا جنگ کا منشاء یہ تھا کہ وہ اس فرض کا اقرار کریں اور پھر اسے ادا کریں حضرت علی کی جنگ اس کے بالکل مخالف تھی اس جنگ کا منشاء محض اپنی اطاعت کرانا تھا اور اسکے سوا کچھ نہیں. اس سے کبھی بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں سے صدیق نے جنگ کی تھی وہ اللہ کی اور اللہ کے رسول کا اطاعت نہیں کرتے تھے اور نہ شرعی احکام کا اقرار کرتے تھے اسی لیے اُنہیں مرتد کہا گیا. بخلاف اسکے جو شرعی احکام کا زبان ودل سے مقر ہو کر ایک خاص شخص کی اطاعت میں تامل کرتا ہو جیسے امیر معاویہ اور اہل شام شریعت کے تمام احکام کو مانتے انہیں حق جانتے اور اُن کا اقرار کرتے تھے پنجگانہ نماز پڑھتے تھے زکوۃ دیتے تھے اور علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ ہم تمام واجبات اور فرائض کو ادا کریں گے مگر ان وجوہات سے علی اطاعت نہیں کرنے کے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علی کا لشکر سخت سفاک اور ظالم ہے اگر ہم نے اطاعت کرلی تو ہم پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑے گی. اسی ضمن میں شیعی علماء امیر معاویہ کی نسبت یہ طعن کرتے ہیں جس طعن کو شیخ حلی یعنی تمام شیعی علماء کے سرگروہ نے اپنی کتاب منہاج الکرامہ میں لکھا ہے وہ کہتا ہے کسی فاضل نے کیا اچھا کہا ہے. **شر من ابلیس من لم یسبقه فی معالف طاعة وجری معه فی میدان معصیة** یعنی وہ شخص ابلیس سے بھی بدتر ہے جس سے سابق میں کوئی اطاعت نہیں ہوئی اور میدان معصیت میں اُسکے برابر رہا. علماء میں سے اس میں کسی کو شک نہیں کہ ابلیس نے سارے فرشتوں سے زیادہ عبادت کی ہے اور چھ ہزار برس تک وہ اکیلا عرش کو لیے کھڑا رہا ہے. اسکے بعد جب اللہ نے آدم کو پیدا کرکے زمین میں خلیفہ کیا اور ابلیس کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے تکبر کیا اور وہ اپنے اس تکبر سے ملعون اور راندۂ درگاہ ہونے کا مستحق ہوگیا اس کے مقابلہ میں معاویہ کو دیکھا جائے تو وہ ہمیشہ شرک اور بت پرستی کرنے میں رہا یہاں تک کہ نبی ﷺ کے ظاہر ہونے سے ایک عرصہ دراز کے بعد یہ مسلمان ہوا

تھا مگر اس کی شامت دیکھئے کہ امیر المومنین علی کو اپنا امام تسلیم کرنے اور اُن کی اطاعت کرنے میں تکبر کر بیٹھا حالانکہ عثمان کے قتل ہونے کے بعد سب نے جناب امیر سے بیعت کر لی تھی مگر معاویہ اُن کا ہم پلہ بن کے بیٹھ گیا اسلیے وہ ابلیس سے بھی بدتر ہوا۔

جواب: اس سارے طعن کا خلاصہ یہ ہے کہ معاویہ شیطان سے بدتر تھا اس لئے کہ معاویہ گناہ گار تھا اور ابلیس گناہ گار نہ تھا صرف سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ ملعون قرار پایا معاویہ گناہ گار بھی تھا۔ اور سب نے امیر المومنین علی کا اطاعت سے بھی انحراف کیا اس لیے وہ شیطان سے بھی بدتر ہوا۔ یہ طعن نہایت ناپاک مہمل اور بے بنیاد ہے جسکے دماغ میں کچھ بھی عقل ہو وہ کبھی اس قسم کی باتیں نہیں بنا سکتا۔ گناہ گار کو ابلیس سے بدتر قرار دینا ایک ایسی ناقابل معافی خطا ہے۔ جس کا بدل نہیں ہوسکتا حضور انور نے فرمایا کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائیر التوابون یعنی کل بنی آدم خطاوار ہیں ☆

☆ اور خطاواروں میں بہتر توبہ کرنے والے ہیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر نبی اور ہر ولی اور ہر معصوم

اور خطاوار ہونے پر ابلیس سے بھی بدتر ہوگا۔ حضرت علی بھی چونکہ بنی آدم ہیں لہٰذا ان کا استثنا بھی اس سے نہیں ہوسکتا خیال تو کیجئے جس شخص کا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہو کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو وہ ابلیس سے بھی بدتر ہے یقیناً یہ بات ایسی ہے جس کا فاسدہ باطل ہونا دین اسلام سے بالا اضطرار معلوم ہوتا ہے اور ایسا شخص جو یہ عقیدہ رکھے بلا اجماع کافر ہے۔ اب سنئے! اگر خوارج اسکے مقابلہ میں یہ کہیں کہ علی نے بھی گناہ کیا ہے تو وہ بھی ابلیس سے بدتر ہوئے اسکے جواب میں شیعی علما کے پاس سوائے ان کی عصمت کے دعوے کے اور کوئی حجت نہیں یہ مانی ہوئی بات ہے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ علمائے شیعہ میں سے کوئی بڑے سے بڑا فاضل بھی یہ قدرت نہیں رکھتا کہ خوارج کے سامنے حضرت علی کے مسلمان امام عادل ہونے پر کوئی دلیل پیش کرسکیں واللہ جو روایتیں شیعی کتب میں بھری ہوئی ہیں اگر وہ سب ایک جگہ جمع کر دکھائیں تو اُن روایتوں کا پڑھنے والا یہ سمجھ جائے گا کہ علی سے بدتر گناہ گار ظالم، کافر، طماع کوئی مسلمان دنیا میں نہیں گزرا۔ خوارج کا دنداں شکن جواب ہمیشہ مسلمانوں یعنی سنیوں نے دیا ہے اور حضرت علی کے ایمان اور امامت کی جو حجتیں سنیوں نے قائم کی ہیں۔ وہ جگہ سے جنبش نہیں کھاسکتیں برخلاف اسکے شیعی علما کی حجتیں سب منقوض اور آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں تو کیونکر ان

سے حجت کرنا ٹھیک ہوسکتا ہے۔ دوسری بات سنئے! کہ یہ استدلال کہ جس شخص نے سابق میں کوئی اطاعت نہیں کی اور میدان معصیت میں وہ ابلیس کے برابر رہا ابلیس سے بھی بدتر ہے کسی طرح ٹھیک نہیں ہوگا اس لئے کہ ہر معصیت کے میدان میں ابلیس کی برابری کوئی نہیں کرسکتا آدمیوں میں یہ خیال ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی اللہ کی معصیت میں ابلیس کے اس طرح برابر ہو کہ سب کو گمراہ اور سرکش بنادے اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ابلیس کی پہلی عبادات اسکے کافر اور مرتد ہونے کے باعث بالکل نیست و نابود ہوگئی کیونکہ مرتد ہونا عمل کو کالعدم کردیتا ہے باقی اس کے موجودہ معاصی میں کوئی اسکے برابر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کسی آدمی کا ابلیس سے بدتر ہونا یقیناً ممتنع ہے اور اگر ہم ممتنع نہ مانیں تو شیعی مذہب کی اس سے بیخ و بنیاد اکھڑ کر پھک جائے گی مثلاً اس بات کو دیکھو کہ حضرت علیؓ کے وہ ساتھی جو جنگ میں اُنکی مدد کررہے تھے اور جو حضرت علی کی سخت نافرمانی کرتے تھے اور جس نافرمانی کے پیٹنے سے ساری نہج البلاغت بھری ہوئی ہے تو یہ لوگ ابلیس سے بھی بدتر ہوں گے۔ اور ایسے ابلیس سے بدتر لوگوں کا لشکر حضرت علی کے ساتھ تھا پھر بھلا ایسے شخص کو کیا فلاح ہوسکتی ہے جو شیطانوں کا لشکر اپنے ساتھ رکھے۔ اب رہی ابلیس کے متعلق یہ کہانیاں کہ اسنے چھ ہزار برس عبادت کی وہ اکیلا عرش معلیٰ کو تھامے رہا یا وہ فرشتوں کا طاؤس تھا یا آسمان و زمین میں اسنے کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جہاں رکوع اور سجدہ نہ کیا ہو محض چانڈو خانہ کی گپ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں نقل صادق سے جب تک کوئی بات ثابت نہ ہو اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا نہ قرآن مجید میں کہیں اس کا اشارہ ہے نہ اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث آئی ہے پھر ان چانڈو خانہ کی گپوں سے اصول دین میں کیونکر کوئی حجت قائم ہوسکتی ہے۔ شیعی علماء نے جو یہ کہا ہے کہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ ابلیس سب فرشتوں سے زیادہ عابد تھا یہ بھی محض ایک مغالطہ دھوکہ اور بہتان ہے ان سے کوئی پوچھے کہ علمائے صحابہ علماء تابعین علمائے مسلمین وغیرہ میں سے اس کا کون قائل ہے تو جواب سوائے نفی کے نہیں مل سکتا چہ جائے کہ سارے علماء میں یہ متفق علیہ ہوجائے حالانکہ مسلمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ جس کا قول تسلیم کیا جاتا یا اب تسلیم کیا جائے یہ ایسا امر ہے کہ بلا نقل کسی طرح معلوم و معروف نہیں ہوسکتا اور حضور انور سے آج تک کسی نے نقل نہیں کیا نہ صحیح سند سے نہ ضعیف سے ہاں اگر کسی واعظ نے اپنے وعظ میں جہاں اور قصے کہانیاں کیں وہاں ایسا قصہ بھی بیان کردیا یہ کوئی سند نہیں ہو

سچی یا کسی رسالہ میں کسی مصنف نے ایسا لکھ دیا ہو یا کسی تفسیر میں کسی مفسر نے جہاں اور اسرائیلی بے اصل باتیں نقل کی ہوں وہاں اسے بھی درج کر دیا ہو تو ایسی باتوں سے کوئی گھاس کاٹنے والا بی حجت نہیں کر سکتا پھر بھلا ابلیس کو ایسی جحت سے سب میں زیادہ عبادت گزار وغیرہ ماننا کب سمجھ میں آ سکتا ہے باقی یہ کہ اسنے چھ ہزار برس تک عرش کو اٹھائے رکھا محض لغو، بیہودہ اور جانڈوخان کی گپ ہے نہ قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر ہے نہ ہمارے آقائے نامدار حضور انور ﷺ نے اسکی نسبت کچھ فرمایا ہے. حاملیں عرش کے متعلق خود اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عرش کے اٹھانے والے بہت سے ہیں اور وہ سب کے سب مومن ہیں ہمیشہ اللہ کی حمد تسبیح پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں ابلیس کے متعلق ہزاروں روایتیں بہت سے شیعی علما اور بعض سنیوں نے گھڑلی ہیں جنکا کہیں پتہ نہیں لہٰذا اس پر بحث کرنا فضول ہے یہ بحث تفصیل کے ساتھ پہلے ہو چکی ہے کہ اگر ایک شخص کافر ہے اور وہ پھر مسلمان ہو جائے تو جتنے گناہ اسنے کفر کی حالت میں کئے ہیں. وہ سب معاف ہو جاتے ہیں. اسی طرح اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امیر معاویہ پہلے کافر و مشرک تھے تو مسلمان ہونے کے بعد ان کی گزشتہ خطائیں اللہ تعالی کے حکم کے مطابق قطعی معاف ہو گئیں یقیناً امیر معاویہ نماز پڑھتے تھے زکوۃ دیتے تھے جنکی نسبت اللہ تعالی فرماتا ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ یعنی اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ امیر معاویہ کو دینی بھائی نہ قرار دیا جائے. ابلیس کی اور امیر معاویہ کی حالت میں بعد المشرقین ہے ابلیس ایمان لانے کے بعد کافر ہوا لہٰذا اس کے کفر سے اس کا ایمان بھی رایگان ہو گیا اس کے برخلاف امیر معاویہ کا کفر اُن کے ایمان لانے سے نیست و نابود ہو گیا اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو شخص کفر کے بعد مومن ہوا ہو اس شخص کے مساوی کیونکر ہو سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا ہو اب ایک بحث رہی جیسا کہ بعض شیعی علماء کہتے ہیں کہ امیر معاویہ مرتد ہو گئے تھے یہ نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے کیونکہ صحیح صحیح روایتوں سے امیر معاویہ کا اسلام ثابت ہو چکا ہے اور یہ بھی کامل طور پر محقق ہے کہ امیر معاویہ اپنے مرنے تک برابر اسلام پر رہے جیسا کہ اُن کے سوا اوروں کا اسلام پر

رہنا معلوم ہو چکا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس طریقہ سے دوسروں کے اسلام جانچے گئے ہیں وہی طریقہ امیر معاویہ کے اسلام کے جانچنے میں بھی برتا گیا ہے. اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا جو شخص نہ صرف امیر معاویہ بلکہ حضرت عثمان، صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے مرتد ہونے کا مدعی ہے یہ شخص حجت میں اس شخص سے ہرگز بڑھا ہوا نہیں ہے جو حضرت علی کے مرتد ہونے کا مدعی ہے پس اگر علی کے مرتد ہونے کے ثابت کرنے والا جھوٹا ہے امیر معاویہ اور خلفائے ثلاثہ کے مرتد ہونے کو ثابت کرنیوالا بدرجہ اولے اور یقیناً جھوٹا ہے کیونکہ ان بزرگان دین کے ایمان پر ہونے کی حجت قوی اور ظاہر ہے برخلاف اس کے حضرت علی کے ایمان واسلام پر رہنے میں خوارج کا شبہ شیعوں کے شبہ سے بدرجہ قوی اور ظاہر ہے برخلاف اس کے حضرت علی کے ایمان واسلام پر رہنے میں خوارج کا شبہ شیعوں کے شبہ سے بدرجہا قوی اور ظاہر ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لئے امیر معاویہ کو مرتد تسلیم کرلیا جائے تو اس سے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسن وغیرہ کی ایسی اہانت لازم آتی ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت علی ان مرتدوں سے مغلوب تھے اور حضرت امام حسن نے اسلامی حکومت انہیں مرتدوں کے حوالے کردی تھی خالد بن ولید نے تو مرتدوں کو زیر کردیا تھا اور حضرت علی زیر نہ کرسکے اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ مرتدین کے مقابلہ میں خالد کے لئے اللہ کی مدد بہ نسبت حضرت علی کے بدرجہا زیادہ تھی اور چونکہ مدد میں خالد کا استحقاق حضرت علی کے استحقاق سے بڑھا رہا تو اللہ کے نزدیک خالد علیؓ سے افضل ہونگے کچھ خالد ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ صدیق اکبر فاروق اعظم غنی کے تمام لشکری اور گماشتے سب حضرت علی سے افضل تھے کیونکہ کفار کے مقابلہ میں وہ ہمیشہ مظفر ومنصور رہے برخلاف اسکے حضرت علی مرتدوں اور کافروں سے ہمیشہ عاجز رہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم ایماندار ہو تو سست وغمگین نہ ہو جاؤ اور تم ہی غالب رہو گے پھر فرمایا لَا تَهِنُوا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی پس تم سست مت ہو جاؤ اور انہیں صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال ضائع نہ کرے گا. جب حضرت علی اس بات سے عاجز ہو گئے کہ جن شہروں پر امیر معاویہ نے قبضہ کرلیا تھا انہیں دوبارہ فتح کریں تو آپ نے امیر معاویہ کو صلح کی درخواست دی

اور یہ لکھ کے بھیجا کہ اس شرط پر صلح کر لیجئے کہ اسوقت جتنے شہر آپ کے قبضہ میں ہیں آپ اپنی حکومت اُن پر برقرار رکھئے اور جن شہروں پر میرا سکہ چل رہا ہے وہاں میری حکومت برقرار رہنے دیجئے اب اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر حضرت علی کے ساتھ مومن تھے اور امیر معاویہ کے ساتھی مرتد تھے تو حضرت علی کے ساتھیوں کا غالب ہونا ضروری تھی حالانکہ یہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد اب یہ اعتراض ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت علی کو امیر المومنین تسلیم کرنے میں اللہ کی اطاعت سے تکبر کیا۔ یہ عجیب معما ہے جو سمجھ میں نہیں آتا پہلے تو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ معاویہ کو یہ علم تھا کہ حضرت علی کی ولایت صحیح ہے اور ان کی اطاعت مجھ پر واجب ہے۔ حضرت علی کی ولایت کا ثبوت اور اُن کی اطاعت واجب ہونے کی دلیل ان مشتبہ مسائل میں سے ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوئے کسی کو آج تک یہ جرات نہ ہوئی کہ اس بات کو ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت علی کی ولایت اور اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے۔ اب دوسری بحث یہ ہے کہ ایک لحہ کے لیے اس بات کا یقین کر لیا جائے کہ امیر معاویہ کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت علی کی ولایت صحیح ہے اور ان کی اطاعت مجھ پر واجب ہے تو پھر یہ بات ضروری نہیں کہ جس سے کوئی معصیت ہو جائے اُسے متکبر کہنے لگیں کیونکہ معصیت کبھی کسی خواہش سے ہوتی ہے اور کبھی تکبر سے یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص ہر عاصی پر یہ حکم لگا سکے کہ اسنے اللہ کی اطاعت سے ایسا ہی غرور کیا ہے جیسا ابلیس نے غرور کیا تھا۔ دوسری ایک اور تماشہ کی بات دیکھئے شیعی علما کہتے ہیں کہ عثمان کے بعد سب نے حضرت علی سے بیعت کر لی اب شیعی علما سے یہ سوال ہے کہ اگر بیعت کرنا حجت نہیں ہوتا تو بیعت کا استدلال بے فائدہ ہے اور اگر حجت ہوتا ہے تو حضرت عثمان کی بیعت پر حضرت علی کی بیعت سے بہت زیادہ اجماع تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضرت عثمان کی بیعت سے رُکنے والے کو تو شیعی علما کافر نہیں سمجھتے بلکہ عین مومن متقی قرار دیتے ہیں اور حضرت علی کی بیعت سے رکنے والے کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا"

اور ایک عجیب نکتہ سنئے! کہ شیعی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ صدیق اکبرؓ کی بیعت پر سب کا اجماع ہو گیا اور پھر اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت علی نے صدیق کی بیعت ایک عرصہ تک نہیں کی تو اب اب ان ہی کے قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی نے صدیق کو اپنا امام تسلیم نہ کرنے

میں اللہ کی اطاعت سے تکبر اور غرور کیا اور شیعی علماء کی اسی حجت سے حضرت علی کا کافر ہونا لازم آتا ہے اور نہیں تو ایسی حجت کا باطل ہونا ضروری ہے ہمارے عقیدہ اور تحقیق کے بموجب حضرت علی کا کافر ہونا تو صریح جھوٹ اور غلط ہے مگر ہاں اس کے مقابلہ میں شیعی علماء کی حجت باطل اور بے اصل ہے.شیعی کا ایک اور بہتان عظیم دیکھئے وہ کہتے ہیں کہ عثمان کے بعد علیؓ سے سب نے بیعت کر لی تھی یہ بالکل جھوٹ اور دروغ بے فروغ ہے کسی روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سوائے چند آدمیوں کے جن میں زیادہ تر مصری باغی تھے حضرت علی سے بیعت کی ہو پھر شیعی علما کا یہ کہنا کہ معاویہ حضرت علی کا ہم پلہ بن کے بیٹھ گیا صریح اتہام ہے کیونکہ امیر معاویہ نے ابتدا میں اپنے لیے حکومت نہیں چاہی تھی ہاں اتنا بے شک ہوا کہ یہ اوروں کے ساتھ حضرت علی کی بیعت کرنے سے رک گئے تھے اور جو ملک فاروق اعظم اور حضرت عثمان کے زمانہ میں اُن کے قبضہ میں تھے اُن پر بدستور قابض رہے اور جب دو حکموں نے فیصلہ کر دیا تو یہ فقط اپنی رعیت پر حاکم رہے.بس اگر انہیں ہم پلہ کہنے سے شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ یہ اپنے اس ملک میں خود مختار بادشاہ ہو گئے تھے تو یہ صحیح ہے.
امیر معاویہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ جو ملک حضرت علی کے قبضہ میں ہیں میں انہیں فتح کرنا نہیں چاہتا میرے نزدیک کوئی ایسا امر ثابت نہیں ہوا جو مجھ پر حضرت علی کی بیعت لازم کر دے.اس میں کوئی کلام نہیں کہ اگر امیر معاویہ کے دلنشین یہ بات ہو جاتی کہ حضرت علی سے بیعت کرنا اُن پر واجب ہے تو وہ کبھی اس سے پہلو تہی نہ کرتے بغیر اطمینان کلی کے ایسے امور میں کوئی شخص قدم آگے نہیں بڑھا سکتا.کوئی ہم عصر تاریخ یا نوشتہ یا صحیح روایت اس بات کو ثابت نہیں کر سکتی کہ امیر معاویہ نے اسلامی فرائض میں سے کسی ایک فرض کے ادا کرنے میں بھی کبھی کوتاہی کی ہو جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ پکے اور راست باز مسلمان تھے تو پر اس یقین کرنے میں تامل نہیں ہونے کا کہ اگر انہیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا کہ حضرت علی کی بیعت تم پر واجب ہے تو وہ بلا تامل حضرت علی کی طرف ہاتھ بڑھانے میں کوتاہی نہ کرتے فقط

پہلا مقدمہ ختم ہوا

واقعاتِ کربلا کیا ہیں؟
اس کتاب میں محدثانہ و محققانہ دلائل ہیں ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ ہماری ہر دلیل قطعی
اور اٹل ہے اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے کا رہنے والا ہو۔ کسی
کی مجال نہیں کہ ہماری کسی دلیل یا تحقیق کا کوئی جواب دے سکے ہماری جرأت اور دلیری کو دیکھئے
کہ ہم حقیقت اظہار کرنے کے لیے "کتاب شہادت" شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں اس پر
بحث نہیں کہ کوئی اس پر کان لگائے یا نہ لگائے کوئی اس کا جواب دے یا نہ دے ہاں یہ بات مسلم
ہے تمام بیہودہ، مشکوک غلط الزامات، ناپاک افترا پردازیاں، شدید زبانی بے رحمیاں اور غلیظ
تحریریں اسلام کے روشن مسائل پر لغو اتہامات سب مٹا دیئے جائیں گے۔ سب کو معلوم ہو جائے گا
کہ اسلام کیا ہے اور یاران طریقت نے کیا سمجھا رکھا تھا۔ اصلیت کیا ہے اور بیان کیا کیا جاتا تھا یہ
ساری باتیں صاف طور پر عیاں ہو جائیں گی ہاں کوئی بھی ہمارے مقصد کو کسی غلط فہمی میں نہ
ڈھالنے کی کوشش کرے کہ شیعی دنیا یا ان کے جھوٹے سچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود ہے
نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حاشا وکلا غرض صرف یہ ہے کہ اسلام اور بزرگان اسلام پر جو اتہامات لگائے
گئے ہیں ان کا تار تار الگ کر کے دکھا دیا جائے اور محدثانہ و محققانہ بحثوں سے یہ بات ثابت کر دی
جائے کہ ایسے غلط اتہامات اور الزامات سے ان کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے اس میں صدیق اکبرؓ
بھی ہیں عمر فاروقؓ بھی ہیں عثمان غنیؓ بھی ہیں اور علی مرتضیٰؓ بھی ہیں ان پر اور ان جیسے جلیل
القدر صحابہ پر نا خدا ترسوں نے اس قدر طوفان برپا کیے ہیں ایسے ایسے الزام ان پر لگائے ہیں کہ نا
واقف شخص تو ایک دفعہ کانپ اٹھے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جس دینِ خدا کی تعلیم کا یہ اثر
ہو جس نبی کی اولو العزمی اور اعلیٰ درجے کی شان و عظمت کا یہ دعویٰ کیا جاتا ہو اس کے خاص خاص صحابہ
کی یہ کیفیت تھی پھر بھلا دین خدا اور رسول کا کیا اعتبار کیا جائے۔ بس اس بات کو خیال کر کے اسلام
اور بزرگان اسلام دین خدا اور رسول خدا کی حمایت پر ہمارا قلم اٹھا ہے اور جب تک یہ قلم ہمارے ہاتھ
میں ہے ہم ایسی حمایت کو کبھی بھی ترک نہ کریں گے. ہم اسے اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں. فقط۔
CamScanner